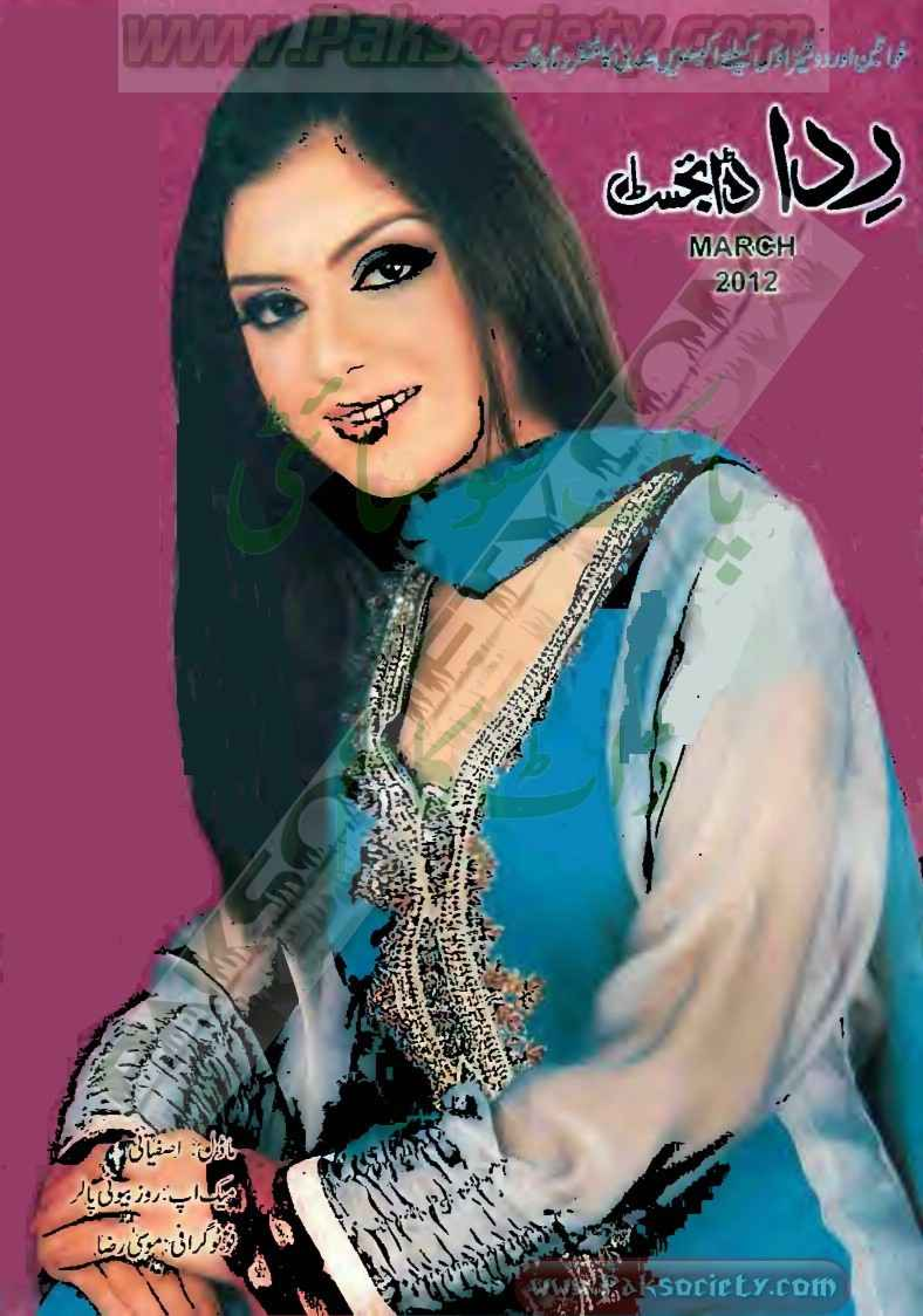

www.Paksociety.com
ردا ڈائجسٹ
MARCH
2012
ماڈل: اصفیانی
میک اپ: روز بیوٹی پارلر
فوٹوگرافی: موسیٰ رضا
www.Paksociety.com

گوشہ آگہی — صالحہ محمود ۲۴

ناولٹ

ایسا بھی ہوتا ہے — جیا قریشی ۸۶

سلسلے وار ناول

رگِ جاں سے جو قریب تھے — صالحہ محمود ۲۸
کبھی عشق ہو تو پتہ چلے — شازیہ مصطفیٰ عمران ۱۱۶
اعتبارِ عشق — سباس گل ۱۸۴
سانس، سڑک اور سکوت — نائلہ طارق ۱۴۰

مکمل ناول

اس دل میں بسے ہو تم — انعم خان ۱۶۰
میری زندگی میں تم ہو — نایاب حسین ۵۴

افسانے

تمہیں مان لیا اپنا — روشنی فاطمہ ۱۰۴
ہم تمہیں چاہتے ہیں ایسے — ثمرین اسلام الدین ۱۳۴
محبت کا جادو — سعدیہ خان آفریدی ۱۷۸
موبائل — ریما نور رضوان ۱۸۲
جیت محبت کی — نجف بتول ۲۰۲
خدا حافظ — ثناء خان صنعا ۲۰۸

مارچ 2012ء
جلد نمبر 17 شمارہ نمبر 3
قیمت 50 روپے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
500 روپے

فون 34535726

پبلشر وایڈیٹر صالحہ محمود نے سٹی پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔
مقام اشاعت ۱۲۹/ڈی بلاک۔2۔پی۔ای۔سی۔ایچ۔سوسائٹی، کراچی

مستقل سلسلے

ردائے جنت — صالحہ محمود ۲۵
ردا کی ڈائری — صدف سعد ۲۱۵
ذرا پھر سے کہنا — شہلا مشائق ۲۲۴
خوشبو — شائستہ زاہد ۲۲۱
اس ماہ میں — شائستہ زاہد ۲۱۸
گوشہ چشم — صالحہ محمود ۲۳۸
سندیسے — صالحہ محمود ۲۳۰
کچن — ثریا اقبال ۲۴۰
سنگھار — شہلا مشائق ۲۴۲
اشعار — ادارہ ۲۱۷
باتیں صحت کی — ادارہ ۲۳۹
...ستاروں کے نام پیغام — ادارہ ۲۳۷



صالحہ محمود

سرد موسموں کی طرح فروری بھی دبے پاؤں گزر گئی' اسی کو وقت کی رفتار کہتے ہیں۔ زندگی کا سارا حساب اسی وقت کی رفتار کے گرد گھوم رہا ہے۔ ٹھنڈے موسموں کا خیال ہی آنکھوں کو اتنی رعنائیاں دیتا ہے کہتے ہیں کہ وقت کو آنکھوں میں اترنا جب اچھا لگنے لگے تو کہیں زندگی کی شام اور کہیں صبح اترتی ہے۔ یہ اللہ کی تخلیق کی ایک جھلک ہے۔ وہیں پر 23 مارچ ہمارے پاکستان کی پہلی بنیاد دین کی یا وطن کی ہو دونوں میں دشواریاں آتی ہیں' سہل بنانے کے لئے بڑی جان کنی کے عذاب سے گزرنا پڑتا ہے۔ کبھی دین پلیٹ میں رکھ کر نہیں ملتا اور نہ ہی کسی وطن کی چھاؤں میسر ہوتی ہے۔

دشوار راستوں پر چلنے کے عمل کو ہی صبر کہتے ہیں۔ صبر' استقامت' حق کچھ ایسے بنیادی اصول ہیں جن کے بغیر انسان جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔

اللہ کے وضع کردہ اصول میں ایک میں بھی کمی آجائے تو ہمارے لیے بہشت کا دروازہ کبھی نہیں کھلے گا۔ دنیا میں ہمیں امتحان دیتے وقت سارے پرچوں میں مساوی نمبر لینے پڑتے ہیں اگر ان میں سے ایک پرچے میں ہم زیرو لے آئیں تو کوئی سند ہمارے پاس نہیں آئے گی۔ یہ دنیاوی لحاظ سے واضح ثبوت ہے اور دین اسلام کا اٹل فیصلہ' واضح قانون قدرت پوری بنی نوع انسانیت کیلئے ہے۔

بہر حال زندگی گزارنے کے لئے تقویٰ اور ایمان' صبر و حق کی دعوت دینا' جہاں ایمان ٹھہرا وہیں ایک چھوٹی سی بات بندہ بشر اپنے لئے بھی کرتا چلے' سو ہم بھی انہی میں سے ایک بات کہ ردا کیسا لگا۔ ردا پڑھیے' ردا آپ کا ہے لکھیے' ہم جواب ضرور دیں گے۔ ردا پڑھنے والے ہمیں جب سندیسے میں پیار بھرا پیغام اپنی محبتیں لکھ کر بھیجتے ہیں تو ہماری خوشی کا آپ اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ اس لئے ہم آپ سے کہتے ہیں کہ آپ لکھئے ردا میں' لکھئے جو کچھ آپ کے اندر ہے' ہم سے شیئر کریں' ہم آپ کو اہمیت دیں گے۔ آپ پاکستان کے کسی بھی گوشے میں ہیں ردا کو آپ اپنا جانئے اور ہمیں لکھ بھیجئے' اپنے احساسات' اپنی محبتیں' ہم سے شیئر کریں

(آپی)

صالحہ محمود

نظر بد کا دم

ام المومنین عائشہ صدیقہ ؓ کہتی ہیں رسول اللہ ﷺ مجھے نظر (لگ جانے کی وجہ سے) دم کرنے کا حکم دیتے۔

سیدنا جابر بن عبداللہ ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حرم کے لوگوں کو سانپ کے (کاٹے کے) لیے دم کرنے کی اجازت دی اور اسماء بنت عمیس سے فرمایا۔ "کیا سبب ہے کہ میں اپنے بھائی کے بچوں کو (یعنی جعفر بن ابو طالب کے لڑکوں کو) دبلا پاتا ہوں تو کیا وہ بھوکے رہتے ہیں؟"

اسماء نے کہا "نہیں' ان کو نظر جلدی لگ جاتی ہے"۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا "کوئی دم کر"۔

میں نے ایک دم آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "ان کو دم کر دیا کرو"۔

اللہ کے نام کا "دم" اور پناہ مانگنے کا بیان

سیدنا عثمان بن ابی العاص ثقفی ؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے ایک درد کی شکایت کی جو ان کے بدن میں پیدا ہو گیا تھا' جب سے وہ مسلمان ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ "تم اپنا ہاتھ درد کی جگہ پر رکھو اور تین بار بسم اللہ کہو۔ اس کے بعد سات بار یہ کہو "میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں اس چیز کی برائی سے جس کو پاتا ہوں اور جس سے ڈرتا ہوں"۔

نبی ﷺ کو جبرئیل علیہ السلام کا دم کرنا

ام المومنین عائشہ صدیقہ ؓ کہتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ بیمار ہوتے تو جبرئیل علیہ السلام آپ پر یہ دعا پڑھتے۔

"اللہ تعالیٰ کے نام سے میں مدد چاہتا ہوں' وہ آپ کو ہر بیماری سے اچھا کرے گا۔ آپ کو ہر جلنے والے کی جلن سے بچائے گا اور ہر بری نظر ڈالنے والے کی نظر سے آپ کو بچائے گا"۔

سیدنا ابو سعید ؓ سے روایت ہے کہ جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔

"اے محمد ﷺ! آپ بیمار ہو گئے؟"

آپ ﷺ نے فرمایا۔ "ہاں"۔

سیدنا جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔ "میں اللہ تعالیٰ کے نام سے آپ پر دم کرتا ہوں' ہر اس چیز سے جو آپ کو ستائے اور ہر جان کی برائی سے یا حاسد کی نگاہ سے۔ اللہ آپ کو شفا دے۔ اللہ کے نام سے میں آپ پر دم کرتا ہوں"۔

یہودیوں کا نبی ﷺ پر جادو

ام المومنین عائشہ صدیقہ ؓ کہتی ہیں۔

"رسول اللہ ﷺ پر بنی زریق کے ایک یہودی نے جادو کیا جس کو لبید بن اعصم کہتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کو خیال آتا کہ میں یہ کام کر رہا ہوں حالانکہ وہ کام کرتے نہ تھے۔ ایک دن یا ایک

رات آپؐ نے دعا کی پھر دعا کی پھر فرمایا۔ ''اے عائشہ! تجھے معلوم ہوا کہ اللہ جل جلالہ نے مجھے وہ بتا دیا جو میں نے اس سے پوچھا۔ میرے پاس دو آدمی آئے' ایک میرے سر کے پاس بیٹھا اور دوسرا پاؤں کے پاس (وہ دونوں فرشتے تھے) جو سر کے پاس بیٹھا تھا اس نے دوسرے سے کہا (یا جو پاؤں کے پاس بیٹھا تھا اس نے سر کے پاس بیٹھے ہوئے سے کہا)

''اس شخص کو کیا بیماری ہے؟''

وہ بولا ''اس پر جادو ہوا ہے''۔

اس نے پوچھا ''کس نے جادو کیا ہے؟''

وہ بولا ''لبید بن اعصم نے''۔

پھر اس نے پوچھا ''کس میں جادو کیا ہے؟''

وہ بولا ''کنگھی میں اور ان بالوں میں جو کنگھی سے جھڑے اور نر کھجور کے گابھے کے ریشے میں''۔

اس نے پوچھا ''یہ کہاں رکھا ہے؟''

وہ بولا ''ذی اروان کے کنویں میں''۔

ام المومنین عائشہ صدیقہؓ نے کہا کہ پھر رسول اللہ ﷺ اپنے چند اصحاب کے ساتھ اس کنویں پر گئے اور آپؐ نے فرمایا۔ ''اے عائشہ! اللہ کی قسم اس کنویں کا پانی ایسا تھا جیسے مہندی کا سا لال اور وہاں کے کھجور کے درخت ایسے تھے جیسے شیطانوں کے سر''۔

میں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ ﷺ! آپؐ نے اس کو جلا کیوں نہیں دیا؟'' (یعنی وہ جو بال وغیرہ نکلے)

آپؐ نے فرمایا۔ ''مجھے تو اللہ نے ٹھیک کر دیا۔ اب مجھے لوگوں میں فساد بھڑکانا برا معلوم ہوا۔ پس میں نے حکم دیا' وہ گاڑ دیا گیا''۔

ہر زہر کو دفع کرنے کیلئے دم کرنا

اسود کہتے ہیں میں نے ام المومنین عائشہ صدیقہؓ سے دم کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا۔

''رسول اللہ ﷺ نے انصار کے ایک گھر والوں کو زہر کے لیے دم کرنے کی اجازت دی''۔ (جیسے سانپ بچھو کے کاٹنے سے)

نظر بد کیلئے غسل

سیدنا ابن عباسؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''نظر سچ ہے (یعنی نظر میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے تاثیر ہے) اور اگر کوئی چیز تقدیر سے آگے بڑھ سکتی تو نظر ہی بڑھ جاتی (لیکن تقدیر سے کوئی چیز آگے بڑھنے والی نہیں) جب تم سے غسل کرنے کو کہا جائے تو غسل کرو (کیونکہ جس کی نظر بد لگ جائے' اس کے غسل کے پانی سے نظر لگے ہوئے کو غسل کرا دیا جائے تو ٹھیک ہو جاتا ہے)''

زمین کی مٹی سے دم

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے

''جب ہم میں سے کوئی بیمار ہوتا یا اس کو کوئی زخم لگتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم اپنی شہادت کی انگلی کو زمین پر رکھتے اور فرماتے۔

''اللہ کے نام سے ہمارے ملک کی مٹی' کسی کے تھوک کے ساتھ اس سے ہمارا بیمار شفا پائے گا اللہ تعالیٰ کے حکم سے''۔

سیدہ خولہ بنت حکیم السلمیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم سے سنا۔ آپؐ فرماتے تھے۔

''جو شخص کسی منزل میں اترے پھر کہے کہ میں تمام مخلوق کی شرارتوں سے اللہ تعالیٰ کے ان کامل التاثیر کلمات کی پناہ لیتا ہوں' اس کی پیدا کی ہوئی ہر چیز کے شر سے بچنے کے لیے' تو اس کو کوئی چیز نقصان نہ پہنچائے گی۔ یہاں تک کہ اس منزل سے کوچ کرے''۔

گھر والوں کو بیماری میں دم کرنا

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب ہم میں سے کوئی بیمار ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم اپنا دایاں ہاتھ اس پر پھیرتے پھر فرماتے۔

''اے مالک! تو اس بیماری کو دور کر دے اور تندرستی دے' تو ہی شفا دینے والا ہے۔ ایسی شفا دے کہ بالکل بیماری نہ رہے''۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم بیمار ہوئے اور آپ ﷺ کی بیماری سخت ہوئی تو میں نے آپ کا ہاتھ ویسے ہی کرنے کو پکڑا جیسے آپ ﷺ کیا کرتے تھے (یعنی میں نے ارادہ کیا کہ آپ ﷺ ہی کا ہاتھ پھیروں اور پڑھوں) تو آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں سے چھڑا لیا پھر فرمایا۔

''اے اللہ! مجھے بخش دے اور مجھے بلند رفیقوں کے ساتھ کر''۔ (یعنی فرشتوں اور پیغمبروں کے ساتھ)

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ پھر جو میں نے دیکھا تو آپ ﷺ کی وفات ہو چکی تھی (یعنی اس دعا کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنے پاس بلا لیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون)

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم یہ دم پڑھا کرتے۔

''اے مالک تو اس بیماری کو دور کر دے اور تندرستی دے۔ تو ہی شفا دینے والا ہے' تیری ہی شفا ہے' ایسی شفا دے کہ بالکل بیماری نہ رہے''۔

سیدنا عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم جاہلیت کے زمانہ میں دم کیا کرتے تھے۔ ہم نے کہا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم! آپ ﷺ اس کے بارے میں کیا فرماتے ہیں''۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم نے فرمایا۔

''اپنے دم کو میرے سامنے پیش کرو''۔ (دم میں کچھ قباحت نہیں۔ اگر اس میں شرک کا مضمون نہ ہو)

نظر بد سے دم کرنے کے متعلق

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم نے ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ایک لڑکی کو دیکھا جس کے منہ پر جھائیاں تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم نے فرمایا۔

''اس کو نظر لگی ہے' اس کے لیے دم کرو''۔

☆☆☆



صالحہ محمود

قسط نمبر 3

سلسلے وار ناول

رنگِ جاناں جو قریب تھے

عادل بمعہ فیملی کے گاؤں واپس چلے گئے تھے۔ روی کو دادی نے روک لیا تھا وہ خود بھی اسے گاؤں نہیں لے جانا چاہتے تھے۔

''کمال ہے روی! تم کیسے رہ لوگی یہاں؟'' کلثوم نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

''کیوں نہیں رہ سکتی روی' میں ہوں ناں''۔ تایا ابا نے روی کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔ روی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اسے اپنے باپ کا دستِ شفقت یاد آیا تو آنکھیں بھیگ گئیں۔

''روی! تمہاری آنکھوں کا کاجل پھیل گیا ہے''۔ تو وہ گھبرا کر اپنے آنچل سے آنکھیں پونچھنے لگی۔

''جھوٹ بول رہے ہیں بھائی''۔ اجالا ہنسی تو ارسلان بھی کھلکھلا کر ہنس پڑا تھا' روی بھی ہنسی تو اس کے گہرے ڈمپل پر دادی کی ایک نظر پڑی تھی' تائی اماں نے بہت گہری نظروں سے دادی اور پھر روی کو دیکھا تھا۔

''اچھا تو یہ کہانی چل رہی ہے' ارسلان بات بات پر روی کو چھیڑتا ہے اور روی کے بند ہونٹوں کی ہنسی اور اماں کے چہرے کی مسکراہٹ...... یعنی یہ کھیل کھیلا جا رہا ہے ہمارے ہی گھر میں لیکن میں ایسا ہونے ہی نہیں دوں گی۔ یہ گاؤں کی آئی ہوئی لڑکی کیا دے سکتی ہے ہمارے گھر کو' کہاں مل اونر کی اکلوتی بیٹی پر میں نظر رکھے بیٹھی ہوں' بس ذرا ایشل اور اجالا نمٹ جائیں تو میں بات کروں گی''۔ کلثوم نے ایک گہری سانس لے کر بہت کھوجتی ہوئی نظروں سے روی کو دیکھا تھا جو بے ساختہ ہنسے جا رہی تھی اور ارسلان کی نظریں اس کے چہرے سے نہیں ہٹ رہی تھیں تبھی وہیں بیٹھے بیٹھے کلثوم بولی تھیں۔

'چلو اچھا ہے روی رک گئی' اب ایشل اور ارسلان کی شادی میں شریک تو ہو جائے گی۔ اماں! میرا خیال تو یہ ہے کہ ایشل کی شادی پر زویا کو رنگ پہنا دوں''۔ وہ بڑی کھوجتی ہوئی نظروں سے روی کو دیکھ رہی تھیں۔

''لو ابھی بات تو ڈالی نہیں اور بات رنگ تک پہنچ گئی''۔ اماں کو ہنسی آئی تو انہوں نے پلٹ کر ارسلان کی جانب دیکھا تو ارسلان رخ پھیر گیا تھا' اجالا سب کی کیفیت کو محسوس کر کے ہنس پڑی تھی۔

روی اٹھ کر اندر ایشل کے کمرے میں گئی اور بار بار شیشے میں اپنا چہرہ دیکھے جا رہی تھی۔ آنکھوں کے کاجل کو دیکھا تو وہ کہیں سے نہیں پھیل رہا تھا۔ ارسلان کی شرارت پر وہ ہنس پڑی۔ بڑے سے پنک دوپٹے میں خود کو لپیٹے وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی' سامنے شیشے میں ارسلان کا عکس نظر آیا تو وہ گھبرا کر مڑی' ارسلان اسے دیکھ رہا تھا۔

ایشل جونہی کمرے میں آئی ارسلان گھبرا کر نکل گیا۔ روی ابھی تک ہنسے جا رہی تھی۔ سامنے سے آتی ہوئی تائی اماں اس سے ٹکرائی تھیں۔

''کیا بات ہے رومی! جب سے تمہارے امی ابو گئے ہیں تم کھلی کھلی سی رہ رہی ہو ورنہ بڑی اداس رہتی تھیں''۔

''تائی اماں! آپ سب اتنے اچھے ہیں کہ امی ابو کا خیال ہی نہیں آتا''۔

''کمال ہے بھئی...... ہماری بچی تو ابھی سے پریشان ہے کہ وہ اس گھر سے چلی جائے گی' سچ تو یہ بات ہے رومی! کہ تمہاری ماں کا دل بھی بہت بڑا ہے' میں تو اپنی بیٹی کو کبھی نہیں چھوڑ سکتی۔ اللہ ہماری ایشل کے نصیب اچھے کرے۔ آج کل کی لڑکیوں کو تو دیکھو کہ نہ شرم ہے نہ حیا' اپنی مرضی سے لڑکوں کو پھانس لیتی ہیں۔ اپنی اداؤں سے لڑکوں کو دیوانہ بناتی ہیں۔ ہماری ایشل اور اجالا اتنی معصوم ہیں کہ مجال ہے کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ لیں' اسی لئے دیکھو کتنا اچھا گھرانہ اسے مل رہا ہے۔ تم نے تو دیکھا ہے ذیشان کو' کیا ہینڈسم' اسمارٹ اور گڈ لکنگ ہے۔ ہر ایک کا نصیب یہ نہیں ہوسکتا۔ اللہ نے میری بیٹی کے نصیب میں یہ خوشی لکھی تھی۔ خود ہی نخرے دکھائے ایک سال پہلے' اب دیکھو کیسا آ کر گرے ہیں۔ بہت خوش ہیں وہ لوگ' کل وہ لوگ آئیں گے۔ رومی! تم ذرا کچن سنبھال لینا' انہیں ہمارے ہاتھ کے شامی کباب پسند ہیں' کل ڈیٹ لینے آرہے ہیں۔ میں تو اللہ کا شکر ادا کر رہی ہوں کہ میری بیٹی اپنے گھر کی ہو جائے گی۔ اللہ سب بیٹیوں کے نصیب اچھے کرے۔ سنا ہے میں نے حماد نے خود تم سے شادی کیلئے انکار کیا ہے''۔ تو رومی کی آنکھوں کے چراغ ایک پل کیلئے بجھ سے گئے' اسے بڑی ذلت اور تکلیف کا سامنا تھا اس وقت۔ وہ وہاں سے اٹھ کر چلی تو آئی تھی لیکن یوں لگ رہا تھا کہ مٹھی میں دل آ گیا ہو۔ تائی اماں کے کیسے کاٹ دار جملے تھے۔ ارسلان ایک نظر اس پر ڈال لے یا ہنس کر بات کرلے تو تائی اماں سارا دن اسے کچھ نہ کچھ سناتی رہتیں۔

''ارسلان بھی تو اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتا''۔ ارسلان کی ایک شوخ نظر اس کے چہرے پر کئی رنگ بکھیر گئی۔

پھر رات آہستہ آہستہ اس کی آنکھیں بھیگتی رہیں۔ تائی اماں کی کاٹ دار آنکھوں کا پیچھا' ان کے جملوں کی آوازیں اس کی آنکھوں کو برساتی رہیں۔ رات نیند بھی نہیں آرہی تھی' بظاہر وہ اجالا اور ایشل کے کمرے میں ان کے برابر میں لیٹی ہوئی تھی لیکن دکھ اور تکلیف سے اس کی آنکھوں میں آنسو تیرتے رہے۔

''اللہ غریبوں کو اتنا حسن کیوں دے دیتا ہے''۔ اسے اپنے حسن کی قدر و قیمت کا اندازہ تھا کہ وہ ایشل اور اجالا سے کہیں بہتر ہے۔ ارسلان اسے پسند کرتا ہے۔ دادی اور تایا ابا بھی یہی چاہتے ہیں لیکن تائی اماں اسے ہمیشہ نظروں میں گرائے رکھتیں۔ اتنی ذلت اور رسوائی کہ آج اس کی آنکھیں چھم چھم برسنے لگیں۔

''لوگ کیوں اپنی بیٹیوں کا دکھ بھول جاتے ہیں' میں بھی تو کسی کی بیٹی ہوں' بات کسی کی بھی ہو تائی اماں ذکر زویا کا کرتی ہیں' پتہ نہیں کون سی زویا ہے' کہاں رہتی ہے' میں تو کچھ بھی نہیں جانتی''۔ رات نا جانے کس پہر اس کی آنکھ لگی تھی۔ کتنا خوفناک اندھیرا تھا۔ کوئی اسے گھسیٹ رہا تھا۔ وہ ڈر کے مارے چیخ پڑی تھی۔ آنکھ کھلی تو وہ پسینے میں شرابور تھی۔

''کیا ہوا رومی؟'' ایشل گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔

''کچھ نہیں......'' وہ گھبرائے ہوئے بولی۔

''ڈر گئیں شاید تم!'' اجالا بھی اٹھ کر بیٹھ گئی لیکن وہ روئے جا رہی تھی۔

''کیا ہوا رومی! تمہیں اپنے امی ابو یاد آرہے ہیں؟ تمہیں اپنا گھر یاد آرہا ہے؟'' اجالا اس کا سر اٹھا کر پوچھ رہی تھی' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''تو پھر کیا ہوا؟'' ایشل نے لائٹ جلا دی تھی۔

''بس میں یونہی ڈر گئی' میں دادی کے پاس سونے جا رہی ہوں''۔ وہ اٹھ کر دادی کے روم کی طرف نکل گئی تھی۔

''دادی! مجھے ڈر بہت لگتا ہے''۔

''کس بات سے؟'' دادی نے جھک کر پوچھا تھا۔

''بس دادی''۔ اس کی آنکھیں بھیگتی چلی گئیں۔

☆

رات بارہ بج رہے تھے اس نے کھڑکی کھول کر گلی میں جھانکا' بڑی شفاف روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ زمین سے اٹھ کر اس کی نظریں اوپر آسمان تک چلی گئیں۔ چودھویں رات کا چاند' آسمان سے زمین کو تک رہا تھا۔ اردگرد سارے ہی مکانات روشن دکھائی دے رہے تھے۔ اتنا گہرا اجالا تھا کہ سب کے در و دیوار روشنی میں نہا رہے تھے۔ چاند پر نظر ڈالتے ہی ماہم کو اپنے گاؤں کا بڑا سا چاند یاد آیا۔ شانزہ کا ہاتھ تھامے وسیع میدان میں وہ دوڑ رہی تھی۔ ہنستے ہنستے چبوترے پر جب وہ بیٹھ گئیں تو چاند بھی ان کے پیچھے آ کر ٹک گیا۔ وہ پھر چلنے لگیں تو چاند بھی ان کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور ہر بار اس نے یہی جانا چاند ان کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔

کتنے لمحوں کی کہانی تھی جو پل میں سمٹ رہی تھی۔ شانزہ کے قہقہے اور اس کا بات بات پر گھبرا جانا۔

''بس شانزہ! بس اتنی دور اور نہیں جا سکتے''۔ وہ خوف سے رک گئی تھی۔

''تم ایک بزدل لڑکی ہو''۔ شانزہ بولی۔

''نہیں مجھے خوف آتا ہے' مجھے ڈر لگتا ہے''۔ ماہم پر خوف طاری تھا۔ شانزہ اسے سمجھا رہی تھی کہ اچانک بلی میاؤں سے بولی تو وہ خوف سے نیچے دیکھنے لگی' خیالات منتشر ہو گئے پھر وہ پلٹ کر اسی دریچے پر آ گئی۔

اتنا گہرا سناٹا تھا کہ ہواؤں کی دستک دل میں سنائی دے رہی تھی۔ وہ خواب' وہ راتیں' وہ دن جو پیچھے چھوڑ آئی تھی پلٹ کر پھر واپس آ گئے تھے۔ کسی ننھے بچے کی طرح انگلی تھام کر تیز ہواؤں میں وہ گاؤں کے بڑے سے میدان میں شانزہ کے ساتھ کھیل رہی تھی کھیلتے کھیلتے ہاتھ چھوٹ گیا تھا' دونوں زمین پر گری تھیں لیکن پھر بھی بلا وجہ کی ہنسی سے چہرے بلش کر رہے تھے۔ بارش تیز ہو گئی تھی۔ وہ محلے کی سہیلیوں کے ساتھ بارش میں بھیگتی رہیں۔ آسمان پر جب بجلی کڑکی تو وہ خوف سے بھاگ کر چھپر تلے آ گئی تھیں۔

اونچا پکا سا چبوترہ جس میں بہت مضبوط چھپر تھا' اسی چھپر تلے نا جانے کتنی برساتیں اور سردیوں کی شامیں گزاری تھیں۔ اس وقت بھی پانی' چھپر سے بہہ بہہ کر نیچے فرش پر گر رہا تھا۔ کوئی بھیگی ہوئی چڑیا نے اپنے گھونسلے کے قریب شور مچا رکھا تھا۔ وہ نانا سے آنکھ بچا کر چڑیا کے بچے کو چھو رہی تھی۔ ابا نے ڈانٹا' شانزہ کی شرارت پکڑی گئی تھی۔

ابا کی ایزی چیئر آہستہ آہستہ ہل رہی تھی۔ ماہم بیٹھے منشی پریم چند کی کہانی پڑھتے پڑھتے اسی دور میں اتر گئی تھی۔ چڑیا نے شور مچایا تو سب ہی اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

گلی میں پھر کتا کوئی غرایا تو رات کی لمبی تاریکی میں ایک بار پھر وہ چونک گئی۔ گلی کے نکڑ پر کوئی غریب یا کوئی چور ہی دبے قدموں گزر رہا تھا۔ اسے یاد آیا' گاؤں کی اندھیری راتوں میں جب پاگل میرا ابو دروازوں کی زنجیریں بجاتی تو لوگ سمجھتے تھے کہ گاؤں میں کوئی بلا اتر آئی ہے۔ وہ صبح ہر ایک سے یہی سنتی تھی تب ابا نے بتایا تھا کہ گاؤں کے لوگ بہت بے وقوف ہیں۔ وہ پگلی بوا راتوں کو روتی ہے۔ سردی لگتی ہے تو وہ ہر گھر کے دروازے پر دستک دیتی ہے۔

سردی کی ایک لہر ہوا کے ایک جھونکے میں کچھ اس طرح سے آئی' اس نے کپکپا کر ہاتھوں سے پٹ چھوڑ دیا تھا لیکن ہنستا مسکراتا چاند ابھی تک شیر شاہ کی پہاڑی کے اوپر چمک رہا تھا۔ رات آہستہ آہستہ بیت رہی تھی۔

☆

پھر ایک بار گھر کے اندر صفائی ستھرائی کا دور چل نکلا تھا۔ کلثوم نے صبح سے گھر کی صفائی ستھرائی پر ایک خاص توجہ دی تھی۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے آج تمہیں کالج جانے کی' گھر میں بیٹھو' تھوڑا کام میں ہاتھ بٹاؤ۔ ایشل والے پھر آج آرہے ہیں' لڑکا ایشل سے ملنا چاہتا ہے''۔ کلثوم سنک پر کھڑے برتن دھو رہی تھیں روک کر اجالا سے بولی تھیں۔

''تو ٹھیک ہے امی! ایشل آپی کو روک لیجئے' مجھے کس لئے روک رہی ہیں''۔ وہ تلملا کر بولی تھی۔

''کیوں کیا آج تمہارے امتحان ہو رہے ہیں؟ کیوں تمہیں جانا ضروری ہے؟'' وہ بولی تھیں۔

''امی! کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ میں ہوں ناں' آپ اس کو جانے دیں''۔ ایشل نے اس کی طرفداری کی تھی۔

''کہہ دیا سو کہہ دیا اور ہاں...... رومی سے بھی کہہ دو کہ سارے دروازے پونچھ کر چمکا دے' باہر کا فرش تم دھوؤ گی اور اندر کا صحن وہ دھودے گی''۔ کلثوم نے کام کا بٹوارا کر دیا تھا۔

''تائی اماں! آپ مجھے بتائیں' اجالا کو تو جانے دیں''۔ رومی ذہنی طور پر تیار ہو کر بولی تھی۔

''کیوں...... کیوں اس کو جانے دوں؟'' وہ بے دھیانی میں بولی تھیں۔

''کل تک تو سب ٹھیک ٹھاک تھا اب یہ اچانک پھر آرہی ہیں' لڑکا لڑکی سے بات کرے گا' یہ ساری غیر شرعی باتیں ہیں۔ لڑکا' لڑکی سے بات کر سکتا ہے مگر کسی کی موجودگی میں۔ مجھے یہ سب اچھا نہیں لگتا''۔ کلثوم کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئی تھیں۔

ادھر ایشل بھی اپ سیٹ تھی۔ وہ تو سمجھی تھی کہ ہر روز کا تماشا ختم ہو چکا ہے۔ زندگی سے مطمئن تھی' آنے دن کے تماشے سے جان بچی لیکن اچانک ذیشان کی فیملی کا سن کر اندر ہی اندر اپ سیٹ اور دکھی ہو رہی تھی۔

''پتہ نہیں کیوں آرہے ہیں؟ کس لئے آرہے ہیں؟ سب کچھ تو پوچھ لیا' حسب نسب' اب کیا باقی بچا ہے؟ اب کیا میری آواز کا ٹیسٹ باقی رہ گیا ہے کہ میں کیسے بولتی ہوں مسٹر ذیشان سے''۔ وہ کام کر تو رہی تھی مگر ذہن کی اسکرین پر سوالات منڈلا رہے تھے۔ ذہنی طور پر وہ اس بات کے لئے تیار نہیں تھی۔ اجالا اور رومی اسے بات بات پر چھیڑ رہی تھیں۔ خود کلثوم کے ہاتھ پاؤں یہ بات سن کر پھول گئے تھے کہ لڑکا خود ایشل سے بات کرے گا۔

''اماں! یہ بات تو میری سمجھ میں خود نہیں آرہی کہ اب ایسا کیا رہ گیا ہے کہ جو لڑکا ایشل سے بات کر کے دیکھے گا''۔ وہ حیران حیران سی تیز تیز باورچی خانے سے نکل کر ساس کی طرف آئی تھیں۔

''دیکھو کلثوم! تم چپ رہو' لڑکے والے ہیں جو چاہے کریں' بس ایشل کو سمجھا دو کہ وہ زیادہ بات چیت نہ کرے اور ہاں جو بات بھی ہو گی تمہاری موجودگی میں ہو گی۔ باقی لوگوں سے کہنا کہ وہ اٹھ کر چلے جائیں۔ اللہ خیر کرے گا' گھبرانے کی اتنی ضرورت نہیں''۔

''اماں! ہم تو سمجھے تھے کہ چلو فائنل ہو گیا اب ہم اجالا کے لئے بھی کوشش کریں گے' اس کے بعد ہی ارسلان کے لئے بھی دیکھوں گی''۔ وہ گھبرائے گھبرائے سے لہجے میں مخاطب تھیں۔

''ویسے تہمینہ ہے بہت ہوشیار' بس اللہ رحم کرے' پہلے بھی ایک بیٹی کو وہ بیاہ چکی ہیں۔ حسن و دولت نے انہیں ایسا مرعوب کیا تھا کہ بھائی مقبول کی بیٹی کو ٹھکرا کر بچپن کی مانگ چھوڑ کر ہائی اسٹینڈرڈ کے چکر میں برادری سے باہر گئیں تو منہ کی کھائی تھی' اسی لئے وہ ہمارے یہاں آئی ہیں۔ ہماری بچیاں سادہ طبیعت اور مخلص انداز کی ہیں۔ تہمینہ نے عقل مندی کا ثبوت دیا ہے''۔ اماں اپنی بہو کلثوم کو تسلیاں دے رہی تھیں۔ ان کے چہرے پر اڑتی ہوئی ہوائیاں اماں سے چھپی ہوئی نہیں تھیں۔

5 بجے کے قریب اکیلے ذیشان آیا تھا۔ اماں جی اور کلثوم کو حیرت تو ہوئی مگر پھر بھی وہ کچھ نہیں بولیں۔ کلثوم ڈرائنگ روم میں اسے بٹھا کر اندر گئی تھیں۔

''ایشل بیٹا! تم چائے لے کر اندر آجاؤ' گھبرانے کی ایسی کوئی بات نہیں ہے' آج کل کا دور ہے' لڑکا کچھ بات کرنا چاہتا ہو گا' تم تو ویسے بھی کالج یونیورسٹی جاتی ہو' کیا فرق پڑتا ہے اگر وہ تم سے کچھ پوچھ لیں یا بات کر لیں''۔ رومی اور اجالا نے ٹرالی میں لوازمات رکھتے ہوئے ایشل کو ہنس کر دیکھا تھا۔

''اماں! مجھے تو اچھا نہیں لگ رہا کہ میں وہاں جا کر ایشل کے ساتھ بیٹھوں''۔ کلثوم یہ کہہ کر وہاں سے ہٹ گئی تھیں۔

''ایشل آپی! اپنی لپ اسٹک تو صحیح کرو پھیل رہی ہے' جیجا جی تمہاری ایک جھلک دیکھنے کے لئے تو آئے ہیں۔ ارے ہاں...... بالوں کو تو دوبارہ سیٹ کرو' آہستہ آہستہ ٹرالی لے کر اندر داخل ہونا''۔ اجالا ہنسی تھی۔

''اور ہم دونوں پیچھے سے تمہیں دھکا دیں گے''۔ رومی کو شرارت سوجھی۔ . .

''بکواس مت کرو' میں بہت نروس ہوں' میں اکیلے جا کر وہاں کیا بات کروں گی؟ اللہ ہی جانتا ہے وہ کیا سوال کریں''۔ ایشل بے حد نروس تھی۔

''چلو ہم دونوں تمہارے ساتھ چلتے ہیں' دیکھتے ہیں جیجا جی کیا سوالات کرتے ہیں' میں اور رومی تمہاری طرف سے دفاع کیلئے تیار ہیں''۔ اجالا اٹل لہجے میں بولی تھی۔

''تائی اماں سے تو پوچھ لو کہ چھپنا ہے یا اندر جانا ہے''۔ اس کے گالوں کے ڈمپل بہت نمایاں تھے۔ رومی نے شوخ نظروں سے ایشل کو دیکھا تھا۔

''ابے یار! چل اندر چل...... اب کیا دھرا ہے' بات پکی ہو چکی ہے' ہماری ایشل آپی ہیں ہی اتنی اچھی''۔ اجالا بولی پھر ایشل کے ساتھ ساتھ دونوں اندر داخل ہوئی تھیں۔

سامنے بیٹھا ہوا ذیشان آفس ڈریس میں بہت اسمارٹ اور گریس فل دکھائی دے رہا تھا۔ ایشل کی ایک شرمائی ہوئی نظر اس کے چہرے پر پڑی تو اس نے سامنے سے آنے والی رومی کو بہت غور سے دیکھا تھا۔

''آپ لیجئے ناں''۔ اجالا اٹھا کر کچھ نہ کچھ ذیشان کو دے رہی تھی' جبکہ ایشل سر جھکائے خاموش بیٹھی تھی۔ رومی اور اجالا کی موجودگی میں کیا پوچھتی اور کیا جواب دیتی' خاموش بیٹھی تھی۔ اجالا اور رومی دونوں چہک رہی تھیں۔ ذیشان کی نظریں بار بار ہنستی ہوئی رومی کے چہرے پر اٹک جاتیں تو اجالا' رومی کو ایک ٹہوکا دیتی ہوئی دوبارہ ذیشان کو دیکھتی۔

''یہ ہماری چچازاد بہن ہیں''۔ اجالا نے بہت پیار سے رومی کے ہاتھ پر ایک چٹکی کاٹی تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ملگجے آف وائٹ سوٹ میں رومی کھلکھلاتی ہوئی اسے بہت اچھی لگی تھی۔ الجھے الجھے بال اور گلابی ہونٹوں کے درمیان سفید موتی جیسے دانت اور گہری شوخ نظریں جھکائی ہوئی رومی اس کو اس وقت دنیا کی سب سے حسین ترین لڑکی دکھائی دے رہی تھی۔

ایشل سے کوئی سوال جواب بھی اس نے نہیں کیا' بس وہ بیٹھا ہنستا ہی رہا۔ مسلسل اجالا اسے چھیڑتی رہی' وہ ایک کپ تھامے اجالا کے پے در پے سوالات کا جواب ہی دیتا رہ گیا۔ چلتے چلتے پھر اس نے ایک نظر رومی پر ڈالی تو ایشل کے دل میں دھڑ سے کچھ ہوا تھا۔ اس کے جانے کے بعد وہ سب کھلکھلاتی ہوئی باہر آئی تھیں۔ تینوں کو ایک ساتھ ہنستے ہوئے دیکھ کر کلثوم چپ ہو گئیں۔

''اجالا! تمہیں کس نے کہا تھا کہ تم اور رومی بھی اندر چلی جاؤ' تم تو خود وہاں جا کر جم کر بیٹھ گئیں' میں نے تو صرف

یہ کہا تھا کہ ایشل جب وہاں پہنچ جائے تو تم پلٹ کر آ جانا''۔کلثوم برہم تھیں۔

''امی جان! یہ کیسے ممکن تھا' وہ ہم لوگوں سے مخاطب ہوں اور ہم اٹھ کر چلے آئیں۔خود ایشل آپی نے میرا ہاتھ پکڑ لیا تھا''۔لیکن کلثوم کے چہرے سے ناراضگی پتہ چل رہی تھی۔انہوں نے رومی کی طرف پلٹ کر دیکھا' وہ جھینپ کر وہاں سے ہٹ گئی۔

''امی! دو چار دن کی بات ہے' آپ کچھ تو لحاظ کر لیں' رومی کو آپ نے ایسا گھور کر دیکھا کہ وہ بے چاری یہاں سے چلی گئی''۔اجالا آہستہ سے بولی تھی۔

''دو چار دن نہیں:.....ایک لمحہ ہی قیامت کا ہوتا ہے۔اللہ رحم کرے' یہ سب تمہاری دادی کا کیا دھرا ہے' ہر جگہ رومی رومی' بس رومی کے علاوہ انہیں کچھ نظر ہی نہیں آتا' ان کا بس چلے تو وہ ایشل کو ہٹا کر رومی کو بٹھا دیں''۔ایشل نے ایک گہرا سانس لیا اور نظریں جھکا گئی۔

''امی جان! آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں''۔وہ سر جھکائے دوسری طرف پلٹ گئی۔

''ارے ایشل! ادھر آؤ' کیا ہوا؟ کیا پوچھا ذیشان نے تم سے؟''دادی نے ایشل سے پوچھا تھا۔

''کیا پوچھنا تھا......یہ دونوں گھسی ہوئی وہیں بیٹھی رہی ہیں''۔کلثوم بولیں تو دادی بھی چونک گئی تھیں۔

''دیکھیں امی! میری بات سنیں' اگر رشتے اتنے ہی کچے دھاگوں کی طرح ہوتے ہیں تو یہ دھاگہ شادی کے بعد بھی ٹوٹ سکتا ہے' آپ کیوں نہیں اس بات کو سمجھتیں''۔ایشل نے ماں کی طرف دیکھا تھا۔

''بات سنو......خانہ بدوش لڑکیاں بھی بہت حسین ہوتی ہیں پھر ان کو گھر میں اٹھا کر نہیں لے آتے۔اچھی ضرور لگتی ہیں مگر پھر بھی طور طریقے کچھ ہوتے ہیں' جس کی بات کی گئی ہے اسی لڑکی کو جانا چاہیے تھا' یہ تم نے اچھا نہیں کیا اجالا! ایشل تمہاری بہن ہے جو آتا ہے وہ تمہیں پسند کرتا ہے''۔کلثوم غصے میں تھیں۔

رومی کمرے میں اندر جا کر بہت روئی تھی۔

''کیوں مجھے اجالا اندر لے کر گئی۔واقعی ذیشان مجھے پلٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔اس کی آنکھوں میں کتنی پسندیدگی تھی' اچانک کتنی چاہت اس کی آنکھوں سے نمایاں ہو رہی تھی''۔رومی کی آنکھیں ہلکی ہلکی نم ہو گئیں۔وہ پھپھو کے گھر کی تکلیف دہ باتوں کو نہیں بھلا پائی تھی' یہاں پھر اسی کی ذات کے حوالے سے آج کچھ ہو گیا۔

''اللہ تعالیٰ غریبوں کو اتنا حسن کیوں دیتا ہے کہ زندگی بار بار ہمارے لئے آزمائش بن جاتی ہے۔نہ میں گاؤں میں آزادی سے گھوم پھر سکی اور وہی شکل آج پھر ہمارے لئے دکھ کا باعث بن رہی ہے''۔وہ بند کمرے میں مسہری پر گری ہوئی روئے جا رہی تھی۔ملگجے سے آف وائٹ دوپٹے سے اس نے اپنا چہرہ رگڑا اٹھ کر آئینے میں دیکھا تو گولڈن کلرنگ بال ماتھے پر آ گئے تھے۔اس کی براؤن آنکھوں میں سرخ ڈورے اور رونے کی وجہ سے چہرہ ریڈ ہو رہا تھا۔پسینے کی گرمی اس کے جسم میں پہنے ہوئے کپڑوں سے آنسوؤں کی طرح سسک رہی تھی' ملگجا سا اندھیرا پھیل چکا تھا اور وہ ابھی تک روئے جا رہی تھی۔دادی نماز پڑھ کر آئیں تو کمرے میں گہرا اندھیرا تھا۔

☆

''مام! پاپ کو کچھ نہ کچھ پتہ تو ہے' ان کی نظریں مجھے آتے جاتے کچھ عجیب سی لگ رہی ہیں۔مام! آپ سے کوئی بات ہوئی ہے؟''تو صبا نے نفی میں سر ہلایا۔

''پھر بھی مام! کچھ نہ کچھ تو ہے۔مام! اس بار بھی میری اس غلطی کو چھپا لیں''۔وہ بہت ہی بچوں والے انداز میں ماں سے قریب ہوا تھا۔

''دیکھو اشمل! تمہاری ساری حماقتوں کو میں آج تک چھپاتی رہی ہوں' تمہیں نہیں معلوم کہ میں نے کیسے کیسے جتن کیے تاکہ تم حذیفہ سے پیچھے نہ رہ سکو۔میں کوئی طعنہ نہیں سننا چاہتی تھی کہ تم کوئی ماڈرن ماں کے بیٹے ہو لیکن یہ غلطی چھپانے کا مطلب ہے کہ ولید حیدر مجھے ایک لمحے کیلئے بھی برداشت نہیں کرے گا' ویسے تمہیں اتنی بڑی حماقت کرنی بھی نہیں چاہیے تھی' ارے مجھ سے ہی پوچھ لیا ہوتا''۔وہ آہستہ آہستہ ناخنوں کو صاف کرتی ہوئی بیٹے سے بول رہی تھیں۔

''مام! اس کا موقع نہیں ملا' سب کچھ بہت جلدی میں ہو گیا۔ماموں مجھے گائیڈ کر رہے تھے اس لئے مجھے حوصلہ ملا ورنہ ہم اور ارج تو فرینڈ تھے' ایسا کچھ نہیں ہوا ہمارے بیچ۔مام! پلیز مجھے معاف کر دیں''۔وہ بہت نروس دکھائی دے رہا تھا۔

''چلو دیکھتی ہوں' ولید حیدر کو تو میں شروع سے انگلی پر نچاتی رہی ہوں لیکن بات یہاں بھائی مبین کی ہے' ویسے تم فائزہ سے محتاط رہنا وہ ساری خبریں ولید کو دیتی ہے''۔

''مام! اس کی چھٹی کروا دیں اور جائے یہاں سے فائزہ''۔

''فائزہ اور یہاں سے جائے گی' سوال ہی نہیں ہے مائی سن۔ولید حیدر نے اسے پرسنل سیکریٹری کہہ کر اسے گھر باہر ساری فیملی میں انٹروڈیوس کروا رکھا ہے۔سارے پرسنل میٹر فائزہ دیکھتی ہے۔کب جانا ہے' کہاں جانا ہے' کس ملک کی میٹنگ کب ہو رہی ہے فائزہ کو پتہ ہے۔شروع سے تمہارا باپ مجھے اگنور کرتا آیا ہے۔فائزہ کی اہمیت بہت زیادہ ہے' میں باوجود کوشش کے فائزہ کو ولید حیدر کی زندگی سے نہیں نکال سکی''۔

فائزہ' ولید حیدر کے ساتھ یونیورسٹی میں کلاس فیلو تھیں۔وقت کی رفتار نے سب کلاس فیلوز کو ادھر اُدھر کر دیا۔فائزہ اور سعیدہ دونوں کلاس فیلو بھی تھیں جس کی وجہ سے پوری فیملی کے ایک دوسرے کی وجہ سے تعلقات تھے۔فائزہ کو یہ بات پتہ تھی کہ ولید اور سعیدہ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں' پھر فائزہ کی شادی ہو گئی اور وہ ملک سے باہر رہیں' ایک حادثے میں جب وہ بیوہ ہو گئیں تو جاب کی تلاش میں اتفاقیہ طور پر ولید حیدر کے آفس میں آئیں تو دونوں نے ایک دوسرے کو ایک سیکنڈ میں پہچان لیا تھا۔

''نہیں ولید نہیں' مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم اتنے بڑے بزنس مین ہو اور یہ انڈسٹری تمہاری انڈسٹری ہے''۔گفتگو کے دوران فائزہ نے سعیدہ کا بھی ذکر کیا تھا تو ولید اپنا رخ پھیر گئے تھے۔

''کیوں ولید! ایسا کیا ہوا؟ تم تو ایک دوسرے کے بغیر ایک پل نہیں رہ سکتے تھے اور اتنا بڑا حادثہ؟ یہ سب کیسے ہو گیا؟''

''پتہ نہیں فائزہ! ایک پل میں سب کچھ ختم ہو گیا۔بہر حال چھوڑو تم اس بات کو''۔وہ حیران حیران سی افسردہ ولید حیدر کے سامنے بیٹھی سوچ رہی تھیں کہ سعیدہ کیسے ولید کے بنا رہی ہو گی۔

''او کے فائزہ! کل سے تم جوائن کر لو' تمہاری سیلری تمہاری حیثیت کے مطابق ہو گی۔مجھے یہ جان کر بہت دکھ ہوا ہے فائزہ! کہ تم ایک بار پھر تنہا رہ گئیں''۔ولید بھی فائزہ سے مل کر خوش تو ہوئے تھے لیکن افسردہ بھی نظر آ رہے تھے۔

''اچھا ہوا فائزہ! تم مجھے مل گئیں' اس بھیڑ میں فائزہ! میں بالکل تنہا ہو گیا ہوں' سب کچھ ہے لیکن اب سکون نہیں ہے' یوں لگتا ہے کچھ بھی نہیں ہے خالی ہاتھ ہوں' ہر وقت میں گلٹی فیل کرتا ہوں''۔

''ویسے ہے کہاں سعیدہ؟''

''ہے کسی شہر میں ہے' بس مجھے اتنا پتہ ہے کہ اس کی شادی ہو گئی' نیتے' وہ پچھلے دنوں کراچی آئی ہوئی تھی' ایک بار

آنی بھی تھی گھرا ای بتا رہی تھیں لیکن میں ملک سے باہر تھا اور وہاں پچھلے دنوں فلائٹ میں مجھے احسن ملا تھا' حسیب سے تو ملاقات ہوتی رہتی ہے"۔

"بس ولید! میں تو ضرورت کے تحت گھر سے نکلی ہوں' ورنہ وقت بہت مشکل سے ملتا ہے' بیٹے اور بیٹی کی پڑھائی مکمل ہونے والی ہے۔ میرا ایک بیٹا عنقریب ماسٹرز کرلے گا' شاید پھر اتنی ضرورت نہ رہے"۔ فائزہ کا لہجہ تھکا تھکا سا تھا۔

"فائزہ! میری تو کل کائنات حذیفہ اور اشمل ہیں' وہ دونوں ملک سے باہر ہیں۔ اشمل ان دنوں یہاں آیا ہوا ہے۔ صبا کی بیٹی ہے لائبہ' مجھے بھی اپنی بیٹی جیسی لگتی ہے وہ بھی باہر ہے"۔

اور پھر فائزہ نے ولید انڈسٹریز کے اندر اپنا ایک مقام بنالیا۔ ولید حیدر بہت زیادہ اس پر ٹرسٹ کرتے تھے' تمام پرائیویٹ کام ولید کے شیڈول اور میٹنگ کالز کا خیال فائزہ رکھتی تھیں۔

ولید حیدر تمام فیملی مسائل بھی ڈسکس کرتے تھے۔ امی جان کو پتہ چلا تو وہ بھی بہت اپسیٹ تھیں اور اس طرح سے ولید ہاؤس میں فائزہ کا آنا جانا ایز اے سیکریٹری' ایز اے لائر تھا۔ سارے قانونی کام فائزہ دیکھتیں' لیگل ایڈوائزر کے طور پر انہوں نے ولید کی کمپنی کو جوائن کرلیا تھا۔ ولید تو بہت زیادہ مطمئن تھے لیکن صبا اتنی ہی ڈپریسڈ تھیں۔ فائزہ کا اس طرح سے ولید کے آفس میں آنا انہیں کبھی اچھا نہیں لگا۔ ولید حیدر' صبا کی اس بات کو ہمیشہ اگنور کرتے تھے لیکن گھر کی انوالومنٹ میں بھی فائزہ سے مدد لینے لگے' یہی وجہ تھی صبا آج اشمل سے یہ کہہ رہی تھیں کہ ہو سکتا ہے فائزہ انہیں تمام ڈیٹیلز دے رہی ہوں۔

"مام! میں فائزہ کو پاپ سے کہہ کر جاب سے ہٹوادوں گا' اتنے کلوز فرینڈ کو اتنی اہم پوسٹ نہیں دینی چاہیے۔ پاپ کی لیگل ایڈوائزر ہونے کی وجہ سے وہ ہمارے تمام خاندانی معاملات کو جانتی ہیں"۔

"میں خود یہی چاہتی ہوں اشمل! کہ وہ ولید کی زندگی سے دور ہوجائے"۔

"مام! آپ فکر نہیں کریں' میں فائزہ کو دیکھ لوں گا"۔

☆

ماحول میں گہری اداسی چھائی تھی' اداسی کچھ ایسی کہ یوں لگے ابر چھا گیا ہو جیسے' زندگی بھیگی برسات کی طرح کہیں سسک رہی ہو' شبنمی قطروں میں آنسوؤں کی نمکینی گھل گئی ہو جیسے۔ خواب ریزہ ریزہ ہوجائیں یا زندگی کسی سے روٹھ جائے' ایک ایک قطرہ دکھوں کا سمندر بنتا ہے۔ وہی شکل وہی روپ اتر آتے ہیں جنہیں ہم پیچھے کہیں چھوڑ آئے تھے۔

ماہم نے مڑ کر دیکھا کمرے کی بے ترتیب چیزیں جوں کی توں پڑی تھیں' روبی تو کب کی اس گھر سے جاچکی تھی اور کل آنے والی صبح ایک نئے گھر کی تعمیر ایک نئی بنیاد ایک نئے خواب سفر کی روئیداد رکھی جارہی تھی۔

پچھلے برسوں میں جب بارش کبھی گاؤں کی چھتوں پر برستی تھی تو وہ بھاگ کر نانا کے اونچے سے چبوترے پر چڑھ کر شانزہ کے ساتھ چھپر سے چڑیوں کے بچوں کو نکالتی' سامنے ہرا بھرا نیم کا درخت جس میں ساون کی رت آتی تو نانا بہت بڑا سا جھولا ڈلوا دیتے تھے۔ ہاتھوں میں سرخ اور ہری چوڑیاں سمعیہ باجی کے سرخ سفید مہندی بھرے ہاتھ آنکھوں کے سامنے لہرا گئے۔ نا جانے کتنے چہرے جو وہ پیچھے چھوڑ آئی تھی۔ مٹی کا گھروندا جو اس نے چھت پر بنایا تھا' تاقوں میں رکھی ہوئی کتابیں' ہاتھوں سے بنائے ہوئے مٹی کے وہ پھل جو اسکول میں بہت سراہے گئے تھے۔ وہ ایک لمحہ جو صدیوں پر محیط ہوتا ہے ایک پل میں گزر گیا۔

حماد کی واپسی تھی وہ بریڈفورڈ یونیورسٹی سے کیمیکل انجینئرنگ کی ڈگری لے کر واپس آرہے تھے۔ ابا ان دنوں شدید بیمار تھے۔

گھر کے تین کمروں میں اب گزارا مشکل تھا لہٰذا اس سے بڑا گھر اس سے پوش علاقے میں کرائے پر لے لیا گیا تھا۔ ایک ہجرت جو گاؤں سے شہر ہوئی تھی' ایک ہجرت جو اس گھر سے ہونے والی تھی۔ بہت ساری محبتوں اور رفاقتوں کا ساتھ چھوٹ جانا اتنا آسان نہیں ہوتا' لیکن مجبوری آسان بنا دیتی ہے ایسا ہونے کے لئے۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں' گھر کی در بدری پھر ہمیشہ وہ افسردہ رہی' اداس رہی۔

پھر آہستہ آہستہ رات کا دمکتا ہوا وہ چاند اس پر ایک آخری نظر ڈالی' اسے یوں لگا کوئی اس کے پیچھے ہے جو اس کی آہٹ پر مڑ گیا۔

صبح سورج دیر سے نکلا تھا شاید وہ دیر سے سو کر اٹھی تھی۔ چھٹی کا دن تھا شفٹنگ کی تیاری کتنا دشوار مرحلہ تھا' سب سے زیادہ شانزہ اس شفٹنگ پر خوش تھی' ہنس رہی تھی' اسے نیا گھر بہت پسند آیا تھا۔ وہ بار بار کہہ رہی تھی۔

"تم کیا سوچ رہی ہو' کیوں اداس ہو؟ وہاں تو چھت پر جانے کے لئے بڑا آرام دہ زینہ ہے' بہت بڑا گھر ہے' بڑے بڑے کمرے اور کھلا ہوا صحن ہے اور پیچھے بہت بڑا برآمدہ' یہاں تو گاؤں سے آکر دھوپ کو ترس گئے"۔

"شانزہ! ہم نے جب گاؤں چھوڑا تھا یاد ہے تم کو...... ہم اپنے اسکول' نانا کے مزار پر بھی گئے تھے۔ اب جب آج ہم اس گھر' اس آبادی کو چھوڑ رہے ہیں تو نا جانے کیوں دل چاہ رہا ہے قرب و جوار کے اس ویرانے میں ایک چکر لگالوں جس کو لوگ قبرستان کہتے ہیں"۔ ماہم کی سوالیہ نظریں اس کے چہرے پر تھیں۔ وہ تو خود ایسے ایڈونچر کی ماہر تھی۔

"بالکل ٹھیک' چلو آؤ مل کر دیکھ کر آتے ہیں"۔ شانزہ بولی۔

"اف خدایا! مجھے تو بڑا ڈر لگ رہا ہے' کتنی ویرانی ہے اس قبرستان میں' کتنا سناٹا ہے"۔ ماہم نے سہم کر اپنے اطراف دیکھا تھا۔

"تم تو ہمیشہ کی بزدل ہو' آؤ آگے تک چلتے ہیں' ان خالی قبروں کو جھانک کر دیکھتے ہیں"۔

"اونو شانزہ!" ماہم نے ڈر کر اس کا ہاتھ تھام لیا تھا اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

"تم ڈرتی کتنا ہو' تم بہت بزدل ہو' میں کبھی کسی چیز سے نہیں ڈرتی۔ وہ دیکھو! قبرستان کے قطبے پر کیا لکھا ہے"۔

تو ماہم نے پلٹ کر ایک قطبے پر نظر ڈالی۔

"کہہ دو راہ سے گزرنے والو! فاتحہ مرقدِ ویراں پر بھی پڑھتے جائیں"۔

"اف خدایا!" ماہم نے گھبرا کر رخ پھیر لیا۔

"اگر میں مرجاؤں نا تو یہ شعر تم لکھوا دینا"۔ تو ہنس کر شانزہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"تم کیسی باتیں کرتی ہو' تمہیں ڈر نہیں لگتا؟"

"مجھے تو کبھی کسی چیز سے ڈر نہیں لگتا"۔ شانزہ ہنستی ہوئی اس کا ہاتھ تھامے جانے کیلئے مڑی تھی۔ ماہم کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ نا جانے کتنے چہرے یاد آگئے تھے۔

مڑ کر کھلے ہوئے گیٹ کی جانب دیکھا۔ دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ وہ پسینہ پونچھتی ہوئی سڑک کراس کر کے سامنے پہنچی تو گھر تھا' جب وہ آئی تو گھر کا سامان' بڑے بڑے صندوق' دردی دالا صندوق جس پر ابا کے [illegible] رکھی ہوئی تھی' کالا سا بڑا سا بکس سامنے رکھا تھا' ابا یونیفارم روز وڈ کے چھوٹے سے باکس میں

اپنے شیلف سے اٹھا اٹھا کر کچھ پیپر رکھ رہے تھے اور اماں اپنی سفید ساڑھی کے آنچل سے اپنا ملکوتی چہرہ پونچھ رہی تھیں۔ ماہم نے مڑ کر اماں کی طرف دیکھا ان کے چہرے پر کوئی ملال کوئی دکھ نہیں تھا۔ اماں شاید اس ماحول کی عادی تھیں، لیکن ماہم کا گاؤں سے ہجرت کرنا ہی ایک قیامت کا پل تھا جو ہر وقت راتوں میں خوابوں میں اس کو اپنے حصار میں لے لیتا۔ آنکھ کھلتی تو وہ بہت بڑے سے تخت پر ثروت اور شانزہ کے ساتھ لیٹی ہوئی ہوتی۔ دہاں وہ اماں کے ساتھ بڑی سی مسہری میں لیٹ کر سوتی تھی، پھر کوئی مزدور اندر آیا تو اس کا تسلسل ٹوٹ گیا تھا۔

سب سے آگے شانزہ گاڑی میں بیٹھ کر نئے گھر میں اماں کے ساتھ گئی تھی۔ ماہم تو ابا کے ساتھ وہیں رکی رہی۔ حماد کے پودوں کی دیکھ بھال بھی تو کرنی تھی۔

☆

کلثوم باورچی خانے سے کام چھوڑ کر نکل کر آئی تھیں۔

''بس اماں! خوش ہو گئیں آپ......وہی ہوا نہ جس کا مجھے ڈر تھا، اب آپ اس طرح سے سوگ منا کر مت بیٹھیں ورنہ ہر آنے والا یہی سمجھے گا کہ میں شاید کوئی جھگڑا کر رہی ہوں، فساد کی بنیاد تو رومی ہے، کیا ضرورت تھی اسے ہمارے گھر آنے کی؟ بس اماں! میں نے کہہ دیا ہے جو بھی ہے جیسا ہمارے حالات ہمارے قابو میں ہیں۔ رات ایشل نے کھانا نہیں کھایا، صبح سے کمرے میں بند پڑی ہے، ظاہر ہے اتنی بڑی انسلٹ کون برداشت کرے گا کہ تم نہیں وہ...... یہ کیا بات ہوئی بھلا''۔ وہ ساس کو جلی کٹی سنا کر واپس کچن میں گئی تھیں۔ دیگچی کو بار بار رگڑے جا رہی تھیں، تیز نلکے کا پانی بہہ رہا تھا مگر وہ بہت غصے سے دیگچی کو رگڑ رہی تھیں، ان کو یوں لگ رہا تھا کہ تہمینہ سامنے ہوں تو وہ انہیں اسی طرح رگڑ کر پھینک دیں گی۔

کل شام ہی بشریٰ آ کر کہہ گئی تھیں۔ کیا ضرورت تھی دوسری بچی کو سامنے لانے کی؟ ذیشان کو رومی پسند آ گئی۔

گھر میں ایک سوگوار سا موسم اتر آیا۔ لوگ بھیڑ بکریوں کی طرح دوسروں کی بیٹیوں کو دیکھتے پھرتے ہیں۔ کلثوم تو یہ سمجھی تھیں چلو ایشل کی تو نمٹ گئی لیکن دو مہینے کے بعد یہ انکشاف ان کی کمر توڑ گیا، پہلے تو وہ نڈھال سی بیٹھی رہیں پھر دل بھر کر روئیں۔ سارا الزام انہوں نے رومی کے سر دھر دیا کہ آخر وہ آئی ہی کیوں ہمارے گھر؟ رومی کو بھی اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ کل کیا ہوا ہے، وہ بہت شرمندہ شرمندہ سی اجالا کے سامنے روئی تھی۔

''اجالا! مجھے کیا معلوم تھا کہ ذیشان اتنی گھٹیا حرکت کرے گا''۔

''رومی! اس میں تمہارا کیا قصور ہے، اچھا ہوا ایسے گھٹیا لوگوں سے چھٹکارا مل گیا۔ میں آپی کو سمجھا دوں گی، وقتی کیفیت ہے، آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا، تم مت پریشان ہو، تمہارا اس میں کوئی قصور نہیں ہے''۔ اجالا نے رومی کے آنسو پونچھے تھے۔

''نہیں اجالا! میں خود کو مجرم سمجھتی ہوں''۔ اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ دادی شرمندہ سی اپنے کمرے میں بیٹھی تھیں۔ گھر میں ایک سوگواری کا سا عالم طاری تھا۔ کلثوم باورچی خانے میں برتنوں کو پٹخ رہی تھیں، ... نکل کر چلے گئے تھے۔

اس نے اپنی بھیگی ہوئی پلکوں کو اٹھا کر سامنے دیکھا تو ارسلان ابھی ابھی یونیورسٹی سے گھر آیا تھا۔ ملگجے سے زرد کپڑوں میں آنسو پونچھتی ہوئی رومی کی ایک جھلک اسے نظر آئی تھی۔ رومی نے دزدیدہ نظروں سے اسے بہت آہستہ سے دیکھا تھا۔ حالات کا علم اسے بھی تھا، اس نے چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔

''پلیز رومی! تم اپنی آنکھیں پونچھ لو''۔ اس کے ہونٹوں پر ایک شریر مسکراہٹ تھی، رومی نے جل کر بڑے غصے سے اسے دیکھا تھا۔

''سوری! میں تمہیں روتا ہوا نہیں دیکھ سکتا''۔ وہ بھی سنجیدہ لہجے میں بولا۔

''اچھا......'' اچانک کلثوم کی آواز آئی تھی۔

''تم اس کو روتا ہوا نہیں دیکھ سکتے اور وہ ایشل جو کل سے روئے جا رہی ہے وہ کیا ہے؟ اس کے آنسو نہیں نظر آتے تمہیں؟'' انہوں نے شک بھری نظروں سے ارسلان کو دیکھا اور مڑ کر رومی کی طرف نظر ڈالی تو وہ ابھی تک آنسو بہا رہی تھی۔

''واہ بھئی واہ......دکھ ہمیں پہنچا ہے آنسو یہ بہا رہی ہیں۔ مظلوم بن کر تم ڈھونگ رچا رہی ہو، میں اب تمہیں برداشت نہیں کر سکتی، میری بیٹی کل تک کتنی خوش تھی''۔

''امی......!'' ارسلان تیز آواز میں بولا تھا۔

''کیوں...... برا لگ رہا ہے میں رومی کو بول رہی ہوں۔ اماں نے پٹی پڑھائی ہو گی، بابا نے کہا ہو گا کہ رومی مظلوم ہے، تم آ گئے طرفداری میں۔ اور تم یہاں کر کیا رہے ہو کھڑے؟ جاؤ یہاں سے''۔

''امی پلیز......'' ارسلان نے رومی کی جانب نظر ڈالی تھی۔

''اچھا......تو بات یہ ہے''۔ وہ بہت گہری نظروں سے ارسلان کو دیکھ کر بولیں تو وہ بہت غصے سے دانت پیس کر رہ گیا تھا۔ جاتے جاتے بے بسی سے اس نے رومی پر ایک نظر ڈالی جو اپنے وجود کو سمیٹے ہوئے سامنے صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ارسلان کے جاتے ہی کلثوم، رومی پر پھٹ پڑی تھیں۔

''دیکھو رومی! جو ہونا تھا ہو گیا۔ چلو ہم ایک بار پھر صبر کریں گے لیکن یہ مظلومیت کا رونا دھونا بالکل پسند نہیں۔ تمہارے تایا ابا تمہاری روتی ہوئی شکل دیکھ کر گھر سے باہر چلے گئے ہیں، تمہاری دادی مجھ سے بات نہیں کر رہیں، میرے بچے مجھ سے بدگمان ہو رہے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ میں تمہارے ساتھ زیادتی کر رہی ہوں۔ دیکھو رومی! تم جو سوچ رہی ہو ناں اور تمہارے ماں باپ تمہیں چھوڑ کر جس لئے یہاں سے گئے ہیں ایسا میں ہونے نہیں دوں گی''۔ رومی نے چونک کر تائی اماں کی طرف دیکھا۔

''تائی اماں! ایسا کچھ نہیں ہے جیسا آپ سوچ رہی ہیں''۔

''رومی! میں کیا سوچ رہی ہوں کیا نہیں، میں مردوں کی نظریں پہچانتی ہوں۔ تایا ابا کے دل میں دکھ اور ملال ہے تمہارے لئے اور ارسلان کو بھی تم نے ہمدردی ہے۔ یہ ہمدردی کا جو مرض ہے جب پھیل جائے ناں تو اس کو کوئی نہیں روک سکتا، اس لئے مرض کو پھیلنے سے پہلے ہی روک دیتے ہیں''۔ اچانک دوبارہ پلٹ کر ارسلان اندر آیا تھا۔

''امی......'' وہ بہت زور سے چیخا تھا۔

''آہستہ بولو ارسلان! میں تمہاری ماں ہوں اور میں تمہیں بھی بہت اچھی طرح جانتی ہوں، سمجھے تم''۔ وہ یہ کہہ کر نکل گئی تھیں۔ رومی جہاں بیٹھی تھی وہیں بیٹھی رہ گئی، اسے یوں لگا کہ وہ پتھر کی بن گئی ہے۔

''کیا کہنا چاہ رہی تھیں تائی اماں؟ ہر جگہ میرے مقدر میں ذلت اور رسوائی لکھی ہے''۔ آنسو پونچھ کر وہ اٹھ گئی۔ دادی کے کمرے میں جاتے جاتے رومی نے آہستہ سے ارسلان کے کمرے میں ایک نظر ڈالی تو وہ بہت خاموش سا سر جھکائے بیٹھا تھا۔

''ابو! آپ امی کو روکیے، آپ کچھ بولتے کیوں نہیں، اس لئے امی ایسا کرتی ہیں۔ رومی کہاں جائے گی، چاچو

آپ کے حوالے کر کے گئے ہیں روی کو وہ آپ کی ذمے داری ہے' آپ روک سکتے ہیں''۔

''نہیں میں نہبت کمزور انسان ہوں' تمہاری ماں میرا جینا حرام کر رہی ہے۔ تمہاری دادی اسے چھوٹی خالہ کے گھر بھیج دیں گی''۔

''ابو پلیز......! آپ روی کو روکئے وہ آپ کی ذمہ داری ہے''۔ ارسلان باپ سے بضد تھا۔

☆

اشمل' ولید حیدر کے جانے کا انتظار کر رہا تھا۔ ولید حیدر شیڈول کے مطابق لیبیا میں ہونے والی کانفرنس کے لئے نکلنے والے تھے۔ فائزہ نے سیٹ کنفرم کروا دی تھی۔ وقت اور فلائٹ نمبر بتانے کیلئے آج وہ آفس ایک گھنٹہ پہلے ہی پہنچ گئی تھیں۔

ولید حیدر کی پرسنل رہائش گاہ پر ہی ان کا اپنا ایک آفس تھا' جہاں پر فائزہ ان کی پرسنل سیکریٹری تھیں۔ کاروبار کی ساری معلومات فائزہ کے پاس تھیں۔ کون کیا کر رہا ہے فائزہ جانتی تھیں اور یوں بھی ولید دوست ہونے کے ناطے ان سے اپنے تمام پرسنل میٹرز بھی شیئر کر لیتے تھے' یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اشمل کی لائف کے بارے میں فائزہ سے ڈسکس کیا تھا۔

ولید حیدر کے علم میں آنے والی ہر بات میں یہ درست تھا کہ فائزہ کے ہی ذریعے معلومات ملتی تھیں لیکن ولید حیدر خود ان کا انوالومنٹ چاہتے تھے۔ ان کے دل میں فائزہ کے لئے بہت عزت و احترام تھا۔ فائزہ خود بھی بہت ڈیسنٹ سی تھیں لیکن صبا کے ذہن میں ہمیشہ فائزہ کا ایک غلط تصور تھا۔ بے بنیاد باتوں پر وہ ولید حیدر کا نام فائزہ کے ساتھ جوڑ دیتیں' اس پر وہ دانت پیس کر رہ جاتے۔ اشمل کے بھی ذہن پر اس کے اثرات پڑ رہے تھے۔ کتنا کس کو بینک بیلنس جائے گا یہ فائزہ جانتی تھیں' گھر کے اخراجات کتنے ہیں اور کب اور کیا خرچ کرنا ہے سب کا علم فائزہ کو تھا۔

ولید حیدر بہت اعتدال پسند تھے' بے جا خرچ کو وہ پسند نہیں کرتے تھے' پورا کنٹرول فائزہ کے ہاتھ میں تھا اور فائزہ اس کو ایمانداری کے ساتھ نبھا رہی تھیں۔ صبا کی شاہ خرچیاں ولید حیدر کو پسند نہیں تھیں۔ دوسری طرف صبا ولید کا مزاج بے حد شکی اور وہ حساس طبیعت کی مالک تھیں' ذرا ذرا سی بات پر روٹھ جانا حتیٰ کہ کبھی کبھی وہ اپنی زندگی میں نارمل نہیں رہتی تھیں۔ ڈاکٹر نے ان کے بارے میں یہی کہا تھا کہ یہ نانہیں سن سکتیں' جو کہیں بس بولو یس۔ لہٰذا بہت کم ولید حیدر ان کی کسی بات پر اختلاف کرتے اور فائزہ بھی اس بات کو ذہن میں رکھتی تھیں۔

فائزہ ڈرائیو کرتی ہوئیں جب ولید ہاؤس کی پارکنگ پر کار روک کر اتر رہی تھیں تو صبا ولید اس وقت ٹریک سوٹ میں جاگنگ کر رہی تھیں۔ قریب ہی میں خدیجہ پانی کی بوتل اور تولیہ لیے کھڑی تھی' فائزہ کو دیکھتے ہی ان کی اسپیڈ آہستہ ہو گئی اور وہ ٹریک سے ہٹ کر ان کی جانب بڑھیں تو خدیجہ ان کے پیچھے پیچھے تھی۔ پنک ٹریک سوٹ میں انہوں نے ریڈ ہیئر بینڈ سے بالوں کو پیچھے کیا ہوا تھا' ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ خدیجہ سے ناول لے کر اپنے چہرے سے پسینے کو پونچھتے ہوئے فائزہ کی طرف مڑ کر دیکھا۔

''کیسی ہیں بھابی آپ؟'' وہ فائزہ کو دیکھ کر رک گئی تھیں۔

''میں تو ٹھیک ہوں' اچھا ہوا فائزہ! تم مجھے اس وقت مل گئیں۔ تم ولید کی پرسـ
میں بھی تم دخل دیتی رہیں' اب تم بچوں کی لائف میں بھی دخل دے رہی ہو' یہ
کچھ بات کرنے کیلئے منہ کھولا تھا کہ انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا
ہوا دیکھتی رہیں اور آفس کی جانب چلی گئیں۔

نی تو...... میری لائف
کر سکتی''۔ فائزہ نے
[illegible] جاتا

ولید نے انہیں کہہ رکھا تھا کہ صبا کی کسی بات کو مائنڈ نہیں کرنا ہے۔ وہ اپنی بیوی کا مزاج بہت اچھی طرح سے جانتے تھے۔ ولید کا سامان تیار تھا۔ فائزہ نے ان کے ہینڈ بیگ کو ڈرائیور کے حوالے کیا۔ کنفرم سیٹ اور ٹکٹ ولید حیدر کے دراز سے نکال کر فائزہ نے ان کے حوالے کیا۔ وہ اماں سے مل کر عازم سفر ہوئے۔

تین چار بجے کا پہر تھا فائزہ اپنی سیٹ پر بیٹھی ہوئی کام میں مصروف تھیں تبھی اشمل' فائزہ کے روم میں آیا تھا۔ فائزہ کے روم میں اشمل کا آنا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ فائزہ نے کام روک کر فائل بند کر دی اور اشمل کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اشارہ تھا کہ وہ سامنے بیٹھ جائے۔

''فائزہ آنٹی! میں آپ کی بہت ریسپیکٹ کرتا ہوں کیونکہ آپ کی حیثیت پاپ کی زندگی میں بہت اہم ہے اور جو چیز پاپ کی زندگی میں اہم ہو میں بھی اسے اہمیت دیتا ہوں۔ بٹ اِٹ ناٹ مینس فائزہ آنٹی! آپ میری پرسنل لائف میں دخل دیں۔ میں کیا کرتا ہوں' کن لوگوں سے ملتا ہوں' میری کس سے کمٹمنٹ ہے آپ پاپ کو انفارم کرتی ہیں''۔

''اشمل! پہلی بات تو یہ ہے کہ میں ولید کو کوئی غیر ضروری بات انفارم نہیں کرتی اور ہاں ولید مجھے کوئی پروجیکٹ دے دیں تو میں اس پر کام کرتی ہوں''۔ فائزہ تھوڑا سا مسکرائی تھیں۔

''تو اس پروجیکٹ پر کام کرنے کا آپ الگ معاوضہ لیتی ہوں گی''۔ اس نے بہت غور سے دیکھا۔

''کچھ کام ہمارے فرائض میں شامل ہیں' ولید حیدر مجھ پر ٹرسٹ کرتے ہیں اور آنیسٹلی بیٹے! میں اپنے فرائض کی ادائیگی بہتر طور پر جانتی ہوں''۔

''لیکن آنٹی! میں اب چھوٹا سا بچہ نہیں ہوں کہ آپ میری ساری ایکٹیویٹیز پاپ تک پہنچا دیں''۔ اس کی گہری آنکھوں میں بہت زیادہ سنجیدگی اور غصے کی شدت تھی۔

''یو نو اشمل! انفارم کرنے کی تو ضرورت ہی نہیں پیش آتی''۔ انہوں نے اپنی انگلی سے کمپیوٹر کا ایک بٹن Click کیا تو اشمل کی پوری ہسٹری پوری فائل' کہاں کیا کر رہا تھا ایک بٹن کلک کرنے سے اشمل کے سامنے آ گئی۔ وکی لیکس کی طرح فائل اوپن ہو گئی تھی۔

''اشمل! دنیا بہت فاسٹ ہے بی کیئر فل...... مجھے یہ کہنا تو نہیں چاہیے پھر بھی ولید حیدر جو کچھ بھی کر رہے ہیں آپ دونوں بھائیوں کا ہے''۔

''فائزہ آنٹی! آپ اتنی ڈیپلی مت جائیں''۔ وہ اتنے غصے سے چیئر سے اٹھا کہ کرسی پوری گھوم گئی تھی۔ فائزہ نے جاتے ہوئے اشمل کو دیکھا اور مسکرا پڑی تھیں۔

لیکن فاصلے زندگی سے لمحوں کو چرا لیتے ہیں۔ ولید حیدر کی انگلی تھام کر چلنے والا اشمل آج فائزہ سے جس طرح ڈسکس کر کے اٹھا تھا اس پر فائزہ ناراض تو نہیں ہوئی تھیں بلکہ مسکرا پڑی تھیں' لیکن اشمل یہاں سے اٹھنے کے بعد سیدھا صبا کی طرف گیا تھا۔

''مام! پلیز میں یہاں نہیں رکنا چاہتا۔ پاپ کے آنے سے پہلے میں یہاں سے نکل جاؤں۔ مام! آپ نہیں جانتیں''۔ اس کا لہجہ بہت گھبرایا ہوا تھا۔

''اشمل! تم نے جو کیا ہے اچھا نہیں کیا ہے' تمہارا باپ دنیا کے کسی بھی شخص کو معاف کر سکتا ہے لیکن مبین عباسی کو جو میرا بھائی ہے نہیں معاف کرے گا''۔

''پلیز مام! اس لئے میں چاہتا ہوں کہ میں ایک بار یہاں سے نکل جاؤں''۔

"تو ٹھیک ہے تم چلے جاؤ لیکن میں اتنا بڑا رسک نہیں لے سکتی' تم ولید حیدر کی رضامندی سے باہر جاؤ گے اور اس سلسلے میں تم اپنی دادی سے بات کرو' فائزہ آنٹی کو اعتماد میں لو' نہ کہ تم فائزہ سے لڑنے آ رہے ہو۔"

"نہیں...... میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں' میں فائزہ آنٹی سے اختلاف نہیں کر سکتا ماما! ساری ڈیٹیلز ہماری فائزہ آنٹی کے پاس ہیں۔"

"دیکھا اشمل! میں کہتی تھی ناں کہ یہ فائزہ ہے۔"

"نو ماما! پاپ خود بہت اسمارٹ ہیں' یو ڈونٹ نو۔" اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں تبھی اشمل کو فائزہ نے مسیج کیا تھا تو اشمل بھاگ کر فائزہ کے روم میں پہنچا۔

"اشمل بیٹے! یہ ڈیٹیلز تمہاری ولید حیدر تک نہیں پہنچائی گئیں' تم جس انداز سے کمرے میں داخل ہوئے تھے اس کا میں نے یہ جواب دیا تھا۔ مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے اشمل! میں ولید حیدر کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔"

"تھینکس فائزہ آنٹی! سوری میں نے آپ کو ہرٹ کیا۔"

"کوئی بات نہیں اشمل! ہم جیسا سوچتے ہیں ویسا کبھی کبھی نہیں ہوتا۔ غلط فہمیاں ہمیشہ دور لے جاتی ہیں' تم کیا سمجھتے ہو کہ اس بزنس میں ولید حیدر ہی ایک انسان ہیں' نہیں کل یہ سیٹ اشمل اور حذیفہ کی ہوگی اور ہم اس زندگی کا حصہ بھی نہیں ہوں گے۔ یونو اشمل! جس دن بھی ولید نہیں چاہیں گے میں اس آفس میں نہیں رہوں گی۔ ہمیشہ یہ بات یاد رکھنا' میں اتنا ہی لیتی ہوں جتنا میرا حصہ ہے۔ کوئی خاص مراعات یا سہولت میں نے ولید سے نہیں لیں اور یہی وجہ ہے کہ ولید مجھ پر ٹرسٹ کرتے ہیں۔"

"سوری آنٹی سوری...... آئی ایم ویری سوری...... اس وقت میرا مائنڈ بہت خراب تھا۔" وہ ندامت سے سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اس کی باڈی لینگویج سے فائزہ کو یوں لگ رہا تھا کہ وہ بے حد شرمندہ ہے۔

"اشمل! یاد رکھنا اپنے مفاد کیلئے لوگ کبھی کبھی سب کچھ ہار دیتے ہیں۔ دانش مندی یہی ہے کہ ہارنے والوں پر نظر رکھی جائے کہ وہ اتنے مہربان کیوں ہیں؟ کوئی بھی شخص اپنی قیمتی چیز داؤ پر نہیں لگاتا۔" فائزہ نے بہت غور سے بیٹھے ہوئے اشمل کو دیکھا تھا۔ اشمل کو یوں لگ رہا تھا کہ فائزہ آنٹی اس کا دل سامنے بیٹھے پڑھ رہی ہوں۔

"او کے...... آنٹی! ہمارے لئے کوئی راستہ نہیں ہے۔"

"اشمل! تم نے جو کچھ بھی کیا ہے وہاں ولید اس کو ایکسپٹ نہیں کریں گے' ولید معمولی انسان نہیں ہیں' ان کے دماغ کو ریڈ کرنا تمہارے بس کی بات نہیں ہے اور نہ ہی فائزہ حسن اسے کسی دوسرے ٹریک پر لے جا سکتی ہے۔ یہ گیم جو آپ امریکا میں کھیل کر آئے ہیں' میں ہرگز ہرگز ولید کو نہیں بتاؤں گی۔" فائزہ نے اسے یقین دلایا تھا۔

"تھینکس آنٹی! میں فوراً یہاں سے جانا چاہتا ہوں۔"

"جی آئی نو...... تم سے پہلے یہ بات ولید کے ذہن میں آ چکی ہے' تمہارے ڈاکومنٹس' پاسپورٹ ولید کی سیف میں رکھے ہیں۔" فائزہ نے بہت غور سے اشمل کو دیکھا تھا۔

"دس از ناٹ فیئر...... پاپ ہمارے ساتھ ناانصافی کر رہے ہیں۔" وہ بہت افسردہ لہجے میں بولا۔

"یہ آپ کا پرسنل میٹر ہے میں اس میں کبھی انوالو نہیں ہوئی نہ ہو سکتی ہوں۔ اشمل! تمہیں اب یقین آ گیا۔" فائزہ نے پُراعتماد نظروں سے اشمل کو دیکھا تھا۔

"جی آنٹی! میں جانتا ہوں۔"

"کیا جانتے ہو تم؟ کیا یہ تم جانتے ہو کہ تم جو آج سوچ رہے ہو ولید حیدر دو دن پہلے سوچ چکے ہیں۔ ویری اسمارٹ۔ تمہارا باپ بہت ذہین اور کامیاب بزنس مین ہے۔ بہت ممکن ہے کہ جب ولید حیدر واپس آئیں تو ہمارے اور تمہارے درمیان ہونے والی تمام باتوں کو آن ریکارڈ لا سکتے ہیں۔" ان کی آنکھوں میں ایک گہری خاموشی آ گئی تھی۔

"فائزہ آنٹی! کوئی راستہ ہے کہ میں پاپ سے بچ سکوں؟" وہ بہت غور سے فائزہ کو دیکھ رہا تھا۔

"جب انسان خود کو سرنڈر کر دیتا ہے تو انسان کو یقین آ جاتا ہے کہ وہ دوسروں کو شکست دے چکا ہے۔"

"فائزہ آنٹی! کیا میں یہ سمجھ لوں کہ جو پاپ چاہتے ہیں میں وہی کر لوں۔"

"یس اشمل! اس میں تمہاری بہت زیادہ بھلائی ہے۔"

"آئی نو دیٹ۔" اشمل وہاں سے اٹھ گیا تھا۔

آج پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ ولید حیدر' اشمل سے ملے بغیر بیرون ملک چلے گئے تھے۔ ان کے نزدیک اس بات کی کوئی اہمیت نہیں تھی کہ وہ اشمل کو بتائیں کہ وہ کس ٹور پر جا رہے ہیں اور یہی بات اشمل کے ذہن میں بار بار آ رہی تھی کہ ولید حیدر کتنی خاموشی سے بزنس ٹور پر چلے گئے ہیں' وہ بدگمانی جو اشمل کے ذہن میں صبا نے ڈالی تھی ایک پل میں دور ہو گئی۔

☆

نئے گھر کی آبیاری کا کام اتنا آسان نہیں ہوتا۔ وہ چھوٹا سا پرانا گھر جسے چھوڑ کر اب نئے گھر میں سب آباد ہو گئے تھے۔ زندگی کے سارے مسائل آہستہ آہستہ خود بخود سلو ہو گئے۔ وقت کسی کے لئے نہیں رکتا' کل تک اس گھر میں روی کی کہانی ہر وقت زیر بحث تھی' اب اس نئے گھر میں حماد فاروقی زیر موضوع تھے۔ ابا کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی' شدید بیمار تھے اور حماد فاروقی بھی بریڈ فورڈ سے کیمیکل انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کر چکے تھے۔ ابا کی بیماری کی وجہ سے فوراً عازم سفر ہوئے۔ ابا کو ان پر بڑا فخر تھا۔ فیملی کے سب سے ہونہار فرد تھے۔ ماں سے لے کر باپ تک اور سبھی بہنوں سے انہیں بے حد پیار تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ابا کی بیماری کا سن کر فوراً ہی پاکستان پلٹ آئے تھے۔ ہاتھ میں صرف کتابیں تھامے ہوئے اور ایک کیمرہ تھا۔ سب کچھ وہیں چھوڑ آئے تھے۔ زوبیہ بھابی کا سوٹ کیس حتیٰ کہ کمبل بھی چھوڑ دیا تھا۔ اماں کا پانی پینے کا چاندی کا گلاس وہیں کسی دوست کو دے دیا تھا' بس اتنا کہا تھا۔

"یار! اس میں شراب نہ پینا' یہ میری ماں کا گلاس ہے۔"

سورج کی روشنی کی وہ کرن تھے جس کی پورے گھر کو ضرورت تھی۔ انہیں دیکھ کر لگتا تھا کہ واپسی کا سفر اتنا تکلیف دہ نہیں رہا۔ وہ اپنی زندگی میں بہت مطمئن اور خوش تھے اور ابا تو بے حد خوش۔

نیا نیا گھر شانزہ نے ہر طرف صفائی ستھرائی کی ہوئی تھی۔ شانزہ' ابا کے کپڑوں کو دھو کر پھیلا رہی تھی اور ابا کے کھانسنے کی آواز کمرے سے مسلسل آ رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں شانزہ' ماہم کے ساتھ اوپر آ گئی تھی۔

"کیا ہوا تم پھر کسی نئے فلسفے میں الجھ گئی ہو۔" وہ ماہم سے بولی۔

"ہاں...... پھر بھی میں کبھی کبھار غور ضرور کرتی ہوں' پتہ نہیں کل کیا ہوا جب ہم آخری بار پرانے گھر سے سامان اٹھا کر لا رہے تھے تو مجھے سفید کفن میں ایک چہرہ نظر آیا' میں ڈر گئی ہوں' میں چہرے کا نام بھی نہیں لے سکتی۔" شانزہ کو بہت زور کی ہنسی آ گئی تھی۔

"پتہ نہیں تمہیں اس قسم کے خیالات کہاں سے آ جاتے ہیں۔"

''سچ شانزہ! میں خود بھی حیران ہوتی ہوں کہ ایسا کیوں ہوتا ہے اور میں سچ بتا رہی ہوں شانزہ! میں نے یہ گیلری یہ گھر خواب میں دیکھا تھا جس میں ہم رہ رہے ہیں' میں کسی خوابوں کی اور نفسیات کی بات نہیں کر رہی ہوں۔ یہ حقیقت ہے''۔

''سو واٹ...... اگر یہ حقیقت ہے اور اگر تم نے دیکھ لیا تو' ویسے کبھی کبھی تمہاری باتوں پر مجھے یقین آتا ہے۔ چلو چھوڑو اچھا آؤ مجھے یہ بتاؤ پلیز' پلیز میرے بارے میں سوچ کر بتاؤ کہ کیا نظر آتا ہے تمہیں ماہم!'' تو ماہم نے گھبرا کر آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تھا۔

''پلیز شانزہ! وہی رات کا سیاہ پردہ جہاں مجھے کوئی نظر نہیں آتا''۔ ماہم اداسی سے اسے تک رہی تھی۔ شانزہ کے سلکی بال شولڈر پر ڈھلک رہے تھے۔ اس کی لمبی اور سفید انگلیوں میں پڑے ہوئے نازک سے چاندی کے چھلے کو وہ نظریں جھکائے گھمائے جا رہی تھی۔

''اب پریشان کیوں ہو؟ تمہی نے تو کہا تھا کہ بتاؤ تو بتا دیا لیکن یہ سب سچ تھوڑی ہوتا ہے''۔

''لیکن میں سمجھتی ہوں کہ سب سچ ہوتا ہے' جو تم بچپن سے کہتی آئی ہو۔ یاد کرو وہ گاؤں کی درگاہ جہاں اونچے اونچے درخت تھے' اس کے نیچے پانی کی چھوٹی سی جھیل جس میں گندہ پانی بھرا تھا۔ تم نے کہا تھا نا کہ ادھر مت جاؤ' میں نے خواب میں دیکھا ہے تم اس پانی میں گر گئی ہو...... اور واقعی میں گر گئی تھی یاد آیا تمہیں؟ تم نے کہا تھا تمہارے پیر میں چوٹ لگ گئی ہے' تو میرے پیر میں تو نہیں تمہارے پیر میں چوٹ لگی تھی''۔ تو دونوں کو کھلکھلا کر بڑی زور کی ہنسی آئی۔

یہ ان کی ہنسی کا ایک ایسا انداز تھا کہ جب وہ ہنستیں تو ہنسے جاتیں' وہ اتنا ہنستیں کہ ثروت باجی کو غصہ آنے لگتا' تو پھر بڑے ہنسانے والے انداز میں اور ہنسے جاتیں پھر اماں یا ابا کی ان کو ڈانٹ پڑتی تھی۔

''چھوڑو...... تمہیں معلوم ہے کہ میں بیمارِ ماضی ہوں' مجھے ماضی کے دریچوں میں جھانکنے کی عادت ہے۔ میں کہیں بھی جاتی ہوں میرے ساتھ ساتھ میرے گاؤں کا گھر چلتا ہے۔ ابا' اماں کی آوازیں آتی ہیں' نوکر چاکر حتیٰ کہ پرندے اور جانور یوں لگتا ہے میں ان کے بیچ سانس لے رہی ہوں۔ شانزہ! یقین کرو میں بیمارِ ماضی ہوں''۔ وہ سنجیدہ ہوئی تو شانزہ بولی تھی۔

''چلو اچھا ہوا تم بیمارِ عشق تو نہیں ہو''۔

''ہوں...... عشق دو طرح کے ہوتے ہیں۔ عشق مجازی اور عشق حقیقی''۔ ماہم بولی۔

''چلو پھر ہم کبھی اس ٹاپک پر بات کریں گے''۔ شانزہ ہنستے ہوئے بولی۔

''ہمارے نزدیک عشق حقیقی میں ہماری ذات سے وابستہ وہ لوگ ہیں جن سے میں محبت کرتی ہوں''۔ ماہم کی چبھتی ہوئی نظریں شانزہ کی بھوری بھوری آنکھوں میں اتر گئیں تو وہ رخ پھیر گئی۔

''عشق بے اختیار ہوتا ہے ماہم! تم یہ بات مان لو''۔ شانزہ نے کہا تو وہ منہ بنا کر بولی۔

''سراسر گھاٹے کا سودا ہے شانزہ! عقل گھاٹے کا سودا نہیں کرنے دیتی' مجھے امید ہے تم اتنی کم عقل تو نہیں''۔

''چھوڑو''۔ شانزہ جھنجلا گئی تھی۔

''میں تم سے اس ٹاپک پر بات نہیں کرنا چاہتی''۔ تبھی حماد فاروقی کے پالتو کتے نے گیٹ پر کسی کو شور مچا کر روک دیا تھا' اس نے جھانک کر دیکھا دودھ والا ڈرم ٹانگے گھنٹی کے پاس کھڑا تھا۔ شانزہ دوڑتی ہوئی دودھ لینے کے لئے نیچے اتر آئی تھی۔

گاؤں سے آنے کے بعد آج اس شہر میں پہلی بار ماہم کو یہ کھلی کھلی چھت بہت اچھی لگ رہی تھی۔ سامنے حد نگاہ

تک شیر شاہ کی پہاڑیوں کا سلسلہ نظر آ رہا تھا۔ وہ بہت دیر تک کھڑی سوچتی رہی۔ ڈوبتا ہوا سورج اس گھر کی کھڑکی سے بھی نظر آتا تھا اور آج اس کھلی چھت سے بھی دکھائی دے رہا ہے۔

گاؤں میں اس نے بھاگتے ہوئے دوڑتے ہوئے چاند کو تو دیکھا تھا' شانزہ کا ہاتھ پکڑ کر دوڑتے دوڑتے تھک گئی تھی مگر چاند کی رفتار اس کے ساتھ ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔ ہنستے ہنستے وہ دونوں کسی ٹیلے کے ساتھ جا لگی تھیں' یوں چاند ان کی آنکھوں کے سامنے تک سا گیا تھا۔

وہ دبے قدموں چھت سے اتر کر نیچے آ گئی تھی۔ سردیوں کے دن تھے۔ اماں اپنا سوئٹر بار بار جھاڑ رہی تھی' وہ بہت چپ چپ خاموش سی تھی۔

ابا کے کمرے سے کھانسنے کی آواز ابھی تک آ رہی تھی۔ زوبیہ بھابی باورچی خانے میں کام کر رہی تھیں۔ شانزہ چائے بنا کر لے آئی تھی۔ گول سی میز پر ٹرے رکھ کر کسی شاہانہ انداز سے ماہم کے ساتھ وہ چائے پینے لگی' تبھی عماد بھائی برابر والے کمرے سے گزر رہے تھے۔ ایک پاؤں میں سلیپر اڑستے ہوئے بڑی بڑی آنکھوں سے انہوں نے پلٹ کر اماں کے کمرے میں نظر ڈالی تھی جہاں چائے کے کپ ٹرے میں رکھے ہوئے تھے۔

''صبح ہو یا شام نشہ ضروری ہے''۔ عماد نے ایک چبھتی ہوئی نظر شانزہ پر ڈالی تھی وہ تو غصے سے نظریں پھیر گئی' مگر ماہم کو یوں لگا کہ چائے کا گھونٹ اس کی شریانوں میں زہر بن کر اتر رہا ہے۔

''بس اس کو عادت ہے بولنے کی' پرواہ مت کرو بولنے دو اسے' دروازہ بھیڑ دو دوبارہ نہ گزرے یہاں سے''۔ اماں بھی بولی تھیں۔

✩

رات ہونے والی بات کا اثر ابھی تک روبی کے دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا۔ رات روتے روتے اس کی آنکھیں متورم ہو گئی تھیں۔ روتے روتے چہرہ بھی نم اور بہت بجھا بجھا سا تھا۔ صبح اٹھی تو رات ہونے والا ملال ابھی تک چہرے پر جھلک رہا تھا۔

آج چھٹی کا دن تھا گھر میں سبھی لوگ موجود تھے۔ اجالا' ایشل اور روبی کے لئے چائے کا کپ لے کر کمرے میں آئی تھی۔

''اب چھوڑ روبی! جو ہونا تھا اب ہو چکا''۔ اجالا نے اس کے بجھے بجھے چہرے کو دیکھ کر کہا تو روبی کی آنکھیں ایک بار پھر چھلک پڑیں۔ ایشل کے دل میں ایک درد سا اٹھا' اس نے تڑپ کر روبی کی جانب دیکھا اور بولی۔

''روبی! تم خود کو الزام کیوں دے رہی ہو' جوڑے تو آسمان پر بنتے ہیں' ہمارا نصیب نہیں ہوگا ورنہ تو ایسی کوئی خاص بات نہیں تھی کہ تمہاری ایک جھلک میری قسمت کا فیصلہ کر دے۔ کسی بھی سانحہ کو ہونے کے لئے کسی لمحہ کا منتظر تو ہونا پڑتا ہے ورنہ کبھی کسی کی زندگی میں کوئی حادثہ ہی نہ آئے' چلو چھوڑو تم''۔

''نہیں ایشل......'' اس نے ایشل کے دونوں ہاتھ تھام لئے۔

''مجھے دکھ اپنے آپ پر نہیں ہو رہا' مجھے دکھ اس بات کا ہے کہ تمہاری خوشی کے میں آڑے آ گئی''۔

''خیر چھوڑو جو ہونا تھا اب ہو چکا ہے۔ روبی! اور ہاں اور یہ بیگ...... کہاں جانے کی تیاری ہے؟ کیا پھپھو کے گھر جانا چاہ رہی ہو؟'' تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''پتہ نہیں ایشل! میں کہاں جاؤں گی' اماں کو میں نے فون کیا ہے کہ وہ مجھے آ کر لے جائیں''۔ وہ نظریں جھکا کر بولی۔

رات بڑی بوجھل بوجھل اداس سی تھی' بڑے سے صحن میں چیکو کے درخت پر بے تحاشا چڑیاں چہچہانے لگی تھیں' رومی بے کل سی ہو کر اٹھی تھی۔

''کیوں چلانے لگیں اتنے سویرے سویرے' ابھی تو سورج بھی نہیں نکلا' دھوپ بھی نہیں اتری''۔ گھڑی پر نظر پڑی تو چھ بج رہے تھے۔

''یقیناً باہر بارش ہوئی ہے تبھی یہ چڑیاں سویرے سویرے چہچہا رہی ہیں''۔ سردی کی بارش میں چیکو کا گھنا اونچا درخت بہت اہم پناہ گاہ بنی رہی۔

یوں تو چڑیاں پورے سال اڑتی پھرتی ہیں لیکن سخت سردی میں اردگرد کی چڑیاں چیکو کے درخت پر پناہ لیتی ہیں۔ شام ہوتے ہی بسیرا کرنے کیلئے اتنا شور مچاتی ہیں کہ سب کی توجہ ان کی طرف مبذول ہو جاتی ہے۔

رومی نے بھی متورم آنکھوں سے پردہ ہٹا کر دیکھا۔ باہر ہلکی ہلکی بوندا باندی اور چڑیوں کا شور تھا۔ ہوا کا سرد جھونکا آیا اور اس کے وجود کو پورا سرد کر گیا۔ جلدی سے گھبرا کر اس نے ونڈو کا کرٹن چھوڑ دیا تھا۔ سامنے ایشل اور اجالا بیڈ پر بے خبر سو رہی تھیں۔

رات دادی بھی بہت بے چین اور پریشان سی سوئی تھیں' لیکن آج تہجد کے بعد سے انہیں بھی نیند نہیں آئی۔ ساتھ والے کمرے میں انہوں نے جھانک کر دیکھا تو رومی جائے نماز پر بیٹھی ہوئی تھی' جب وہ سلام پھیر کر اٹھی تو دادی نے ایشل اور اجالا کو بھی آواز دی تھی کہ وہ بھی نماز کیلئے اٹھ جائیں۔

وہ دبے قدموں باہر آئی تو دیکھا تایا ابا نماز پڑھ کر واپس گھر آئے تھے' اندر سے آواز آ رہی تھی۔

''رومی سے کہیں وہ چائے بنا دے گی''۔ کلثوم کی آواز پر وہ مڑ کر چائے بنانے کیلئے کچن میں چلی گئی تو ارسلان چائے کے بہانے کپ لینے کیلئے اندر آیا تھا' رومی کے ہاتھ لرزنے لگے۔ چائے کا کپ تھام کر وہ باہر نکلنے لگی تو ارسلان راستہ روک کر بولا تھا۔

''رومی! میں بہت شرمندہ ہوں' میں چاہتے ہوئے بھی تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکا۔ میری ماں مجھے کیش کروانا چاہتی ہیں' میری قیمت لینا چاہتیں ہیں''۔

''چھوڑیئے میرا راستہ' میں کسی سے بات نہیں کرنا چاہتی' آپ کی جو قیمت بھی چاہے لگائیں میرا اس سے کیا تعلق''۔ وہ ہاتھ میں مگ پکڑے ہوئے چھپاک سے باہر نکل گئی تھی۔ ارسلان وہیں کا وہیں کھڑا رہ گیا۔

''جو چاہیں قیمت لگائیں''۔ اس نے بس اس کی آواز سنی تھی' پلٹ کر دیکھا تو وہ بہت دور تھی۔

ناشتہ کرتے ہوئے اس نے دادی کے کمرے میں دادی سے آہستہ سے کہا تھا۔

''جب ماں باپ مجھے لاوارثوں کی طرح چھوڑ گئے تو آپ اتنی فکر کیوں کرتی ہیں''۔ وہ آبدیدہ دوپٹے سے چہرہ پونچھتے ہوئے بولی تھی۔

''کوئی ماں باپ اپنے بچوں کا برا نہیں چاہتے' ان کی مجبوری ہے ورنہ کون چاہتا ہے کہ اپنی بیٹی کو یوں چھوڑ کر چلا جائے۔ بیٹی سب سے قیمتی چیز ہوتی ہے اگر ماں باپ کو ذرا سا بھی شک ہو جائے کہ میری بیٹی پر کوئی غلط نظر ڈالتا ہے تو وہ برداشت نہیں کرتے۔ کیا تمہارے علم میں نہیں کہ کسی وڈیرے نے تمہارا رشتہ مانگا ہے' جس اسکول میں تم پڑھانے جاتی تھیں' وہ لوگ دھونس اور دھمکی سے تمہارا رشتہ مانگ رہے ہیں۔ ہم لوگ پڑھے لکھے لڑکے کے ساتھ حسب نسب بھی دیکھتے ہیں۔ ہم یوں اٹھا کر اپنی بیٹیاں نہیں دے دیتے۔ تمہارے ماں باپ کا بالکل صحیح فیصلہ ہے۔ وہ یہاں اب نہیں آئیں گے' انہوں نے وہاں کہہ دیا ہے کہ وہ یہیں تمہارا نکاح کر کے چلے گئے

ہیں''۔ ایک آس' ایک امید' گھر جانے کا ایک خواب ایک پل میں چکنا چور ہو گیا۔ اسے یوں لگا جیسے سر سے کسی نے چادر چھین لی ہو' بے سروسامانی کی حالت میں وہ ننگے پاؤں دشت سفر ہے' دوڑ رہی ہے' پاؤں کے آبلے پھوٹ رہے ہیں' زندگی بے کراں ہے کسی سمندر کی مانند' جس کا کوئی کنارہ نہیں ہے۔ وہ آنسو پونچھ کر اٹھی' دادی کے کمرے سے باہر نکل گئی۔

ایشل اور اجالا اپنے کالج اور جاب پر جا چکی تھیں۔ وہ ٹیبل سے برتن اٹھا کر باورچی خانے میں جا رہی تھی' وہ جہاں تھی پاؤں دھرے کے دھرے رہ گئے' سماعت پھر ایک بار اس کو جھنجھوڑ رہی تھی۔

''ارسلان! کہہ دیا ہے کہ میں رومی کو اب نہیں رکھ سکتی اس گھر میں' اور اب یہ جان کر کہ تمہاری بھی ہمدردیاں اس کے ساتھ ہیں ایک پل بھی میں اسے اس گھر میں نہیں رہنے دوں گی۔ ارے ان کے ماں باپ کے پاس ہے کیا اسے دینے کیلئے' اس سے تم اندازہ کر لو کہ وہ اپنی بیٹی کو چھوڑ کر چلے گئے۔ کیسی ماں ہے' کیسا باپ ہے وہ؟ میں تو اپنی بیٹیوں کو ایک پل کیلئے جدا نہ کروں''۔ کلثوم غصے سے بول رہی تھیں۔

''امی! ایسا مت بولئے بڑے بول' ان کی اپنی کچھ مجبوریاں ہیں جو آپ کو نہیں بتائی جا سکتیں' جو وہ اپنی بیٹی کو نہیں بتا سکتے ورنہ کوئی یوں اپنا گھر بار چھوڑ کر اتنے عرصے نہیں پڑا رہتا۔ چچا جان سے بات ہوئی ہے' گھر بار سب برباد ہو چکا ہے' فصل تباہ ہے' جن لوگوں پر انہوں نے بھروسہ کیا ہے وہ دھوکا دے گئے ہیں' وہ بے حد پریشان ہیں۔ اب آپ خود سوچئے کہ رومی یہاں سے نکل کر کہاں جائے گی''۔ ارسلان نے تمام تر دلائل دے کر اسے بچانا چاہا تھا' وہ اسے گھنی چھاؤں تلے زندگی کی نوید دینا چاہتا تھا۔ کلثوم زندگی سے چھاؤں چھین کر دھوپ بچھا رہی تھیں' ایک ایسی دھوپ جو انسان کو جھلسا دیتی ہے' وہ اپنی بیٹیوں کے مقدر حالات سے لکھنا چاہتی تھیں' رومی کو نکال کر خود کو محفوظ سمجھ رہی تھیں۔ وہ دھوپ اور وہ سایہ جو ہمیشہ انسان کی دسترس سے دور ہیں اور قدرت کی دسترس میں ہیں' جب چاہے وہ سائے میں دھوپ بھر دے اور دھوپ کو اٹھا کر وہ سائے میں بدل دے۔ زندگی کی بساط یہ الٹ پھیر' دھوپ اور چھاؤں نہیں جس سے ہم اپنا مقدر سمجھ لیں۔

آواز پھر بہت تیز آئی تھی۔

''مجھے کچھ نہیں معلوم کہ وہ کہاں جائے گی' تمہارے باپ سے بھی میں نے کہہ دیا ہے یا رومی اس گھر میں رہے گی یا میں' یہ میرا ہیڈک نہیں''۔

''امی......!'' آواز کی بازگشت سمندر کی لہروں کی طرح پتھروں سے ٹکرائی تھی۔ زندگی جوار بھاٹے کی طرح ایک پل میں اچھل کر سامنے آئی تھی۔ مسافتوں کا سفر نہ ختم ہونے والا ایک طویل راستہ جس پر اب ننگے پاؤں سفر کرنا تھا تو پھر اس عزم سفر سے کیا ڈرنا...... بھنور راستے نہیں گھر بن گئے۔ گھروں کی دیواریں اتنی تنگ و تاریک گلیوں میں آباد جزیرے بن گئے جن کے سامنے کوئی باڑ نہیں۔

وہ دبے قدموں بہت تیزی سے پلٹ کر ایشل کے کمرے میں آئی تھی۔ وہ دھڑ سے بیڈ پر گری جیسے سب کچھ ایک پل میں ٹوٹ گیا ہو' جیسے زندگی روٹھ گئی ہو۔ اس کے آنے کی رفتار نے ارسلان کو چونکا دیا' وہ بھاگ کر دھڑ کی آواز پر ایشل کے کمرے میں آیا تھا' رومی بے جان آدھے بستر سے نیچے لٹک رہی تھی' وہ الٹے پاؤں پلٹ کر دوڑا۔

''دادی' دادی! دیکھئے رومی کو کچھ ہو گیا ہے''۔

''میں صدقے میں واری...... میری رومی کو کیا ہو گیا ہے؟'' دادی اس کے بے جان جسم سے لپٹ گئی تھیں۔ اس

نے اپنی سرخ سرخ آنکھیں کھول کر ارسلان کی جانب دیکھا تو وہ نظریں جھکا گیا۔

''امی! آپ اپنی آواز نیچی بھی کرسکتی تھیں' آپ جانتی ہیں کہ یہ کھڑکی کھلی ہے اور رومی اس کے قریب ہی کہیں پر ہے۔ امی! آپ اپنے دل سے خوف نکال دیجیے یا پھر ایک کام کیجیے۔ رات کی تاریکی میں آپ اسے گھر سے دور نکال دیں' لیکن امی جان! اجالے میں بیٹھی ہوئی آپ کی بیٹیاں محفوظ نہیں رہیں گی۔ رومی کسی کی بیٹی ہے' تھوڑا اللہ کا خوف کرلیں اور خوفِ خدا بھی نہیں ہے تو پھر آپ کی مجبوری''۔

''جب آگ لگتی ہے تو سب سے پہلے اپنا گھر بچاتے ہیں۔ ارسلان! میری بھی دو بیٹیاں ہیں' مجھے ان کا مقدر بچانا ہے''۔ وہ بہت غصے سے بول رہی تھیں اور وہ بڑے دکھ سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

چند ہی گھنٹوں کے بعد بڑی دادی چھوٹی دادی سے بات کررہی تھیں۔

''ایسا کرو زبیدہ! تم رومی کو کچھ دن اپنے پاس رکھ لو' سیدھی سادی بچی ہے تم اتنے بڑے گھر میں نوکروں کی فوج میں تنہا زندگی گزار رہی ہو' کوئی کہنے سننے والا بھی نہیں۔ رومی ہوگی تمہارے پاس تو کوئی اپنا تو ہوگا۔ پھر کوئی ڈھنگ کا لڑکا مل گیا تو ہم اس ذمے داری سے بھی نکل جائیں گے''۔

''آپا! کیسی باتیں کرتی ہیں۔ میرا بس چلے تو رومی کو آنکھوں میں آباد کرلوں' یہ تو سعیدہ کی دوسری کاپی ہے''۔

زندگی بھیس بدل کر پھر آج خورشید ولا سے نکل کر ولید ہاؤس میں آگئی تھی۔ دل میں مدوجزر آگیا' قافلے در قافلے محبتوں کے جو دیے بجھا کر اندھیرے بن گئے تھے' پھر تاریک راہوں میں کبھی نہ روشن ہوئے۔

سعیدہ کی ایک کہانی جو کبھی ہونٹوں سے کبھی نہ ادا ہوئی' نہ کبھی جدائی کی سسکیاں ہونٹوں سے سنائی دیں' بس دادی کے دل میں ایک مدوجزر اٹھا تھا جس نے سارے خوبصورت لمحوں کو اچھال دیا۔

''کیوں نہیں' کیوں نہیں''۔ وہ آہستہ سے آنکھیں پونچھ کر بولی تھیں تاکہ ان کے آنسوؤں کی خبر بڑی بہن کو نہ ہوجائے۔

☆

ولید لیبیا' دبئی پھر امریکا کا وزٹ کرتے ہوئے واپس آگئے تھے۔ جو کچھ انہیں وہاں انفارمیشن امریکا میں ملیں اس کو ذہن میں رکھتے ہوئے انہوں نے انکشاف کیا تھا۔

''اشمل کو یہیں سیٹ ہونا ہے اور میں اس کی شادی کرنے جارہا ہوں۔ فوری طور پر کوئی لڑکی دیکھ لی جائے''۔ صبا جہاں بیٹھی تھیں بیٹھی رہ گئیں۔

اچانک ان کا یہ فیصلہ جس کے سامنے کوئی شخص بھی نہیں بول سکتا تھا۔ صبا نے کچھ بولنا چاہا تو انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے منع کردیا تھا۔

''بس مداخلت مت کرو' تم ماں ہو' صرف تمہیں محبت کا حق ہے' میں باپ ہوں مجھے باپ بن کر رہنے دو۔ اس میں کیا اس کی بہتری ہے میں جانتا ہوں۔ امی! آپ بھی کچھ نہیں جانتیں' بس میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ آپ اس کے مزاج کے مطابق جتنی جلدی ہوسکے لڑکی دیکھ لیں ورنہ مجھے خود انتظام کرنا آتا ہے''۔ وہ ایک جھٹکے سے ایزی چیئر سے اٹھے تو کرسی بہت تیز ہلنے لگی۔

زندگی کے اتنے اہم فیصلے پر انہوں نے کسی کی رائے لینا بھی نہیں پسند کی۔ اشمل تو خوفزدہ ہوکر ایک کونے میں چھپ گیا۔ اتنی جلدی کہاں سے اور کیسے لڑکی لائی جائے جو ولید ہاؤس کے معیار کے مطابق بھی ہو۔ صبا بہت گہری سوچ میں ادھر اُدھر نظر دوڑا رہی تھیں مگر کوئی بھی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔

''مام! کسی صورت سے پاپ کا یہ فیصلہ تبدیل کروادیں۔ مام! میری اس غلطی کو چھپالیں''۔ وہ بے حد خوفزدہ اور نروس تھا۔

زندگی کے اتنے اہم فیصلے اس نے تنہا کرلیے تھے اور آج باپ کے سامنے وہ بے بس اور مجبور تھا۔ دادی بھی اس کیلئے کچھ نہیں کرسکی تھیں اور نہ ہی کسی میں اتنی مجال تھی کہ ولید حیدر سے بات کرسکے۔

''اشمل! بس تم چپ ہوجاؤ' فیصلہ ولید کے ہاتھ میں چھوڑ دو' میں تو کہہ دوں گی کہ میرے معیار کے مطابق کوئی لڑکی نظر نہیں آئی اور میں جن فیملیز میں اٹھتی بیٹھتی ہوں وہاں کی بچیاں ولید کو کبھی پسند نہیں آئیں گی اور ولید کے خاندان میں ایسی کوئی لڑکی نہیں ہے جسے ولید تمہارے لئے منتخب کرسکے۔ ولید کی چوائس بہت اچھی ہے یہ میں جانتی ہوں' ہم اس پر ڈسکس بھی کرچکے ہیں''۔

''مام! میں پاپ کو فیس نہیں کرپارہا' ان کی نظریں ہروقت میرے چہرے پر ہوتی ہیں' میری نظریں جھک جاتی ہیں' آپ بات کریں اگر انہیں شادی کا اتنا ہی شوق ہے تو وہ حذیفہ کی کریں' میری ابھی اسٹڈی مکمل نہیں ہوئی' میں واپس جاؤں گا' میں ارج سے کمیٹڈ ہوگیا ہوں' پاپ کو آپ یہ بات بتائیں''۔ وہ چہرے سے بہت خوفزدہ اور سہما ہوا بول رہا تھا۔

''نو اشمل! تم اپنے باپ کے غصے سے واقف نہیں ہو' میری ناں سے وہ مجھے گیٹ کے باہر کھڑا کردے گا۔ میں اپنی زندگی داؤ پر نہیں لگا سکتی۔ کتنی مشکل سے حذیفہ کیلئے ولید نے مجھے ایکسیپٹ کیا' اگر تمہاری دادی مجھے فیور نہیں کرتیں تو ولید ڈائیورس کرنے جارہا تھا مجھے' اس کو میری ضرورت نہیں ہے' وہ ملک سے ہروقت باہر رہتا ہے''۔

''مام! میں نے ارج سے بات کی ہے' وہ کہتی ہے کہ میرے بابا تمہارے پاپ سے بات کرلیں گے' میں بس ایک بار یہاں سے نکل جاؤں۔ مام! پھر میں واپس نہیں آؤں گا''۔

''امپاسیبل اشمل! ایسا مت کرو' جو وہ کہتا ہے مان لو' اسی میں تمہاری اور میری بھلائی ہے''۔

''مام! کتنا ایزی لے رہی ہیں اس بات کو' میری اور ارج کی لائف برباد ہوجائے گی''۔

''یہ تمہیں پہلے سوچنا چاہیے تھا''۔ صبا بے بسی سے بولی تھیں۔

ولید ہاؤس میں بہت خوف طاری تھا۔ صبا ہر ایک سے کانٹیکٹ میں تھیں کہ کوئی ایسی لڑکی مل جائے کہ وقتی طور پر اشمل سے نکاح کردیا جائے کہ کتنی ہی بھاری رقم دینی پڑے۔ اشمل بھی اس بات کیلئے راضی تھا' لیکن غریبوں میں کوئی اپنی بیٹی کا سودا کرنے کیلئے تیار نہیں تھا۔

''اشمل! تم بہت زیادہ نروس ہو' ولید تمہارے اندر کا بھید جان لے گا''۔

''مام! وہ جان چکے ہیں' اس لئے وہ یہ گیم کھیل رہے ہیں''۔ وہ بے بسی سے ہاتھ مل رہا تھا۔

''تو پھر...... یہ کام حذیفہ نے کیا ہے''۔

''نو مام نو...... حذیفہ کو یہ بات نہیں معلوم کہ ارج اور میری میرج ہوچکی ہے''۔

''اشمل!'' انہوں نے اپنی چیئر اس سے بہت قریب کرلی۔

''اشمل! یو نو یہ تمہارا باپ دولت کی ہوس میں اندھا ہورہا ہے' شوگر اور بلڈ پریشر کے مریض ہیں' وہ آئی تھنک سو..... ان کی age بھی اتنی ہورہی ہے۔ فیملی disease سے وہ بچ نہیں سکیں گے' تمہارے جتنے تایا تھے' وہ سب 50 کراس ہوتے ہی اس دنیا سے چلے گئے۔ ولید عنقریب 50 کراس کرنے والے ہیں' سب کچھ تمہارا ہوگا۔ میں حذیفہ کو کچھ نہیں لینے دوں گی' کسی صورت سے تم یہ وقت گزارلو' میں بندوبست کررہی ہوں' کسی نے مجھے بتایا ہے کہ

ایک ڈائیوورسی لڑکی ہے جو بہت ضرورت مند ہے‘ اس کے ماں باپ فی الحال پیسے پر تو راضی نہیں ہوئے البتہ میں انہیں کچھ دے دلا کر نکاح پڑھوا کر گھر میں لے آؤں گی۔ تم جب تک چاہو اس کے ساتھ رہو اور جب چاہو کہہ دینا کہ میری انڈراسٹینڈنگ نہیں ہے وہ چلی جائے گی‘ انڈراسٹینڈ“۔

”مام! آپ بہت غلط سوچ رہی ہیں۔ حذیفہ میرا بھائی ہے اور باپ کی زندگی میری زندگی ہے‘ آپ ایسا مت سوچیں“۔ اس کا لہجہ آنسوؤں میں بھیگ رہا تھا تبھی سیل پر بیپ ہوئی‘ ارج بول رہی تھی۔

”ہائے سوئیٹ ہارٹ! میں آن لائن ہوں‘ دو دن سے تم سے بات نہیں ہوئی‘ جلدی کرو“۔

”ارج! تم کیسی ہو؟“ ارج ہنسے جا رہی تھی۔ سامنے چائے کا کپ رکھا ہوا تھا‘ تبھی اشمل کے قریب آ کر ایزل آ کر بیٹھ گئی تھی۔

”او مائی گاڈ! میری سوکن آخر ولید ہاؤس میں آ ہی گئی“۔

”بکو مت ارج! تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے‘ یہاں میری جان پر بن گئی ہے“۔

”او نو نو مائی سوئیٹ ہارٹ! تم اتنے نروس کیوں ہو‘ ہماری لائف میں ایک بلی تو شامل نہ ہو سکی‘ میں کسی لڑکی کو کیا شامل کروں گی۔ کر لو تم کسی معمولی لڑکی سے شادی‘ ہم دونوں مل کر انجوائے کریں گے۔ وہ ہمارے درمیان کبھی نہیں آئے گی‘ ہم ہم ہیں‘ جس دن تمہارے باپ کو یہ پتہ چلے گا کہ پاکستانی سکہ رائج الوقت نہیں‘ اسٹیٹ کی ساری پراپرٹی جو تمہارے نام تھی وہ سب میرے نام ہے۔ اشمل! تم کیوں اتنے خاموش اور نروس دکھائی دے رہے ہو‘ چیئر اپ“۔ اس نے گلاس میں چھلکتی ہوئی وائن دکھائی تھی۔

”پلیز ارج! ڈونٹ ڈرنک ٹو مچ“۔ تو ارج کو بہت زور کی ہنسی آئی تھی۔

”او یو...... پاکستان میں تم مولوی بن گئے“۔

”تم جو سمجھ رہی ہو ارج! کہ زندگی اتنی آسان نہیں ہے‘ تم نے کتنی آسانی سے کہہ دیا کہ میں باپ کی بات مان لوں“۔ وہ بہت سوگوار لہجے میں بولا تھا۔ اسے آنے والے طوفان کا خدشہ تھا جو عنقریب ولید ہاؤس میں آنے والا تھا۔

”میں نے کہا ناں اشمل! جسٹ فار آ گیم...... ہم تم مل کر یہ گیم کھیلتے ہیں۔ محبت میں آزمائش شرط ہو گی‘ تم اس کو ٹچ نہیں کرو گے اور اگر کر بھی لو تو ہم انجوائے کریں گے۔ دیکھتے ہیں وہ اشمل سے ہمارا دل کیسے چھینتی ہے“۔ وہ کھلکھلائے جا رہی تھی۔ زندگی اس کیلئے بے حد آسان کھیل تھا۔ اکثر لوگ ایسا ہی کھلواڑ کرتے ہیں۔ بیٹھے بٹھائے زندگی میں ایسا کھیل کھیلنا چاہتے ہیں تاکہ دوسروں کی پرسنل لائف کو انجوائے کر سکیں۔ دس از دا فیکٹ کہ ارج جیسے لوگ ابھی بھی اس دنیا میں رہتے ہیں اور بعد میں جب سر پر مسلط ایک دوسری عورت سامنے آ کر کھڑی ہوتی ہے تو روتے پھرتے ہیں‘ شوہر سے شکوہ کرتے ہیں‘ اپنا ہی محبوب بے وفا لگتا ہے‘ بے وفائی کی چادر خود بچھاتے ہیں اور جب پاؤں باہر ہو جائیں تو شکوہ کرتے ہیں ہار اس کھیل میں شرط رکھتے ہیں جبکہ بار ہی ہار ہے۔

انسان کی سرشت میں خمار گندم کا نشہ اگر نہ ہوتا تو کبھی ایسا کھیل کوئی نہ کھیلتا۔ بچے کی آس امید پر کسی عورت کو خرید کر بیوی کا مرتبہ دلا کر بچے کی تسکین حاصل کرنا بہت دشوار عمل ہے۔ کبھی کوئی عورت اپنا حق نہیں چھوڑتی لیکن مغرب کی عورت شاید اس خمارِ گندم سے ناواقف تھی‘ تبھی ارج نے ولید حیدر کے خیال کو ایک جوک سمجھ کر ہوا میں اڑا دیا اور اشمل کو مجبور کرنے لگی کہ کسی بھی لڑکی سے وہ شادی کر لے اور اس طرح سے وہ ایک نئی زندگی انجوائے کرے گی لیکن اشمل اپنے باپ سے واقف تھا ہر بار احتجاج کرتا اور ہر بار وہ یہی کہتی۔

”او نو اشمل! تم فوراً یہ شادی کر لو‘ ہم ہم ہیں۔ جب ہم چاہیں گے تم اسے چھوڑ دینا‘ تمہارا باپ چند مہینوں کا مہمان ہے“۔ تو وہ غصے سے کہتا۔

”جسٹ شٹ اپ ارج!“ اور وہ skype پر سامنے بیٹھی ہوئی ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو جاتی۔

”میں کچھ نہیں جانتی‘ اسی وقت ایزل کو دھپ لگا کر اپنی گود سے اتارو‘ اگر میں وہاں ہوتی ناں تو اس کو جان سے مار دیتی“۔

”تم بہت بے وقوف لڑکی ہو‘ ایزل کو تو برداشت نہیں کر رہی ہو اور اس کو تم برداشت کر لو گی“۔

”کون کون...... کیا وہ مل گئی؟ پھپھو جی کو مل گئی وہ؟“ وہ بے قراری ہو کر ہنسنے لگی۔

”پاگل مت بنو ارج! یہاں لڑکیاں بکتی نہیں ہیں‘ یہ امریکا نہیں ہے کہ ہم نیشنلٹی کیلئے جا کر شادی کر لیں“۔

”یار اشمل! گڈ آئیڈیا...... یہ تو زندگی کا ایک معمول ہے تمہیں معلوم ہے کہ آل ریڈی آئی ایم میرڈ...... بٹ میرا وکیل اس سے ملنے نہیں دیتا‘ ورنہ تو میں اس کو دیکھنا ضرور چاہتی ہوں“۔ وہ ہنسی۔

”جسٹ شٹ اپ...... یہاں ایسا نہیں ہوتا“۔ وہ بولا۔

”تم کرو گے نا پہلی۔ کیا فرق پڑتا ہے اشمل! آل ریڈی آئی ایم میرڈ یو نو...... پھر بھی میں نے اور تم نے شادی کی‘ وہ تو میری پیپر میرج تھی‘ تم بھی کسی لڑکی سے ایسے ہی پیپر میرج کر لو کیا فرق پڑتا ہے“۔

”فرق پڑتا ہے ارج! فرق پڑتا ہے‘ وہاں پیپر میرج ہوتی ہے ایک دوسرے سے ملتے نہیں ہیں‘ ہسبینڈ اور وائف بن کر نہیں رہتے‘ جب مدت پوری ہوتی ہے تو ڈائیورس کر لیتے ہیں۔ یہاں ایسا کچھ نہیں ہے‘ شادی کر کے مجھے اس کے ساتھ رہنا ہو گا“۔

”تو سو واٹ......“ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

”ہم تمہارے پیارے بیڈروم کے سین دیکھیں گے“۔

”نان سینس......“

”کیوں ابھی سے تم کو ہمدردی ہو رہی ہے‘ تم مجھ سے چھپانا چاہو گے؟ اشمل! ہم انجوائے کریں گے وہ کیسی لگتی ہے‘ ہم دیکھیں گے اسے‘ ٹھیک ہے اشمل“۔

”چھوڑو تم...... میں بہت اپ سیٹ ہوں‘ مام سے بات کرنی ہے؟“

”ہاں پھپھو کو بلاؤ“۔ ارج بولی۔

”مام بات کریں گی‘ بٹ مام کو یہ بات نہیں پتہ چلے کہ تمہارے اور ہمارے درمیان یہ بات ہوئی ہے“۔

”ہائے پھپھو! آپ کیسی ہیں؟ پھپھو! اشمل موٹا ہو رہا ہے‘ آپ اس کو کچھ زیادہ ہی نہیں کھانا کھلا رہیں“۔

”ارے کہاں ارج! یہ تو ناشتہ ہی نہیں کرتا“۔ صبا بولیں۔

”پھپھو! اس کو لسی اور مکھن‘ ربڑی اور وہ...... پوری حلوہ روز دیں تاکہ یہ اور سلم ہو جائے“۔

”ارج! تم میری دشمن ہو“۔ ماں کا چہرہ ہٹا کر اشمل بولا تھا۔

”بلیوی اشمل! تم تھکے تھکے کمزور لگ رہے ہو‘ اس لئے میں جوک کر رہی تھی“۔

”یہ جوک کبھی میری دادی سے مت کر لینا ورنہ وہ سچ مچ میرے پیچھے لگ جائیں گی“۔

”وہ تمہاری اولڈ دادی ابھی تک زندہ ہیں؟ جان نے تو اپنی مدر کو اولڈ ہاؤس میں رکھوا دیا ہے اور تم ابھی تک اپنی دادی کو سنبھالے بیٹھے ہو۔ اشمل! تم لوگ کبھی تبدیل نہیں ہو سکتے‘ تمہارا معاشرہ‘ تمہارا کلچر‘ آئی مین یو......“ تو صبا بولی تھیں۔

"ارج! ایسا نہیں بولتے"۔
"کیوں پھپھو! وہاں اولڈ ہاؤس نہیں ہے؟"
"نو نو...... یہاں ایدھی ہوم ہے جہاں بوڑھوں کو رکھتے ہیں' مگر ولید کی لائف تک ایسا نہیں کر سکتے' وہ ان کی ماں ہیں"۔
"لیکن وہ پورا انٹرفیئر کرتی ہے صبا!" ارج کی ماں آن لائن تھیں۔
"کیا کر سکتی ہوں بھابی! مجبوری ہے۔ وہ تو خیر دو چار یا ایک دو سال میں مر کھپ جائیں گی' سب کچھ میرا ہوگا' بٹ حذیفہ میرا ہیڈک ہے"۔ تو اشمل بہت زور سے چیخا تھا۔
"مام! کیسی باتیں کرتی ہیں آپ؟" ارج کو پھر ہنسی آئی تھی۔
"اوہو...... تمہارے بیٹے کو تو بہت برا لگتا ہے بھئی' دادی محبتیں لٹاتی ہوں گی اس کے اوپر' پڑھ پڑھ کر دم کرنا' پھونکیں مارنا' یہ تو پاکستان کا کلچر ہے"۔ ارج کی ماں پھر بولی تھیں۔
"کیا کروں بھابی! مجبوری ہے' ہم انہیں اٹھا کر باہر تو نہیں پھینک سکتے"۔ ایک گہری اور سرد سانس باہر آئی تھی۔
"ظاہر ہے بھئی...... ولید حیدر کے ساتھ رہنا ہی ایک بہادری ہے' نا جانے تم کیسے جی رہی ہو' میں تو ایسے گھٹے ہوئے ماحول میں نہیں رہ سکتی' لائبہ کے سمر ویکیشن پر تم چکر لگالو"۔
"سوچوں گی۔ دراصل ولید حیدر پر میں ٹرسٹ نہیں کرتی' یوں لگتا ہے میں گھر سے باہر نکلی اور دوسری عورت یہاں آ جائے گی"۔
"او مائی گاڈ مام! مامی! آپ مام کو سمجھائیں"۔
"میں کیا سمجھاؤں تمہاری ماں کو۔ تم لوگوں کا ماحول ہی ایسا گھٹا گھٹا ہے یہاں کسی وقت بھی کوئی آ سکتا ہے' مگر اشمل! میری بیٹی پاکستان نہیں آئے گی تمہیں آنا ہوگا۔ یوں بھی ارج اکیلے ماری ماری پھرتی ہے' مجھے اچھا نہیں لگتا۔ آ جاؤ بیٹے! ہم بھی بہت اداس ہیں"۔
"یہ تو ایک پل نہیں رہنا چاہتا یہاں"۔ صبا نے پلٹ کر اشمل کی جانب دیکھا تو وہ نظریں جھکائے دوسری جانب دیکھ رہا تھا۔
"دیکھا پھپھو! ہم اس وقت بات کر رہے ہیں اور اشمل' ایزل کو کتنی پیار سے تک رہا ہے۔ اگر میں پاکستان آئی ناں سب سے پہلے میں ایزل کو اس دنیا سے فارغ کر دوں گی اور پھر یہ اس کی قبر بنا کر بیٹھا رویا کرے گا۔ جب ذی مری تھی تو اس نے ایک ہفتے سوگ منایا تھا' ایزل مرے گی تو یہ پتہ نہیں کیا کرے گا"۔ وہ بہت کھلکھلا کر ہنسے جا رہی تھی۔
"اگر تم نے ایزل کو ہاتھ بھی لگایا ارج! تو میں تمہیں بھی مار دوں گا"۔
"جاؤ جاؤ...... تمہاری کیا مجال ہے کہ تم ہاتھ لگاؤ' میں ایزل کی گردن مروڑ کر پھینک دوں گی"۔ تو اشمل بولا۔
"اور اس دن ہم ایک دوسرے سے ہمیشہ کیلئے جدا ہو جائیں گے"۔
"چلو پھر کبھی ہم دیکھیں گے"۔ وہ بہت ہی شوخ لہجے میں بول کر ہنس رہی تھی اور اشمل بہت فکرمند اور اداس اداس وہاں سے ہٹ گیا۔

(جاری ہے)

نایاب حسین

مکمل ناول

میری زندگی میں آئے ہو

جونہی اس نے اپنا لیپ ٹاپ آن کیا' تو جمیلہ اسی وقت بوتل کے جن کی طرح اس کے کمرے میں حاضر ہوئی' اس نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔



''وہ چھوٹے صاحب! آپ کو صاحب جی نے اپنے کمرے میں بلایا ہے''۔ جمیلہ نے اسے پیغام دیا۔

''ٹھیک ہے میں آرہا ہوں''۔ اس نے جواب دیتے ہی لیپ ٹاپ آف کیا اور ضیاء صاحب کے کمرے کی طرف چل دیا۔

''بابا! آپ نے بلایا تھا''۔ اس نے کمرے میں داخل ہو کر پوچھا۔

''ہوں......'' وہ کسی گہری سوچ میں گم تھے' وادی نے ان کے بولنے کا انتظار کیا۔

''وادی بیٹا! میں نے جو بات کرنے کے لئے تمہیں بلایا ہے' اسے بہت تحمل اور برداشت سے سننا''۔ انہوں نے تمہید باندھی' تو درحقیقت وادی کے چہرے پر پریشانی چھائی' اس نے حیرت سے ضیاء صاحب کی طرف دیکھا۔

''آج تمہاری والدہ کا فون آیا تھا''۔ ضیاء صاحب نے اس کی سماعتوں پر دھماکہ سا کیا' وادی یہ سن کر صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں جانتا ہوں تمہاری کیفیت کو' مگر تمہیں حقیقت بتانی بھی ضروری ہے' تمہارے باپ کو تمہاری ضرورت ہے' وہ تمہیں یاد کرتے ہیں اس کی مشکل آسان کردو' یہی بتانے کے لئے تمہاری والدہ نے فون کیا تھا''۔ ضیاء صاحب نے



اسے تفصیل سے بتایا۔

''آج پندرہ سال بعد انہیں بیٹے کی یاد آئی' بابا! آپ بتائیں میں کیسے جاؤں؟ اس شخص کے پاس میرے لئے تو کچھ بھی نہیں نہ محبت نہ وقت' آپ تو سب جانتے ہیں نا' میں کیسے بھلا دوں' اپنی زندگی کے وہ پل کیسے بھلاؤں' کوئی باپ ایسا بھی کرتا ہے جیسا انہوں نے میرے ساتھ کیا''۔ وہ ان کے کندھے پر سر رکھ کر سسک پڑا۔ ذرشا جو کسی کام سے بابا کے کمرے میں آئی تو یہ صورتحال دیکھ کر پریشان سی ہوگئی' اس شخص کی آنکھوں میں آئی نمی اسے بے چین کر گئی' وہ دونوں ہی اس کی آمد پر چونک سے گئے' دادی نے بس ایک نگاہ اس پر ڈالی تھی۔ ذرشا اس کی سرخ ہوتی آنکھوں سے ڈوبی گئی۔

''ذری بیٹا! آپ جاؤ اور دو کپ چائے بھجوادو''۔ ضیاء صاحب نے اسے فوراً بھیجا تو وہ بھی صورتحال کو سمجھتے ہوئے باہر چلی آئی وہ دروازہ لاک کرکے اس کی طرف بڑھے۔

''اب تم بتاؤ کیا سوچا ہے؟'' ضیاء صاحب نے سوال کیا۔

''آپ کیا کہتے ہیں''۔ دادی نے ان کی رائے سننی چاہی' تو وہ مسکرادیے۔

''میرے خیال میں تو تمہیں جانا چاہئے اور ہوسکے تو جلد چلے جاؤ''۔ انہوں نے کہا۔

''مگر میں......'' وہ کچھ کہتے کہتے جھجک سا گیا۔

''شاید آپ کو برا لگے''۔ دادی نے سر جھکاتے ہوئے کہا تو ضیاء صاحب چونک سے گئے۔

''تم بولو میں سن رہا ہوں''۔ ضیاء صاحب نے ہمت بڑھائی۔

''میں نکاح کرکے جانا چاہتا ہوں''۔ وہ اب کے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے بولا۔

''ہوں......سوچا جاسکتا ہے' میں ذری سے بات کراوں' پھر تمہیں بتاتا ہوں''۔ ضیاء صاحب نے ہامی بھری تو وہ بھی جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔

☆

تہمینہ بیگم کو جب دادی کے جانے کا پتہ چلا تو وہ اس کے کمرے میں چلی آئیں۔

''بیٹا! میں یہ کیا سن رہی ہوں تم اپنے باپ کے پاس واپس جارہے ہو''۔ تہمینہ بیگم کے چہرے پر پریشانی نمایاں تھی۔

''مجھے واپس یہیں آنا ہے' وہاں جانا میری مجبوری ہے''۔ اس نے نرمی سے جواب دیا۔

''مگر بیٹا وہ عورت جو وہاں ہے' اس سے کیسے بچو گے......؟'' انہوں نے پریشانی سے پوچھا۔

''مجھے اب کسی کی کوئی پرواہ نہیں' اس شخص سے میرا رشتہ بہت گہرا ہے' جسے میں چاہوں بھی تو جھٹلا نہیں سکتا' میں چاہوں تو اسے اس حال میں تنہا چھوڑ سکتا ہوں' جیسے اس نے مجھے چھوڑ دیا تھا' مگر میں اتنا پتھر دل نہیں' مجھے اس نے پکارا ہے' اور مجھے اس کے پاس جانا ہے''۔ وہ نم آنکھوں سے ان کی طرف تکتا ہوا بولا تو تہمینہ بیگم نے اس کے ماتھے پر آئے بال بہت پیار سے سنوارے۔

''ذرشا کو ساتھ لے کر جاؤ گے......؟'' انہوں نے بیٹی کے متعلق استفسار کیا۔

''آپ کیا کہتی ہیں......؟'' دادی نے ان کی رائے جاننا چاہی۔

''میں کیا کہوں جو تمہیں بہتر لگے' وہاں کے بارے میں سب جانتے تو ہو''۔ تہمینہ بیگم نے سب کچھ اس پر چھوڑ دیا۔

''نکاح کا فیصلہ میں نے وہاں کے لوگوں کی ذہنی سوچ کو دیکھ کر ہی کیا ہے' آپ بے فکر رہیں' میں ہوں گا ناں آپ کی بیٹی کے ساتھ''۔ وہ انہیں اطمینان دلاتے ہوئے بولا۔

''دادی! مجھے بیٹی کی فکر نہیں' کیونکہ اس کے لئے تمہارا ساتھ ہی ہمارے اطمینان کے لئے کافی ہے مجھے تم سے جدائی کا غم ہے''۔ وہ آبدیدہ ہوئیں۔

''خالہ! میں ہمیشہ کے لئے نہیں جارہا' مجھے وہاں کچھ وقت لگے گا' مگر میں لوٹ آؤں گا' مجھے آپ لوگوں کی محبتیں کہیں اور رہنے نہیں دیں گی''۔ وہ انہیں ساتھ لگاتے ہوئے بولا تو وہ بھی اسے دعائیں دیتی اٹھ کھڑی ہوئیں' شام کو نکاح تھا' اور اس کے لئے انتظام بھی کرنا تھا' وہ بھی گہرا سانس لئے اٹھ کھڑا ہوا۔

☆

ہال کمرے میں اس وقت گھر کے تمام افراد موجود تھے' کچھ قریبی دوست بھی اپنی اپنی فیملیز کے ساتھ موجود تھے' وہ اپنے کمرے میں موجود تھی۔

''اللہ آپی! آپ اتنی پیاری لگ رہی ہیں' میں بتا نہیں سکتی' آج تو دادی بھائی کی خیر نہیں''۔ ذرنش نے پنک شیفون کے خوبصورت لباس میں ذرشا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''تم بھی تیار ہوجاؤ جلدی سے''۔ ذرشا نے اپنی چھوٹی بہن کو پیار سے کہا' جو صبح سے اس کی تیاری میں مصروف تھی۔

''جی آپی! میں بس چینج کرنے جارہی ہوں''۔ وہ اپنا ڈریس اٹھا کر ڈریسنگ روم میں چلی گئی' تو ذرشا نے بھی بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں' ابھی اسے بیٹھے پانچ منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ مومن چلا آیا۔

''ذری! اس نے ذرشا کو پکارا' تو ذرشا نے فوراً آنکھیں کھول دیں سامنے ہی مومن کو گرے سوٹ میں دیکھا' وہ سیدھی ہوکر بیٹھی۔

''ذرنش کہاں ہے......؟'' کمرے میں نگاہ دوڑاتے مومن نے پوچھا۔

''تیار ہورہی ہے' تم کیوں پوچھ رہے ہو......؟'' اس نے پوچھا۔

''جانتی ہو تمہاری چہیتی نے کیا کیا ہے''۔ وہ دانت پیس کر بولا۔ ذرشا نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''پاپا کو شکایت لگا کر آئی ہے اور میں اسے چھوڑوں گا نہیں''۔ وہ غصے سے بولا' تو ذرشا آج کے دن حقیقتاً پریشان ہوگئی۔

''مومن! کیا شکایت لگائی ہے اس نے' مجھے بتاؤ اگر اس کی غلطی ہوئی تو میں خود کان کھینچوں گی اس کے''۔ وہ نرمی سے بولی تو وہ کان کھجا کر رہ گیا۔

''کچھ نہیں یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے میں خود نمٹ لوں گا''۔ وہ کہہ کر فوراً کمرے سے نکل گیا' تو ذرنش بھی ڈریسنگ روم سے باہر نکلی' وائٹ اور پنک سوٹ میں بہت پیاری لگ رہی تھی۔

''یہ کیا قصہ ہے مومن کی شکایت لگائی ہے تم نے منصور چاچو سے''۔ ذرشا نے فوراً پوچھا۔

''ہاں تو اور کیا موصوف کے کمرے سے سگریٹ ملے مجھے' نہ لگاتی شکایت......؟ ایسی ٹھکائی کی ہوگی ناں چاچو نے' دماغ ٹھکانے آگیا ہوگا''۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑی ہوتے ہوئے بولی' تو ذرشا بھی مسکرادی جانتی تھی دونوں ایسے ہی لڑتے ہیں۔

''میں ذرا بابا سے پوچھوں کب تک نکاح ہوگا''۔ وہ اپنی تیاری کو فائنل ٹچ دے کر باہر کی طرف چلی آئی' اس نے جیسے ہی نیچے اترنے کے لئے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو مومن کو اوپر آتے دیکھا' وہ ایک پل کو ٹھٹکی' مگر پھر اپنے مخصوص انداز میں نیچے اترنے لگی' مومن جیسے ہی اس کے قریب آیا' تو دونوں کی نظریں پل بھر کو ملیں۔

''تیار رہنا...... بھرپور کارروائی ہوگی''۔ وہ کہہ کر ایک ساتھ دو دو سیڑھیاں پھلانگتا اوپر چڑھ گیا اور وہ سر کو جھٹکتی ماریہ چچی کی طرف بڑھ آئی۔

''ذرنش بیٹا! ذری تیار ہوگئی کیا......؟'' انہوں نے نرمی سے پوچھا۔

''جی چچی! میں یہی بتانے آئی تھی' آپ بابا اور چاچو کو بتادیں''۔ وہ اردگرد مہمانوں کی جانب دیکھتے ہوئے بولی تو ماریہ چچی اس کی بات پر سر ہلا کر ہال کی طرف بڑھیں تا کہ نکاح کا کہا جائے۔ نکاح کے بعد جب ذرنش دلہن کو تھامے نیچے لائی جہاں دولہا اور دلہن کے بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا' وادی احتراماً کھڑا ہوا' جیسے دلہن کا استقبال کر رہا ہو' ضیاء صاحب اور تہمینہ بیگم نے دونوں کی نظر اتاری۔ رخصتی بھی آج ہی ہونا تھی' ڈنر کے بعد جب سب مہمان رخصت ہوگئے تو ہال میں گھر کے افراد باقی رہ گئے۔

''ذرنش بیٹا! جاؤ بہن کو کمرے میں چھوڑ آؤ''۔ ماریہ چچی نے ذرنش سے کہا تو وہ اس کا ہاتھ تھامے وادی کے کمرے میں چلی آئی۔

''یہ وادی بھائی تو بڑے چھپے رستم نکلے کتنا زبردست روم ڈیکوریٹ کروایا ہے''۔ کمرے میں بلیو کلر نمایاں تھا' ذرنش دیکھتے ہوئے بولی۔

''یہ سب کچھ مومن نے کروایا ہے''۔ ذرشا مسکراتے ہوئے بولی' تو ذرنش خاموش سی ہوگئی۔

''اچھا ذرا میں نیچے کی صورتحال دیکھوں کیا ہو رہا ہے......؟ آپ تو اب وادی بھائی کا انتظار کریں''۔ وہ اسے کہہ کر پھر سے ہال کمرے کی بڑھی' جہاں سب خاموش بیٹھے تھے' وہ بھی بابا کے ساتھ بیٹھ گئی۔

''وادی! تم اپنا ضروری سامان رکھ لو' پھر تمہیں مومن چھوڑ آئے گا ایئر پورٹ''۔ ضیاء صاحب کی آواز کمرے میں گونجی تو ذرنش چونک سی گئی' اس نے ناسمجھی سے سب کی طرف دیکھا' مگر پوچھا نہیں کیونکہ بات خاص معلوم ہوتی تھی۔

''جی بہتر! مگر ذرشا کو فی الحال نہیں لے کر جا رہا' پہلے وہاں کی صورتحال دیکھوں گا' پھر آپ کو مطلع کر دوں گا''۔ وادی نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا تو ضیاء صاحب نے دھیرے سے سر اثبات میں ہلا دیا' کہ اس کے سوا کوئی حل بھی نہیں تھا۔

☆

وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا تو ذرشا نے اپنا سر مزید جھکا لیا وہ چلتا ہوا اس کے قریب آیا اور بالکل سامنے آ بیٹھا۔

''آج جب تم سے دل کی بات کہنے کا لمحہ آیا تو حالات کچھ ایسے ہوگئے کہ ابھی کچھ کہہ نہیں سکتا' آئی ایم سوری مجھے ابھی جانا ہے زندگی نے چاہا تو پھر انہی لمحوں کو واپس لائیں گے''۔ ساتھ ہی دراز میں سے ایک کیس باہر نکالا اور اس کا ہاتھ تھام کر ایک ڈائمنڈ رنگ پہنادی اور الماری کی طرف بڑھ گیا اٹیچی کیس باہر نکالا اور ضروری سامان رکھنے لگا ذرشا نے حیرانگی سے اسے دیکھا وہ کچھ نہیں سمجھی تھی۔

''آپ کہیں جا رہے ہیں''۔ ذرشا کی آواز پر اس نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

''ہاں میرے والد کی طبیعت خراب ہے میں اسلام آباد جا رہا ہوں' امید ہے تم میرا ساتھ دو گی''۔ وادی اپنا بیگ

بند کرتے ہوئے بولا۔

''کیا مجھے بھی ساتھ جانا ہوگا''۔ ذرشا بیڈ سے اتری تو کمرے میں جلترنگ سا بج اٹھا' ذرشا کو کوفت سی ہوئی' جبکہ وادی بے اختیار اپنا کام چھوڑ کر اسے دیکھنے لگا جو خوبصورت تو تھی مگر آج اس کی سج دھج ہی نرالی تھی۔

''کیا مجھے بھی ساتھ چلنا ہوگا''۔ ذرشا نے دہرایا تو وادی نے بے اختیار گہرا سانس لیا۔

''ہوں...... فی الحال نہیں' میں بابا کو بتادوں گا' پھر تم آجانا یا میں آجاؤں گا''۔ اٹیچی بند کرتے ہوئے وہ بولا۔

''اوکے میں چلتا ہوں اپنا خیال رکھنا''۔ اس کے قریب ایک پل رکا اور پھر وہ چلا گیا' ذرشا دھیرے دھیرے چلتی کھڑکی کے پاس آ کھڑی ہوئی جہاں سے باہر کا منظر واضح تھا وادی سب سے مل کر اب گاڑی میں بیٹھ رہا تھا' وہ کھڑکی سے ہٹ گئی' تھوڑی دیر بعد ذرنش چلی آئی تو اس نے چہرے پر مسکراہٹ سجالی۔

☆

وادی جیسے ہی اسلام آباد پہنچا اور اپنا تعارف گھر والوں سے کروایا تو جس طریقے سے اس کا استقبال ہوا۔ وہ حیران ہوئے بنا نہ رہ سکا۔ سکینہ بیگم تو اس اونچے لمبے وجیہہ سے وادی حسین کو دیکھ کر حیران رہ گئیں اور انہیں ماضی کا وہ بچہ یاد آیا جب وہ 14 برس کا تھا' لیکن اپنی عمر سے کہیں چھوٹا دکھائی دیتا تھا' مگر اب کے وادی اور اس وادی میں بہت فرق تھا' پڑھا لکھا' کامیاب بزنس مین' اس خوبصورت سے شخص کو دیکھ کر وہ حیرت میں مبتلا تھیں' عریشہ اور نیحہ اپنے اتنے پیارے بھائی کو دیکھ کر ماں سے شکوہ کناں تھیں' وادی سب سے اچھے طریقے سے ملا۔

''مجھے ابو کے کمرے میں لے چلو''۔ وہ عریشہ اور نیحہ سے مخاطب ہوا۔ تو دونوں اس کے ساتھ چل دیں' کمرے کے سامنے اس کو چھوڑ کر وہ وہیں سے واپس چلی گئیں وہ دروازے کو دھکیلتا اندر داخل ہوا تو سامنے احمد حسین دروازے کی جانب نگاہ جمائے لیٹے تھے۔

''وادی......'' ان کے لب ہلے تھے شاید' اسے صرف ایسا ہی محسوس ہوا وہ آگے بڑھ آیا اور ان کے بڑھے ہوئے ہاتھوں کو تھام لیا ان کی آنکھوں سے اس وقت آنسو بہہ رہے تھے۔ وادی کا دل اس شخص کو ایسی حالت میں دیکھ کر رو پڑا۔

''وادی میرے بیٹے! مجھے معاف کردو' میں نے تمہارے ساتھ' تمہاری ماں کے ساتھ بہت زیادتی کی' دیکھو آج گناہوں کی مجھے سزا مل رہی ہے اللہ نے دنیا میں ہی مجھے لوگوں کے لئے عبرت کا نشان بنادیا' میں بہت گناہ گار ہوں مجھے معاف کردو' ان تمام زیادتیوں کی مجھے معافی دے دو جو میں نے تمہارے ساتھ اور تمہاری ماں کے ساتھ کیں' میرے ضمیر پر بہت بوجھ ہے یہ بوجھ مجھے مرنے نہیں دیتا''۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے وادی کا دل پسیجا۔

''ابو! یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ......؟ میں آپ کا بیٹا ہوں' آپ معافی مانگ کر شرمندہ نہ کریں''۔ وادی نرمی سے بولا۔

''میں تمہیں بیٹا کہنے کے لائق نہیں ہوں' کیا کیا ہے میں نے تمہارے لئے' پہلے تم سے تمہاری ماں چھینی پھر باپ کی محبت بھی چھین لی میرے گناہوں کی فہرست تو بہت لمبی ہے''۔ وہ جیسے تھک کر ہانپنے لگے ان کی سانس اکھڑنے لگی وادی نے سہارا دے کر انہیں پانی پلایا اتنے میں سکینہ بیگم' عریشہ اور نیحہ کے ساتھ چلی آئیں' احمد حسین نے ایک نظر ان سب کو دیکھا اور پھر وادی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اپنی بہنوں کا خیال رکھنا''۔ اور پھر خاموشی سے ہمیشہ کے لئے آنکھیں موند لیں' سکینہ بیگم تو وہیں

نیورا کر گر پڑیں۔

⁂

''برخوردار! تمہارا کیا ارادہ ہے زرنش ایم بی اے کر چکی ہے' جبکہ تم اپنی لاپرواہیوں کی وجہ سے اس سے پیچھے رہ چکے ہو نہ تم آفس آتے ہو کہ کچھ سیکھ لو اور نہ تم نے اپنی پڑھائی شروع کی ہے''۔ آج مومن پھر سے ان کے زیر عتاب تھا۔

''پاپا! میں نے بی بی اے کرلیا ہے اب مزید میرے سے نہیں پڑھائی ہوتی''۔ وہ بڑبڑایا' وجہ صرف اور صرف زرنش کو دیا گیا خصوصی پروٹوکول تھا۔

''میں نے کچھ پوچھا ہے مومن......؟''منصور صاحب پھر سے بولے۔

''پاپا! میں آفس آجاؤں گا' مگر پڑھائی فی الحال نہیں''۔ وہ سنجیدگی سے بولا۔

''ٹھیک ہے......کل سے آفس آجاؤ' وگرنہ اپنی شکل بھی مت دکھانا''۔ زرنش کے آتے ہی انہوں نے مومن کو جانے کا کہا وہ سنجیدگی سے باہر چلا آیا۔

''چاچو! وادی بھائی کا فون آیا ہے ان کی والد کی ڈیتھ ہوگئی ہے''۔ زرنش نے بتایا تو وہ افسوس کرتے ہوئے باہر آگئے جہاں اسلام آباد جانے کی تیاری ہو رہی تھی اور پھر وہ سب اسلام آباد روانہ ہوگئے۔

⁂

انہیں یہاں آئے تیسرا دن تھا' ضیاء صاحب اپنی پوری فیملی کے ساتھ تعزیت کے لئے موجود تھے اور اب واپسی کی تیاری تھی' وادی سے ملنے اور تعزیت کے لئے آنے والوں کی وجہ سے ایک پل کی فرصت بھی نہیں تھی ضیاء صاحب نے جانے کا ارادہ کیا' تو اسی وقت وادی تھکے تھکے سے انداز میں اندر آیا۔

''بابا! آپ رک جاتے''۔ وہ ضیاء صاحب سے بولا۔

''نہیں بیٹا! میرا جانا ضروری ہے' میرے اسٹوڈنٹ میرا انتظار کر رہے ہوں گے''۔ انہوں نے اپنی مجبوری بتائی۔

''اچھا آپ زرشا کو چھوڑ جائیں''۔ وادی نے اچانک فیصلہ کیا تو ضیاء صاحب کے ساتھ تہمینہ بیگم بھی حیران ہو کر اسے دیکھنے لگیں۔

''یہاں معلوم ہے کہ تمہاری شادی ہو چکی ہے؟''ضیاء صاحب نے سوال کیا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''تو پھر کیا کہو گے یا ڈکلیئر کر دو گے شادی''۔ ضیاء صاحب نے سوال پر سوال کیا۔

''بابا! آپ پریشان مت ہوں' سب کچھ ڈکلیئر کر دوں گا' وہ میری کزن کی حیثیت سے تو رہ سکتی ہے ناں''۔ وادی نے بالآخر انہیں راضی کر ہی لیا۔

⁂

''تم سمجھتی کیا ہو خود کو' چار جماعتیں کیا پڑھ لیں تم نے اپنی من مانی کرنا شروع کر دی' پاپا نے اگر اس سیٹ پر تمہیں بٹھا ہی دیا ہے تو آپے سے باہر نہ آؤ' میں ایک ہفتے آفس نہیں آیا تو تم نے میری سیٹ پر کسی اور کو بٹھا دیا' اسے ابھی اور فوراً کسی اور جگہ بھیجو ورنہ تمہارے ساتھ ساتھ اسے بھی نکال باہر کروں گا''۔ وہ اس کے سامنے ٹانگ پر ٹانگ جما کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ مومن کو آفس جوائن کئے ایک مہینہ ہو چکا تھا' جبکہ زرنش چھ ماہ سے آفس آ رہی تھی' مومن بغیر اطلاع ایک ہفتہ آفس سے غائب رہا تو زرنش نے اس کی سیٹ پر کسی اور کو بٹھا دیا جو مومن کے

مزاج پر ناگوار گزرا۔

''بائی داوے مومن صاحب! آپ نے چھٹی سے متعلق کسی کو آگاہ کیا تھا......؟ کوئی ایپلی کیشن دی تھی کہ آپ کمپنی آؤٹ ڈور جا رہے ہیں تاکہ آپ کی سیٹ ریزرو رہتی''۔ زرنش نے اس کی تمام باتوں کے جواب میں مصروف نے لہجے میں کہا۔

''میں شہر سے باہر کچھ دنوں کے لئے گیا تھا' ہمیشہ کے لئے نہیں''۔ وہ تپ کر بولا۔

''تو بتا کر جاتے''۔ اس نے دہرایا۔

''اپنے ہی آفس میں مجھے چھٹی کی درخواست دینا ہوگی مائی فٹ''۔ دونوں ہاتھ ٹیبل پر رکھے وہ آگے کو جھکا زرنش جھجک سی گئی' تبھی فوراً بولی۔

''یہ بات تو تم چاچو سے کرو ناں''۔ اس نے ہاتھ سے پیچھے کی طرف اشارہ کیا تو وہ فوراً مڑا جہاں منصور صاحب صوفے پر بیٹھے فائل ہاتھ میں پکڑے اسے ہی گھور رہے تھے۔

''وہ پاپا......'' وہ ہمیشہ کی طرح اس کے سامنے جھجک سا گیا۔

''زرنش بیٹا! یہ فائل میں نے سائن کر دی ہے باقی تم گھر لے آنا وہیں دیکھ لوں گا اور تم میرے ساتھ چلو''۔ وہ زرنش کو فائل پکڑا کر اسے کہتے ہوئے خود باہر کی طرف چل دیئے۔

''تمہیں تو میں بعد میں دیکھتا ہوں''۔ وہ اسے وارننگ دیتا منصور صاحب کے پیچھے باہر نکلا' جبکہ زرنش جس نے اپنی ہنسی کو بڑی مشکل سے بریک لگایا ہوا تھا' مومن کے جاتے ہی وہ ہنسی تھی اور پھر سے مسکراتے ہوئے فائل پر جھک گئی۔

⁂

سکینہ بیگم کو زرشا کی موجودگی بہت کھٹک رہی تھی وہ دل ہی دل میں حیران ہوئیں مگر کسی پر ظاہر نہ کیا عریشہ اور نبیجہ تو اس کی گرویدہ ہوگئی تھیں۔

''آنٹی! لائیں میں چائے بناتی ہوں''۔ زرشا نے سکینہ بیگم کو کچن میں دیکھا تو بولی۔

''نہیں بھئی تم رہنے دو' پہلے بھی میں خود ہی بناتی تھی اب بھی بنا لوں گی کونسی نئی بات ہے''۔ سکینہ بیگم اپنے مخصوص لہجے میں بولیں تو زرشا خاموش ہوگئی۔

''زری! ایک کپ چائے بنا کر میرے کمرے میں بھیجو''۔ اتنے میں ولادی حسین کچن میں داخل ہوا اور اسے پکارا۔ تو وہ سر ہلاتی آگے بڑھی۔ سکینہ بیگم نے بہت حیرانی سے وادی کی جانب دیکھا مگر وہ اب اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔

''اچھا اب بنانے ہی لگی ہو تو میرے لئے بھی بنا دو''۔ وہ اس سے کہتی باہر ٹی وی لاؤنج میں چلی آئیں جہاں ان کی جیٹھانی آئی بیٹھی تھیں' جن سے ان کی کبھی نہیں بنی تھی مگر جب سے وادی آیا تھا دونوں کی کوشش تھی کہ کسی طرح وادی کو اپنا تابع کر لیں ان کی جیٹھانی اپنی بیٹی رباب کو یہاں لے آئی تھیں جبکہ سکینہ بیگم نے اپنی بھتیجی ثوبیہ کو بلا لیا تھا' اب دونوں دیورانی جیٹھانی بیٹھیں زرشا کو ہی ڈسکس کر رہی تھیں تبھی زرشا چائے بنا کر لائی اور ان کے سامنے رکھی پھر وہ ٹرے اٹھا کر وادی کے روم کی طرف بڑھی تو اسے اپنے پیچھے سکینہ بیگم کی آواز سنائی دی۔

''زرشا بیٹا! تم رہنے دو میں خود وادی کے کمرے میں چائے بھجواتی ہوں' تم اپنے کمرے میں آرام کرو''۔ سکینہ بیگم شیریں لہجے میں بولیں تو اسے نہ چاہتے ہوئے بھی واپس آنا پڑا ٹرے وہیں ٹیبل پر رکھ کر وہ واپس اپنے کمرے

میں چلی آئی جہاں اس کو ٹھہرایا گیا تھا۔

وہ جیسے ہی کمرے میں چائے لے کر داخل ہوئی تو سامنے ہی وادی کو دونوں ہاتھوں سے اپنا سر دباتے ہوئے پایا دروازہ کھلنے کی آواز پر وادی نے بے اختیار دروازے کی جانب دیکھا مگر وہاں ثوبیہ چائے لئے اندر داخل ہوئی۔

''تم......'' وہ حیرانگی سے بولا۔

''جی وہ ذرشا باجی کی طبیعت خراب تھی' تو انہوں نے مجھے چائے بنانے کے لئے کہا تو میں بنا کر لے آئی''۔ وادی اس کے باجی کہنے پر حیران ہوا' کیونکہ وہ ذرشا کی ہی ہم عمر لگ رہی تھی۔

''کیا ہوا ہے ذری کو......؟'' وادی نے سوال کیا۔

''ان کے سر میں درد ہو رہا تھا''۔ ثوبیہ نے روانی سے جھوٹ بولا وادی نے اسے جانے کا کہا تو وہ منہ بنائے باہر نکل آئی' وادی نے چائے کا ایک گھونٹ بھرا تو مسکرا دیا چائے ذرشا نے ہی بنائی تھی۔ اسے کھیل کچھ کچھ سمجھ آنے لگا تھا وہ مسکراتے ہوئے چائے پینے لگا' ذرشا کو اپنی بیوی کی حیثیت سے متعارف نہ کروانے کا مقصد بھی یہی تھا وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اس کی تائی نے جو پلاننگ اس کی ماں کا گھر برباد کرنے کے لئے کی تھی کیا انہیں شرمندگی ہے مگر یہاں تو ایک نئی گیم نئی سوچوں کے ساتھ شروع ہو چکی تھی مگر وادی سوچ چکا تھا اب شکست اس کا مقدر نہیں بنے گی۔

☆

''مجھے آپ لوگوں سے ایک ضروری بات کرنی ہے میں اس ویک اینڈ پر واپس لاہور جا رہا ہوں''۔ وادی نے انہیں مطلع کیا۔

''مگر کیوں بھائی......؟ اب ہم آپ کو جانے نہیں دیں گے''۔ عریشہ روتے ہوئے بولی۔

''اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ میرے ساتھ چلیں' وہاں میرا بزنس ہے میرا گھر ہے' اور بزنس کو وائنڈ اپ کر کے میں یہاں شفٹ نہیں ہو سکتا''۔ وادی نے کہتے ہوئے ان کے چہروں کی طرف دیکھا ذرشا بھی وہیں بیٹھی تھی۔

''بھائی! آپ امی سے بات کر لیں''۔ عرشیہ نے جواب دیا' اتنے میں سکینہ بیگم بھی وہیں چلی آئیں۔

''کیا ہو رہا ہے یہاں......؟'' انہوں نے شک کی نظر سے سب کو دیکھا کیونکہ ذرشا بھی وہیں موجود تھی۔

''امی! بھائی آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں''۔ اب کے نیہا بولی تو سکینہ بیگم نے حیرت سے وادی کی طرف دیکھا اس تمام عرصے میں انہیں نہیں یاد پڑتا تھا کہ وادی نے انہیں مخاطب کیا ہو۔

''جی بیٹا! بولو''۔ سکینہ بیگم میٹھے لہجے میں بولیں۔

''آنٹی! میں ابو کے جہلم کے بعد واپس چلا جاؤں گا' میں چاہتا ہوں آپ لوگ میرے ساتھ چلیں''۔ وادی نے ایک نظر ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''وادی بیٹا! مجھے معاف کر دو' میں جانتی ہوں میں نے تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا مگر پھر بھی ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا''۔ سکینہ بیگم منہ پر دوپٹہ رکھے رونے لگیں۔

''آنٹی پلیز! آپ چپ ہو جائیں اس طرح اچھا نہیں لگتا''۔ ذرشا نے ان کے کندھے پر ہاتھ دھرتے ہوئے کہا' مگر سکینہ بیگم کا سارا دھیان وادی کی طرف تھا' جس کے چہرے پر کرب و زیاں کا دکھ نمایاں تھا۔

''ایک دفعہ یہ لڑکا ہاتھ آ جائے تو اب کوئی موقع میں بھی نہیں گنواؤں گی''۔ سکینہ بیگم دل ہی دل میں خود سے مخاطب ہوئیں' مگر وادی سب کچھ اتنی آسانی سے کہاں بھول سکتا تھا۔

''میرے زخموں کو مت کریدیں میری درخواست ہے آپ سب سے پلیز......'' وہ سنجیدگی سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا تو سکینہ بیگم اپنا سا منہ لے کر رہ گئیں۔

☆

سکینہ بیگم کی طبیعت دو دن سے کافی خراب تھی سب ہی ان کی خاطر مدارات میں لگے ہوئے تھے' ذرشا کو کافی حیرت ہوئی کہ وادی نے ایک بار بھی ان کی طبیعت کے بارے میں نہیں پوچھا تھا' تبھی وہ کچھ سوچتی اس کے کمرے میں چلی آئی دروازہ ناک کیا تو وادی کی مصروف سی آواز سنائی دی۔

''آپ مصروف تو نہیں ہیں''۔ ذرشا نے پوچھا۔ تو وادی اس کے انداز پر دل ہی دل میں مسکرا دیا۔

''مصروف میں سب کے لئے ہو سکتا ہوں تمہارے لئے نہیں تم تو بس حکم کیا کرو''۔ وادی ایک خاص ترنگ سے بولا اور اپنا سب کام چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہوا' اس کی تمام تر توجہ نے ذرشا کا دل دھڑکا دیا بلیو اور وائٹ کنٹراسٹ کے شلوار سوٹ میں نکھری نکھری سی وہ وادی کے دل کو بہت اپنی اپنی سی لگی۔

''میں نے آپ سے کچھ پوچھنا تھا' اگر آپ بتانا مناسب سمجھیں تو......'' ذرشا نے تمہید سی باندھی۔

''پوچھو کیا جاننا چاہتی ہو''۔ اتنا تو وہ جان چکا تھا کہ بات کیا ہے۔

''آپ آنٹی سے اتنا کھنچے کھنچے کیوں رہتے ہیں......؟ میں تو آپ کے فادر کے بارے میں تھوڑا بہت جانتی تھی مگر یہاں آ کر مجھے اندازہ ہوا کہ بات کچھ اور ہے اگر آپ بتانا چاہیں تو......'' ذرشا نے کن انکھیوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا جو نجانے ضبط کی کونسی منزلیں طے کر رہا تھا مگر وہ ذرشا سے کچھ بھی چھپا نہیں سکتا تھا اگر وہ ابھی کہتی تب بھی ایک دن وادی نے اسے اپنے ماضی سے ضرور آگاہ کرنا تھا تبھی ایک گہرا سانس بھرتا وہ اسے اپنے ماضی کا ایک ایک تلخ لمحہ سے آگاہ کرنے لگا۔

☆

غزل اور ناہید جیسے ہی کالج جانے والے راستے کی طرف مڑیں تو سامنے ہی اس کو دیکھا جو پچھلے ایک ماہ سے اس کچے راستے پر نظریں جمائے بیٹھا ہوتا تھا' وہ دونوں ایک پل کو ٹھہریں تھیں اور پھر اسے نظر انداز کر کے اپنے مخصوص انداز میں چل دیں۔ احمد حسین ان کے گاؤں کے ایک زمیندار کا بیٹا تھا وہ دونوں اس کو بہت اچھے طریقے سے جانتی تھیں مگر ان کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ وہ انہی کے راستے میں کیوں ہوتا ہے۔ غزل جب شام کو گھر پہنچی تو اماں اور تہمینہ کو کچن میں مصروف پایا۔

''اسلام علیکم اماں......'' وہ سلام کرتی کچن میں ہی چلی آئی۔

''وعلیکم سلام! جیتی رہو''۔ اماں نے پیار سے جواب دیا۔

''کیا کوئی آ رہا ہے......؟'' غزل نے تہمینہ سے پوچھا۔ جو سویٹ ڈش بنا رہی تھی۔

''ہاں آپی! کچھ خاص مہمان آ رہے ہیں انہی کے لئے یہ اہتمام ہو رہا ہے''۔ تہمینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کون مہمان اماں......؟'' غزل نے اماں سے پوچھا۔

''ارے بھئی تمہارے ابا کے دوست داور حسین اور ان کی بیوی صغریٰ آ رہی ہیں''۔ اماں نے بتایا تو اس کے ذہن میں احمد حسین کا خیال آ گیا۔

''مگر کیوں؟ کوئی وجہ تو ہو گی......؟ پہلے تو ان کی بیوی کبھی ساتھ نہیں آئیں''۔ غزل نے حیرانگی سے سوال کیا۔

''غزل! تمہیں کس بات پر اعتراض ہے' تم جاؤ اور کپڑے تبدیل کر لو''۔ اماں نے مزید کسی سوال کا جواب نہ دیا

تو وہ بھی اپنے کمرے میں چلی آئی کپڑے تبدیل کرکے سونے کا ارادہ کیا تو باہر اماں کی خوشی سے بھرپور آواز سنائی دی' شاید مہمان آچکے تھے وہ بھی سلام دعا کی غرض سے باہر آئی اور پھر کچن میں چلی آئی جہاں تہمینہ موجود تھی۔ تہمینہ میٹرک کے امتحان سے فارغ تھی اسی لئے اماں اسے اپنے ساتھ کچن میں مصروف رکھتی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد اماں نے کپکپاتے لہجے میں غزل کے رشتے کا بتایا۔ داور حسین اوران کی بیوی اپنے بیٹے احمد حسین کے رشتے کے لئے آئے تھے اور ابا نے دوست کو ہاں کہہ دی تھی۔ غزل کو سب سے زیادہ دکھ اپنی ادھوری رہ جانے والی تعلیم کا تھا' کیونکہ وہ جلدی شادی کرنا چاہتے تھے مگر اماں اپنی لاڈلی بیٹی کا پڑھائی کے لئے شوق سے واقف تھیں' انہوں نے غزل کے ایف اے کے پیپرز دینے کے بعد شادی کا کہا' جسے داور حسین نے تو مان لیا' مگر صغریٰ خاموش سی ہوگئیں۔ غزل نے مہمانوں کے جانے کے بعد ناہید کو بلالیا۔ اور جب ناہید کو غزل کی بات احمد حسین سے پکی ہونے کا پتہ چلا تو وہ حیران رہ گئی۔

''اچھا تو یہ بات تھی کبھی کہوں یہ احمد حسین ہمارے ہی راستے میں کیوں کھڑا ہوتا ہے چلو اچھا ہے' شریفوں کی طرح رشتہ بھجوادیا اس نے''۔ ناہید نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

☆

ایف اے کے پیپرز دینے کے بعد غزل کو احمد حسین کے سنگ رخصت کردیا گیا بہت سے سپنوں اور ارمانوں کو آنکھوں اور دل میں بسائے وہ احمد حسین کے سنگ آگئی' شادی کے ابتدائی دنوں میں احمد حسین کی دی گئی چاہت اور محبت نے اس کے دل میں احمد حسین کی قدر کئی گنا بڑھادی تھی۔

''احمد! آج امی کے گھر ہماری دعوت ہے آپ جلدی گھر آجایئے گا''۔ غزل نے احمد سے کہا جو اس وقت اپنے ابا کے ساتھ زمینوں پر جانے کی تیاری کررہا تھا۔

''ہوں ٹھیک ہے میں شام میں جلدی آجاؤں گا''۔ احمد حسین واسکٹ پہنتے ہوئے بولا' غزل' احمد کو باہر تک چھوڑنے آئی' احمد کو بھیجنے کے بعد اب اس کا ارادہ اپنا کمرہ صاف کرنے کا تھا کہ راستے میں اسے فوزیہ بھابی جو کہ اس کی جیٹھانی تھیں نے روک لیا۔

''ہمارے ہاں کی عورتیں مردوں کے پیچھے باہر تک نہیں جاتیں''۔ فوزیہ نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

''مگر میں تو احمد کو گیٹ تک چھوڑنے گئی تھی''۔ وہ ان کی بات نہ سمجھی۔

''بس بی بی بس...... بہت ہوگئے چونچلے...... اب کچھ گھرداری بھی سنبھالو آج سے کچن کے تمام کام تمہارے ذمے ہیں' باقی کام میں اور فوزیہ کرلیں گے''۔ ساس صاحبہ نے بھی حکم صادر کردیا تو وہ خاموشی سے کچن کی جانب آگئی' جہاں صبح کے ناشتے کے برتن اس کے منتظر تھے' اور پھر یہ تو روز کا معمول بن گیا ادھر احمد گھر سے نکلتا اور وہ کچن میں چلی آتی اور پھر شام کو ہی کچن کے کاموں سے فرصت ملتی۔

''کیا بات ہے غزل! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں' اور روز بروز تم کمزور ہوتی جارہی ہو کیا بات ہے......؟'' احمد نے رات اس سے پوچھا تو وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔

''میں ٹھیک ہوں احمد''۔ غزل نے تکیہ پر سر رکھا' اور کروٹ بدل کر سوگئی' احمد کے چہرے پر تفکر کی لکیریں واضح تھیں۔

☆

غزل کو جب ماں بننے کی خوشخبری ملی تو اسے لگا کہ اب اس کا اس گھر سے بہت گہرا رشتہ قائم ہوگیا ہے جسے کوئی نہیں

تو نہ بکتا' احمد بھی خوش تھا' مگر صغریٰ بیگم اور فوزیہ کے دلوں پر سانپ لوٹ رہے تھے۔

''اماں! اس کے قدم تو اس گھر میں مضبوط ہونے جارہے ہیں آپ تو کہتی تھیں ایسا کچھ نہیں ہوگا''۔ غزل' ساس کو چائے دینے آئی تو اسے کمرے میں فوزیہ کی آواز سنائی دی' غزل کے ہاتھ کپکپاسے گئے۔

''تو فکر کیوں کرتی ہے' یہ تو احمد کی ضد تھی کہ اس سانولی سلونی غزل سے شادی کے لئے مرا جارہا تھا مگر میرا وعدہ ہے اس گھر میں تیری بہن ہی آئے گی میری پیاری سکینہ...... نجانے اس کے دل میں کیا گزر رہی ہوگی''۔ صغریٰ بیگم نے اپنی بھانجی سکینہ یعنی فوزیہ کی بہن کا افسوس کیا۔ غزل میں اتنی ہمت باقی نہ رہی کہ وہ اپنی جگہ سے ہل سکے اتنے میں فوزیہ باہر نکل آئی۔

''ہائے ہائے اماں! یہ دیکھیں آپ کی بہو یہاں کھڑی ہماری باتیں سن رہی تھی''۔ فوزیہ نے شور مچادیا' پھر اماں اور فوزیہ نے اتنا واویلا کیا کہ خدا کی پناہ اور یہ شور تب ہی تھا جب داور حسین کے ساتھ احمد حسین گھر واپس آیا۔ ماں کی آنکھ میں آنسو اور فوزیہ کا خوشامدانہ لہجہ' دونوں نے ہی احمد حسین کو پتھر کردیا اور آج شادی کے پانچ ماہ بعد اس نے ماں اور بھابی کے کہنے پر غزل پر ہاتھ اٹھایا۔ غزل نے اپنی صفائی بیان کرنا چاہی' حقیقت بتانا چاہی' مگر بے سود' پھر ایک بار احمد حسین کا ہاتھ کیا اٹھا' ساتھ ہی احمد حسین کی اصلیت کا پتہ چل گیا' مگر غزل نے امید کا دامن نہ چھوڑا وہ کولہو کے بیل کی طرح کاموں میں جتی رہتی اور وہ دونوں ساس بہو احمد حسین کے کان بھرنے کے سوا کچھ نہ کرتیں' غزل نے اپنی ماں کو بھی ان کی اصلیت کا نہ بتایا کہ وہ دل کے عارضے میں مبتلا تھیں۔ جب وادی حسین نے اس دنیا میں آنکھ کھولی' اس دن احمد حسین کے والد چل بسے' اس کے ساتھ ساتھ اس کے بچے کو بھی منحوس ٹھہرایا گیا۔ وادی کی پیدائش کے دو دن بعد وہ پھر سے کاموں میں جت گئی' اب تو اس کے سامنے احمد حسین کے کان بھرے جاتے' وہ لب سیئے رہتی' اس کے میکے جانے پر پابندی لگادی گئی۔

غزل اپنے ابا کی وفات پر بھی صرف ایک دن کے لئے جاسکی' وادی جب چھ ماہ کا ہوا تو اس کی اماں اپنے بھانجے علی شیر کے ساتھ بیٹی سے ملنے چلی آئیں' ان کے جانے کے بعد غزل پر طرح طرح کے الزامات لگائے گئے' احمد حسین کی بھابی فوزیہ نے تو انتہا کردی' اور دو خطوط نجانے کہاں سے اس کے کمرے سے برآمد کرلئے جو بقول اس کے علی شیر نے غزل کو دیئے تھے' غزل کی ہمت جواب دے گئی۔

''نہیں بھابی! ایسا مت بولیں خدا کا خوف کریں' کیوں خدا کے قہر کو آواز دیتی ہیں' آپ کی اپنی بھی بیٹی ہے' احمد یہ سب جھوٹ ہے''۔ وہ چیخ چیخ کر بولی مگر احمد حسین کے دل میں بال آچکا تھا' اس پر غزل کے آنسوؤں' اس کی آہوں کا کوئی اثر نہ ہوا' وہ اپنی اماں اور بھابی کے کہے پر ایمان لے آیا پھر غزل کو احمد نے طلاق دی اور چھ ماہ کے وادی کو لئے اندر بڑھ گیا' غزل وہیں ڈھے گئی فوزیہ اور صغریٰ بیگم نے اسے دھکے مار کر گھر سے باہر نکال دیا۔

''میرا بچہ......'' غزل کو وادی کا خیال آیا تو اس کے اندر جیسے توانائی سی آگئی' اس نے بند گیٹ پر زور زور سے ہاتھ مارے' مگر بے سود' وہ اپنی غلطی سوچتی رہ گئی' داور حسین اگر ہوتے تو وہ بھی شاید کچھ نہ کرسکتے' ان کی بیوی کے سامنے کم ہی چلتی تھی جبکہ فوزیہ کا شوہر باہر ہوتا تھا۔

☆

غزل اپنی اماں کے پاس چلی آئی' ماں نے جب اس کو اس حالت میں دیکھا تو دل تھام کر رہ گئیں' ناہید بھی چلی آئی اور اپنی دوست کی اس حالت زار پر اس کی آنکھیں خون کے آنسو بہانے لگیں پھر ناہید ہی کے کہنے پر وادی حسین کی کسٹڈی کے لئے عدالت سے رجوع کیا گیا تو عدالت نے اصولی طور پر بچہ ماں کے حوالے کردیا۔ جب

وادی حسین پانچ سال کا ہوا تو اماں کی طبیعت اچانک زیادہ خراب ہوگئی انہیں معمولی سا ہارٹ اٹیک ہوگیا' تو اماں نے اس کو دوسری شادی کے لئے رضامند کرلیا۔

''مگر اماں! میرے وادی کا کیا بنے گا......؟'' غزل کو بیٹے کی فکر نے ستایا۔

''اس کو میں خود سنبھال لوں گی' جب تک میری زندگی ہے''۔ اور پھر غزل کی شادی ضیاء خان سے ہوگئی جو کسی اسکول میں ٹیچر تھے ماں باپ دونوں نہ تھے بس ایک چھوٹا بھائی تھا جو شادی شدہ تھا' غزل کو وہ ناہید کے گھر دیکھ چکے تھے اور یوں وہ اس سانولی سلونی سی غزل کے اسیر ہوگئے۔

احمد حسین نے غزل کی شادی کے بعد دوسری شادی بھی اپنی مرضی سے رچالی اور ساتھ ہی وادی حسین کی کسٹڈی کا دعویٰ بھی کردیا' غزل کی شادی کی وجہ سے عدالت نے وادی حسین کو احمد حسین کے حوالے کردیا غزل بہت روئی' بہت تڑپی' اماں سے شکوہ کناں بھی ہوئی' وہ بیٹے کی صورت کو بھی ترس گئی۔

⟡..........☆..........⟡

ضیاء خان نے غزل کو اتنی چاہت دی کہ اس کے دل پر لگے زخموں پر کھرنڈ سی جمنے لگی' مگر شاید قدرت کو کچھ اور منظور تھا شادی کے ڈیڑھ سال بعد بچے کی پیدائش پر کچھ پیچیدگیوں کی وجہ سے غزل اور اس نومولود بچے کی ڈیتھ ہوگئی اور یوں غزل پچیس سال کی عمر میں اس دنیا سے ناطہ توڑ گئی' مگر جانے سے پہلے وہ ماں سے ایک وعدہ لے کر گئی تہمینہ اور ضیاء کی شادی کا۔ غزل کی ڈیڈ باڈی کو ضیاء یہیں غزل کی اماں کے گھر لے آیا ضیاء کی حالت مجنوں کی سی ہوگئی' تہمینہ نے اماں کو سنبھالا مگر جوان اولاد کا غم پتھر سے پتھر دل انسان کا دل بھی موم کردیتا ہے اور یہاں تو لاڈ دلاری بیٹی کی جدائی تھی۔

⟡..........☆..........⟡

احمد حسین کی بھابی نے اس کی دوسری بیوی کو یہاں زیادہ عرصہ رہنے نہ دیا اور یوں اس نے دوسری بیوی کو بھی چھوڑ دیا' بالآخر فوزیہ اپنی بہن سکینہ کو بیاہ کر لے آئیں۔ گزرتے وقت نے صغریٰ بیگم پر بڑا اثر کیا اور انہیں اب غزل سے ہونے والے مظالم کا احساس شدت سے ہونے لگا وہ راتوں کو نیند سے اٹھ کر چیخنے لگتیں' وہ خدا سے اپنے کیے کی معافی مانگتیں' مگر خدا کے بندوں سے معافی مانگنے کا حوصلہ ان میں ابھی بھی نہیں آیا تھا' کئی بار سوچا کہ غزل کی بہن تہمینہ سے غزل کے ساتھ کیے جانے والے سلوک کی معافی مانگیں مگر شرمندگی آڑے آجاتی' البتہ اللہ سے اپنے کیے کی معافی مانگتیں' جن بھانجیوں کو بہت محبت سے بیاہ کر لائی تھیں وہی ان کو بوجھ سمجھنے لگیں گھر میں آئے دن آپس میں دونوں بہنیں جھگڑتی رہتیں۔

⟡..........☆..........⟡

وادی حسین گیارہ سال کا ہوچکا تھا احمد حسین کو بھی اللہ نے دو بیٹیوں سے نوازا تھا' سکینہ دیکھ رہی تھی کہ جوں جوں وادی حسین بڑا ہورہا ہے غزل کا عکس نمایاں ہوتا جارہا ہے اور سکینہ کا غصہ عروج کو پہنچ رہا تھا سارا دن وہ وادی کو کولہو کے بیل کی طرح کاموں میں مصروف رکھتی مار پیٹ تو شاید روز کا معمول تھا یہ بھی غنیمت تھا کہ احمد حسین نے سکینہ کے لاکھ چاہنے کے باوجود ابھی تک اس کو اسکول سے نہیں اٹھایا تھا' بوڑھی دادی روز اس چھوٹے سے بچے کو پٹتا دیکھتیں تو آہیں بھرتیں' بہوؤں کے آگے اب ان کی بالکل نہیں چلتی تھی' بڑی بہو فوزیہ' چھوٹی بہن سکینہ سے لڑ جھگڑ کر اپنے شوہر کے پاس چلی گئی تھی' احمد حسین نے بیٹے کو کبھی بیٹا نہ سمجھا اس کا دل تو جیسے پتھر ہوچکا تھا سکینہ کے روز روز کے کہنے پر اب تو وہ اسے پاس رکھنے پر بھی پچھتانے لگا۔

باپ کے مرنے پر ساری زمینوں کا حساب کتاب اس کے پاس آگیا اسے صرف اپنی بیٹیاں عزیز تھیں وادی حسین ایک بوجھ لگتا اور وہ جلد از جلد اس بوجھ سے چھٹکارا پانا چاہتا تھا' صغریٰ بیگم خود چاہتی تھیں کہ وادی واپس اپنے ننھیال چلا جائے کم از کم یہاں سے تو بہتر زندگی گزارے گا' تہمینہ اور ضیاء صاحب کی شادی ہوچکی تھی ان کی بھی دو بیٹیاں تھیں۔

⟡..........☆..........⟡

غزل کی دوست ناہید بیاہ کر احمد حسین کے محلے میں آگئی' ایک دن عجب ہر ذی روح سردی سے ٹھٹھر کر اپنے گھروں میں پناہ لیے ہوئے تھے تو ایک معمولی سی لغزش پر احمد حسین نے وادی کو ڈنڈے سے پیٹنا شروع کردیا چیخ وپکار کی آوازوں سے محلے کے لوگ اکٹھا ہونا شروع ہوگئے' مگر کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ آگے بڑھے اور اس بچے کو پٹنے سے روک سکے مگر ناہید یہ سب نہیں دیکھ سکتی تھی اس نے سمجھداری سے کام لیتے ہوئے تہمینہ اور پولیس کو فون کیا اور کچھ ہی دیر میں پولیس بھی آگئی' احمد حسین اور وادی کو پولیس اسٹیشن لے گئی تھانے ہی میں ضیاء صاحب بھی اپنے بھائی منصور کے ساتھ پہنچ گئے۔

پولیس کو جب ساری حقیقت کا پتہ چلا تو انہوں نے احمد حسین کو ڈانٹ ڈپٹ کی' وادی نے باپ کے ساتھ جانے سے انکار کردیا' تو ضیاء صاحب نے اسے ساتھ لے جانے کی ہامی بھرلی' احمد حسین نے غصے اور بے عزتی کے احساس سے وادی حسین کے تن پر پہنا کوٹ جو تھانے آنے سے پہلے ناہید نے اسے پہنادیا تھا احمد حسین نے زبردستی اتار لیا تو ضیاء صاحب نے اپنا کوٹ اتار کر اس معصوم بچے کو پہنادیا جو پہلے ہی سردی سے ٹھٹھر رہا تھا پولیس تو حیران رہ گئی۔

''اس بچے کے باپ تم ہو یا یہ......؟'' ایک پولیس والے نے سوال کیا احمد حسین نے کوئی جواب نہ دیا۔

''میں آج سے اس بچے کا باپ ہوں''۔ ضیاء صاحب نے وادی کو اٹھایا اور منصور صاحب کے ساتھ تھانے سے باہر نکل آئے اور یوں وادی کے لئے ضیاء صاحب سے بڑھ کر کوئی نہ تھا احمد حسین کا تھانے گئے واپسی پر ایکسیڈنٹ ہوگیا اور وہ ایک ٹانگ سے محروم ہوگیا روزمرہ زندگی کے بہت سے کام کرنے سے معذور ہوگیا' صغریٰ بیگم بھی کچھ ہی عرصے میں انتقال کرگئیں۔

⟡..........☆..........⟡

''اب تم بتاؤ میں کیسے بھول جاؤں یہ سب...... یہ سب میرے لئے اتنا آسان نہیں ہے میں یہاں ان سب کے پاس ہوں' ان سب کو ساتھ رکھنا چاہتا ہوں اور بس......'' وہ تھکے تھکے سے انداز میں ذرشا سے مخاطب ہوا تو ذرشا نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔

''میں آپ کے ساتھ ہوں...... آپ جیسا چاہیں گے ویسا ہی ہوگا''۔ ذرشا نے اس کے ہاتھ پر دھیرے سے اپنا ہاتھ رکھا' تو وادی چونکا اور پھر اپنے مضبوط ہاتھوں میں اس کے ہاتھوں کو تھام لیا۔

''میں چلتی ہوں شاید عریشہ مجھے بلا رہی ہے''۔ وہ کنفیوژ سی ہوگئی۔ وادی نے اب کے دھیرے سے اس کا آنچل تھام لیا' مگر ذرشا نے بھی آہستگی سے آنچل چھڑا لیا' جیسے وادی نے بنا کہے چھوڑ دیا تھا' یہ پہلی چھوٹی سی شرارت تھی جس نے دونوں کے دل دھڑکا دیے تھے۔

⟡..........☆..........⟡

''کیا ہوا کچھ پریشان ہو......؟'' ارحم نے مومن سے پوچھا جو آج اس سے ملنے یونیورسٹی آیا تھا۔

''پتہ نہیں یار! کچھ سمجھ نہیں آرہی' اتنا وقت برباد کردیا اب سوچتا ہوں تو شرمندگی ہوتی ہے اگر پاپا کی بات مان

لیتا تو آج ان کے سامنے سر جھکا کر نہ چلتا''۔ مومن بے دلی سے گھاس کے تنکوں سے کھیلتے ہوئے بولا۔

''وقت ابھی بھی تمہارے ہاتھ میں ہے' تم چاہو تو اپنے پاپا کا خواب پورا کر سکتے ہو''۔ ارحم نے اس کا حوصلہ بڑھایا' اتنے میں باسط کا گروپ وہاں سے گزرا' مومن کو دیکھ کر وہ لوگ وہیں رک گئے یہ سب کالج سے اکٹھے تھے مومن پڑھائی چھوڑ چکا تھا' جبکہ یہ لوگ یونیورسٹی پہنچ چکے تھے کسی زمانے میں ان کی باسط سے بھی دوستی تھی مگر اب نہیں۔

''کیوں شہزادے! آج یونیورسٹی میں' خیریت تو تھی تمہاری چڑیا تو پھر کر گئی یہاں سے''۔ باسط خباثت سے بولا مومن کا خون کھول اٹھا اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتا ارحم نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اسے روکا وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔

''ویسے آج کل وہ ہوتی کہاں ہے......؟'' باسط دایاں ہاتھ منہ پر پھیرتے ہوئے بولا۔

''تم ایسے باز نہیں آؤ گے''۔ وہ ارحم سے ہاتھ چھڑا کر اس کی طرف بڑھا اور پھر کچھ ہی دیر میں وہ گتھم گتھا تھے ارد گرد اسٹوڈنٹ کا رش بڑھ چکا تھا ارحم اور کچھ دوسرے اسٹوڈنٹ نے بیچ بچاؤ کرایا۔

''مومن خان! تم نے بہت بڑی غلطی کی ہے نتیجہ بھگتنے کے لئے تیار رہنا''۔ باسط اسے وارن کرتا چلا گیا ارحم مومن کو لئے باہر چلا آیا۔

''مومن! یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی' تم جانتے بھی ہو باسط کو''۔ ارحم نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''اب بھی تم یہ کہتے ہو کیا ضرورت تھی یہ سب کرنے کی' وہ شخص میرے گھر تک پہنچ رہا ہے' وہ نام جو کبھی میرا دل اپنی زبان پر نہیں لایا' وہ نام وہ کس طرح سے لے سکتا ہے' میری محبت پر صرف میرا حق ہے' صرف میرا اور یہ بات اس باسط کو صرف میں سمجھاؤں گا''۔ مومن درشت لہجے میں بولا۔

''تم ایسا کچھ نہیں کرو گے''۔ مومن کی ذرنش کے لئے محبت سے وہ واقف تھا تبھی اسے روکنا چاہا مگر مومن ان سنی کرتا اپنی بائیک کی طرف بڑھ گیا۔

⟡.........☆.........⟡

''ذری! میرے کمرے میں آؤ' مجھے کچھ ضروری بات کرنی ہے''۔ دادی نے سنجیدگی سے ذرشا کو مخاطب کیا جو اس وقت سکینہ بیگم' عریشہ اور نیجہ کے ساتھ بیٹھی تھی' ابھی وہ ٹی وی لاؤنج سے باہر ہی آیا تھا کہ اندر آتی رباب اس سے بری طرح ٹکرائی' ذرشا نے حیرت سے رباب کو دیکھا' رباب نے خود کو گرنے سے بچانے کے لئے دادی کی طرف ہاتھ بڑھائے مگر وہ اسے بری طرح اگنور کرتا آگے بڑھ گیا اور رباب جس نے ڈرامے کے اس سین کو یقینی شکل دینے کے لئے خود کو چوٹ لگانے سے بھی دریغ نہ کیا تھا اور وہ بری طرح نیچے گری' سکینہ بیگم بے اختیار اس کی طرف بڑھیں۔

''کیا ضرورت تھی یہ سب کرنے کی''۔ سکینہ بیگم اسے اٹھاتے ہوئے سختی سے بولیں مگر رباب کوئی جواب نہ دے سکی۔ کمرے میں اسے بیٹھے کافی دیر ہوئی مگر ذرشا کمرے میں نہ آئی وہ جو غصے سے پہلے ہی کھول رہا تھا جارحانہ انداز میں باہر آیا عریشہ اور نیجہ غائب تھیں جبکہ ذرشا' سکینہ بیگم کے ساتھ لگی بیٹھی تھی۔

''تم سے میں کچھ کہہ کر گیا تھا ایک بار بات سمجھ میں نہیں آئی کیا''۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے بولا سکینہ بیگم کی آنکھوں میں تحیر اُمڈ آیا' وہ بغیر پرواہ کئے اس کا ہاتھ تھامے چل پڑا۔

''توبہ توبہ...... یہ تو بالکل ہی اپنی ماں پر گیا ہے وہ بھی ایسے ہی......'' اس سے پہلے کہ وہ مزید گل فشانی کرتیں

دادی ان کی بات سن کر مڑا۔

''بس...... ایک لفظ بھی میری ماں کے خلاف نہ بولئے گا''۔ وہ درشت لہجے میں بولا سکینہ بیگم وہیں کی وہیں چپ ہو گئیں' دادی نے ذرشا کو اپنے سامنے کھڑا کیا۔

''یہ میری بیوی ہے اور نہ بتا کر میں نے آپ کی لاڈلیوں کی حرکتیں بھی ملاحظہ کر لیں''۔ اشارہ ثوبیہ اور رباب کی جانب تھا۔

''افسوس مجھے ان پر نہیں آپ لوگوں کی تربیت پر ہوتا ہے''۔ وہ کہتے ہوئے اپنے کمرے میں چلا آیا' مگر آتے ہوئے ذرشا کو ساتھ لے کر آنا نہ بھولا جو حیرت سے دادی کو غصے میں دیکھ رہی تھی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے ذرشا کا ہاتھ چھوڑ دیا کانچ کی کئی چوڑیاں ٹوٹ چکی تھیں مضبوط گرفت سے کلائی سرخ ہو چکی تھی دادی نے دیکھا تو شرمندہ ہوا۔

''آئی ایم سوری میری وجہ سے تمہیں تکلیف ہوئی''۔ وہ دھیمے لہجے میں بولا تو ذرشا نے اپنی تکلیف بھول کر اس کے دکھ کو محسوس کیا۔

''کب تک چلنا ہے واپس......؟'' ذرشا نے اس کا دھیان ہٹانا چاہا۔

''تم سب مل کر پیکنگ کر لو' ہم کل روانہ ہوں گے''۔ وہ نرمی سے بولا تو ذرشا نے بھی سر اثبات میں ہلا دیا۔

⟡.........☆.........⟡

یہ باسط کی دھمکی کا اثر تھا شاید کہ آج وہ پاپا سے بات کرنے آ پہنچا۔

''پاپا! مجھے آپ سے بات کرنی ہے''۔ وہ ابھی ابھی آفس سے لوٹے تھے کہ مومن ان کے کمرے میں چلا آیا وہ حیران سا ہوئے۔

''بولو کیا کہنا چاہتے ہو......؟'' وہ صوفے پر ایزی ہو کر بیٹھے۔

''میں نے سنا ہے تائی جان' ذرنش کے لئے رشتہ ڈھونڈ رہی ہیں''۔ مومن دھڑلے سے بولا' منصور صاحب ان کی بات سن کر حیران رہ گئے۔

''تو......؟'' وہ غصے سے بولے۔

''تو پاپا! آپ لوگ میرا پرپوزل لے کر تایا جان کے پاس جائیں''۔ مومن کی بات سن کر منصور صاحب ایک لمحہ کو ساکت سے ہو گئے۔

''اپنے اور اس کے درمیان فرق جانتے ہو......؟'' منصور صاحب نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''کیا فرق پاپا! وہ مجھ سے تین برس چھوٹی ہے''۔ مومن حیرانی سے بولا۔

''یہی فرق کہ وہ تم سے تین برس چھوٹی ہے مگر تم سے کہیں آگے ہے' تعلیم میں' تہذیب میں اور تم......؟ کتنی خواہش تھی میری مگر تم نے میری تمام خواہشوں کو ملیامیٹ کر دیا' ادھوری تعلیم' کاروبار میں عدم دلچسپی' کس منہ سے جاؤں تمہارا پرپوزل لے کر......؟ بھائی صاحب کو تو تم چھوڑ دو' میں خود ذرنش کو تمہارے قابل نہیں سمجھتا''۔ منصور صاحب سخت لہجے میں بولے۔

''پاپا! آپ میرے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں' آپ جیسا کہیں گے میں ویسا کروں گا' آپ تایا جان سے بات تو کر لیں''۔ مومن گھٹنوں کے بل باپ کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولا۔

''تو پھر ٹھیک ہے تم ایم بی اے میں ایڈمیشن لو' آفس کا بھی چکر لگا لیا کرو' اگر میری یہ شرط منظور ہے تو میں تمہاری

تعلیم مکمل ہونے کے بعد بھائی سے بات کروں گا''۔ منصور صاحب نے شرائط اس کے سامنے رکھیں تو وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔ وہ اپنی بات سمجھا نہیں پا رہا تھا۔

''پاپا! آپ شادی کر دیں پھر آپ جیسا کہیں گے ویسا ہی کروں گا''۔ وہ التجائیہ انداز میں بولا۔

''مومن! میں نے جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا اب تم جا سکتے ہو''۔ منصور صاحب نے سنجیدگی سے کہا تو مومن بے بسی سے انہیں دیکھتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

☆

وادی آج ہی واپس لوٹا تھا' ضیاء صاحب نے وادی کے کہنے پر اپنے گھر کے سامنے والا گھر اس کے لئے خرید لیا' اور یوں وہ سکینہ بیگم' ذرشا اور دونوں بہنوں کے ساتھ وہاں شفٹ ہو گیا ذرشا تو اپنے میکے ہی رک گئی تھی۔ شام جب وادی آفس سے لوٹا تو سکینہ بیگم نے اسے ٹی وی لاؤنج میں ہی روک لیا۔

''بیٹا! میں چاہتی ہوں ذرشا اب ایسے ہی واپس نہ آئے''۔ سکینہ بیگم کی بات سن کر وہ چونک گیا۔

''کیا مطلب......؟'' وہ بے اختیار بولا۔

''میرا مطلب ہے کہ اس کی باقاعدہ رخصتی ہو پھر ولیمہ کی ایک تقریب رکھ لی جائے''۔ وہ اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے بولیں۔

''رخصتی تو ہو چکی ہے البتہ ولیمہ کے لئے آپ بابا سے بات کر لیں''۔ وادی ہامی بھرتے ہوئے بولا۔

''تو ٹھیک ہے میں ابھی جا کر بات کرتی ہوں''۔ وہ بولیں تو وادی کندھے اچکا کر خاموش ہو گیا' سکینہ بیگم اب کافی حد تک بدل چکی تھیں' بظاہر تو یہی نظر آتا تھا۔

''ضیاء بھائی! میں آج ایک خاص مقصد کے لئے آپ کے پاس آئی ہوں''۔ سکینہ بیگم کی آمد نے دونوں میاں بیوی کو تعجب میں مبتلا کر دیا تھا۔

''جی فرمایئے......؟'' ضیاء صاحب مخصوص انداز میں بولے۔

''میں چاہتی ہوں کہ وادی اور ذرشا کے ولیمے کی ایک تقریب رکھ لی جائے' نکاح کیونکہ اچانک ہوا' تو تمام رشتہ دار جن کو مدعو نہیں کیا گیا ان کو بلا کر ایک تقریب رکھ لی جائے''۔ سکینہ بیگم نے بات ختم کر کے ان دونوں کی طرف دیکھا' ضیاء صاحب نے تہمینہ بیگم کی طرف دیکھ کر رائے جاننا چاہی تو تہمینہ بیگم نے سر ہلا دیا۔

''ٹھیک ہے آپ جب مناسب سمجھیں......'' ضیاء صاحب نے مثبت جواب دیا۔

''تو ٹھیک ہے اگلے اتوار کو اگر آپ لوگ راضی ہیں تو......؟''

''جی بالکل...... مگر تب تک ذرشا یہیں رہے گی''۔ ضیاء صاحب حتمی انداز میں بولے بھلا اعتراض کس کو ہو سکتا تھا۔

ولیمہ کا دن بخیر و خوبی گزر گیا' مگر اگلے دن کا سورج گھر کے مکینوں کے لئے پریشانی لے آیا' مومن کل شام سے گھر سے غائب تھا' پہلے تو یہی سمجھا جاتا رہا کہ وہ حسب معمول کہیں نہ کہیں دوستوں کے ساتھ نکل چکا ہے' مگر جب ارحم نے بھی فون کر کے منصور صاحب سے پوچھا تو وہ پریشانی میں مبتلا ہو گئے' بہت ڈھونڈنے کی کوشش کی گئی مگر بے سود' شام مومن کا فون آ گیا۔

''پاپا! میں شہر سے باہر ہوں' ایک ہفتے تک آ جاؤں گا''۔ مزید کوئی بات کہے اس نے فون آف کر دیا' منصور صاحب حقیقتاً پریشان ہو گئے کیونکہ اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ وہ ان کو اپنے جانے کیلئے مطلع کرتا' مگر پھر بھی

وہ مطمئن ہو گئے' اور ساتھ ہی سب گھر والوں کو بھی مطمئن کر دیا۔

☆

جیسے ہی مومن نے فون بند کیا ان میں سے ایک نے اس سے فون چھین کر فون آف کر دیا۔

''کہاں لے کر جا رہے ہو تم لوگ مجھے......'' مومن اپنے دونوں ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولا مگر ان چاروں کی گرفت مضبوط تھی' مومن کے دونوں ہاتھ پیچھے کی جانب بندھے ہوئے تھے' جبکہ اس کی آنکھوں پر پٹی بھی بندھی ہوئی تھی وہ نہیں جانتا تھا کہ اسے کہاں لے جایا جا رہا ہے۔

''تم لوگ بولتے کیوں نہیں......؟'' مومن کی آواز پھر ابھری' اب کہ جواب میں اس کے جبڑے پر ایک زوردار مکا رسید ہوا تھا اور وہ زمین پر جا گرا' دونوں ہاتھ بندھے ہونے کی وجہ سے وہ خود کو گرنے سے نہ روک سکا وہ چاروں اسے اٹھاتے ایک کمرے میں لے آئے اور دروازہ بند کر کے چلے گئے مومن بے بسی سے چیختا رہ گیا' وہ لوگ شاید جا چکے تھے کوئی ایک گھنٹے بعد دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی وہ چوکنا ہو گیا کوئی بے حد قریب آ کھڑا ہوا تھا۔

''اس کے دونوں ہاتھ کھول دو''۔ کمرے میں ایک آواز ابھری اور پھر اس کے دونوں ہاتھ آزاد ہو گئے۔

''تم کون لوگ ہو......؟ اور مجھے یہاں کیوں لے کر آئے ہو''۔ مومن نے پوچھا۔

''بتاتے ہیں بتاتے ہیں''۔ نہایت اطمینان سے جواب دیا اور ساتھ ہی آنکھوں کی پٹی کھولنے کی بھی ہدایت کی۔ حکم کی فوری تکمیل ہوئی تھی' دو لوگ مومن کے علاوہ تھے' مومن کو دیکھنے میں مشکل ہوئی۔

''کچھ دیر بعد تمہارا نکاح ہے''۔ مومن کے سر پر جیسے دھماکہ ہوا اس کی آنکھیں کھل سی گئیں۔

''کیا بکواس ہے یہ......'' وہ چنگھاڑا۔

''حوصلہ شہزادے! نکاح تو تمہارا ہو گا اور اگر تم نے ہماری بات نہ مانی تو وہ کیا کہتے ہیں تمہاری کزن ذرنش وہ پہنچ جائے گی یہاں اور تم جانتے ہو ایک لڑکی اگر اغواء ہو جائے تو زمانہ کیسا سلوک کرتا ہے...... ہاہاہا''۔ وہ ہنستے ہوئے بولا اور مومن لب سیئے اسے دیکھے گیا' اس کا ذہن ماؤف سا ہو گیا۔

''تم کہنا کیا چاہتے ہو......؟'' الفاظ رک رک کر اس کے منہ سے نکلے۔

''اب اتنے بھی بے وقوف نہیں ہو تم' اگر تم انکار کر دو گے نکاح کرنے سے' تو ذرنش یہاں آ جائے گی اور شاید پھر کبھی جا نہ سکے ہمارے باس کا دل آ گیا ہے اس پر''۔ وہ خباثت سے بولا مومن بے اختیار اس کے گریبان تک پہنچا' اور بری طرح سے اسے پیٹنا چاہا' مگر ساتھ کھڑے شخص نے رائفل اس کے سر پر ماری' تو اس کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی سی ہو گئی۔

''اس کو سمجھا دو اپنی زبان میں' آدھے گھنٹے بعد آؤں گا اس کو نکاح کے لئے تیار رکھنا' اور تم غور سے سنو میری بات' اگر ذرنش کی عزت چاہتے ہو تو جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اس پر عمل کرو''۔ وہ اسے وارن کرتا چلا گیا اور مومن کو یوں لگا جیسے وہ اب کبھی جی نہیں سکے گا۔

☆

''کہاں سے آ رہے ہو......؟'' وہ چھ دن بعد آج ہی گھر لوٹا تھا کہ ٹی وی لاؤنج میں منصور صاحب نے کڑے لہجے میں پوچھا۔

''پاپا! میں دوستوں کے ساتھ شہر سے باہر گیا ہوا تھا''۔ مومن نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''تو پھر یہ سب کیا ہے''۔ انہوں نے کوئی لفافہ اس کے منہ پر دے مارا' وہ حیرانگی سے ان تصویروں کو دیکھنے لگا جو

اس میں سے نکلی تھیں۔

''کیا ہے یہ سب کچھ......؟ کون ہے یہ لڑکی......؟'' وہ غصے سے دھاڑے۔

''ارے اگر شادی ہی کرنی تھی تو تمہیں اس لڑکی کے سوا کوئی نہ ملی' بھیجنے والے نے سارا بائیو ڈیٹا لکھ کر بھیجا ہے' ایک طوائف ناچنے والی سے شادی کرلی تم نے' اپنے نام کی ہی لاج رکھ لیتے' تمہیں ماں باپ کی عزت کا بھی خیال نہ آیا نکل جاؤ یہاں سے...... آج کے بعد مر گئے تم ہمارے لئے''۔ انہوں نے اسے فوراً گھر سے نکلنے کا حکم دیا' وہ غصے سے بھرا باہر کی طرف بڑھا' تبھی روتی ہوئی ذرنش سامنے چلی آئی۔

''کیوں کیا تم نے ایسا مومن! کیوں......؟'' وہ نم آنکھوں سے بولی۔

''میں نے کچھ نہیں کیا غلط فہمی ہوگئی ہے تم سب کو''۔ مومن رک کر بولا۔

''کیسی غلط فہمی مومن صاحب......؟ نکاح نامہ تک موجود ہے''۔ ذرنش طنزیہ لہجے میں بولی۔

''میں نے صرف تمہیں چاہا ہے یہ صرف تمہارے لئے کیا ہے میں نے''۔ وہ آج بول ہی پڑا۔

''یہ کیسی چاہت ہے تم نے میرے لئے کسی اور سے نکاح کرلیا''۔ وہ غصے سے بولی مومن اس سے پہلے کہ مزید کچھ کہتا منصور صاحب اور ماریہ بیگم کے درمیان بحث کی آوازیں باہر تک آنے لگیں۔

''میں جا رہا ہوں''۔ مومن کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولا۔

''مجھے تمہارے ہونے نہ ہونے سے اب کوئی فرق نہیں پڑتا''۔ وہ مضبوط دل سے بولی لمحہ بھر کو مومن رک سا گیا' مگر پھر مضبوط قدموں سے منصور ولا سے باہر آگیا' بیگم منصور جونجانے کب وہاں آئی تھیں' انہوں نے کٹیلی نگاہوں سے ذرنش کو دیکھا تو وہ اپنی جگہ سن سی کھڑی ہوگئی اس نے کب ایسی نگاہوں کا سامنا کیا تھا' وہ مومن کے پیچھے دوڑیں مگر جانے والا جا چکا تھا۔

کمرے کا دروازہ بند کر کے وہ وہیں گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گئی رو رو کر اس نے اپنی آنکھیں سُجا لیں۔

''تم نے اچھا نہیں کیا مومن! جاتے جاتے بھی دشمنی نبھا گئے تم نے کبھی مجھے سمجھا ہی نہیں میں نے تو دل کے سنگھاسن پر تمہارا ہر روپ سجایا تھا تم نے کبھی ایک پل کو بھی نہیں جھانکا میرے دل میں جہاں صرف تم بستے ہو''۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑی ڈریسنگ پر پڑی تمام چیزیں گرا چکی تھی' ماریہ چچی نے اسے جن نظروں سے دیکھا تو وہ انہیں نہ بھلا سکتی تھی' مومن کے جانے کا سب کو ہی دکھ تھا۔

☆

''ذری! چاچو نے مومن کو گھر سے نکال دیا ہے''۔ ذرنش نے روتے ہوئے اسے بتایا جسے سن کر ذری کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔

''اچھا ہم لوگ پہنچتے میں چاچو کی طرف''۔ ذرشا نے خود پر کنٹرول کرتے ہوئے اسے کہا تو ذرنش نے فون رکھ دیا' تھوڑی ہی دیر میں سب پہنچ گئے' ضیاء صاحب اور تہمینہ بیگم نے جب منصور صاحب سے پوچھا تو انہوں نے وجہ بتادی' مگر وہ مومن کو گھر آنے کی اجازت نہ دینے کی بات پر اٹل تھے سو سب ہی نے خاموشی کی چادر اوڑھ لی۔

☆

''وادی! آپ نے پتہ کروایا مومن کا''۔ ذرشا نے وادی حسین سے پوچھا جو ابھی آفس سے لوٹا تھا۔

''کروا تو رہا ہوں مگر کچھ پتہ نہیں چل رہا''۔ وادی اپنا بریف کیس رکھتے ہوئے بولا اتنے میں سکینہ بیگم بھی انہی کے کمرے میں چلی آئیں۔

''آ گئے بیٹا''۔ وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''جی......'' وادی نے مختصراً جواب دیا اور چینج کرنے ڈریسنگ روم میں چلا گیا۔

''تم نے بات کی وادی سے''۔ سکینہ بیگم نے ذرشا سے پوچھا جو اس وقت وادی کا کوٹ ہینگ کر رہی تھی۔

''کیسی بات......؟'' ذرشا چونکی۔

''فوزیہ آپا نے مجھ سے کچھ رقم ادھار مانگی ہے اسی سلسلے میں تمہیں میں نے کہا تھا''۔ سکینہ بیگم نے حتی الامکان اپنے لہجے کو قابو میں رکھتے ہوئے کہا۔

''آپ خود بات کرلیں''۔ ذرشا نے انہیں مشورہ دیا' مگر وہ وادی سے بات کرتے ہوئے گھبراتی تھیں وہ ان سے کم ہی بات کرتا تھا' اتنے میں وادی بھی بلیک شلوار قمیض پہنے باہر آیا۔

''جی کچھ کہنا ہے آپ کو''۔ وادی نے خود ہی مخاطب کیا۔

''بیٹا! فوزیہ آپا کو کچھ رقم ادھار چاہئے تھی' انہوں نے بہت مجبور ہو کر فون کیا''۔ سکینہ بیگم دل گیر لہجے میں بولیں۔

''کتنی رقم چاہئے انہیں......؟'' وادی نے چیک بک دراز میں سے نکالتے ہوئے کہا۔

''دو لاکھ......'' سکینہ بیگم خوشی سے بولیں' مگر وادی کے چلتے ہاتھ رک سے گئے' اس نے پرسوچ نگاہوں سے انہیں دیکھا پھر کچھ سوچ کر دوبارہ لکھنے لگا۔

''یہ پچاس ہزار کا چیک ہے' فی الحال تو اس سے گزارہ کریں''۔ وادی نے بھی مختصراً جواب دے کر چیک بک بند کر کے دراز میں ہی رکھ لی سکینہ بیگم نے فی الحال اسی کو غنیمت جانا اور کچھ بھی کہے بغیر خاموشی سے باہر آگئیں' مگر وادی کے اس طرز عمل سے ان کے دل میں آرے سے چلنے لگے' کچن کے دروازے پر رک کر انہوں نے کام میں مشغول ذرشا کو دیکھا جو شاید کچھ گنگنا بھی رہی تھی۔

''بس کچھ دن اور...... تمہارا پتہ نہ کاٹا تو سکینہ بیگم نام نہیں ہے میرا''۔ وہ غصے سے اپنے کمرے کی جانب بڑھیں' دونوں بیٹیاں کالج گئی ہوئی تھیں اسی لئے وہ مطمئن ہو کر فوزیہ کو فون کرنے لگیں۔

☆

مومن کو گئے آج ایک مہینہ ہو چکا تھا چچی اور چاچو کو تو جیسے خاموشی کی چادر نے گھیر لیا تھا' ذرنش آفس سے واپسی پر زیادہ سے زیادہ وقت ان کے ساتھ گزارتی' مگر جانتی تھی کہ وہ مومن کی جگہ کبھی نہیں لے سکتی وہ ان کا اکلوتا بیٹا تھا۔

''چچی! چائے پی لیں''۔ اس نے چچی کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''لے جاؤ یہ چائے' ایسے ناٹک کر کے تم اپنے چاچو کو تو اپنا گرویدہ کرسکتی ہو مگر میں تمہاری باتوں میں آنے والی نہیں ہوں''۔ انہوں نے بے دردی سے اس کے ہاتھ کو جھٹکا وہ اگر بروقت نہ سنبھلتی تو چائے کا کپ ہاتھ سے چھوٹ بھی سکتا تھا' اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں' انہوں نے نفرت بھری نگاہ اس پر ڈالی۔

''صرف تمہاری وجہ سے میرا بیٹا مجھ سے دور ہوگیا کہ اس کا باپ اس سے زیادہ تم سے محبت کرتا ہے' ساری زندگی تمہارے ناز نخرے اٹھائے' اپنی اولاد سے بڑھ کر چاہا اور اپنی اولاد کو خود سے بدظن کردیا' وہ چلا گیا ہے اب عیش سے یہاں رہو' جو جی کرے وہ کرو' مگر خدا کا واسطہ ہے میرے سامنے مت آنا''۔ انہوں نے دونوں ہاتھ غصے سے اس کے سامنے جوڑے اور ذرنش آنسوؤں سے بھری آنکھوں کے ساتھ وہاں سے روتی ہوئی گئی۔ تہمینہ بیگم نے جو اسے روتے ہوئے دیکھا تو فوراً اس کے پیچھے آئیں۔

''کیا ہوا ہے ذرنش! کیوں اس طرح رو رہی ہو''۔ تہمینہ بیگم نے پوچھا۔

''کچھ نہیں ماما! بس چاچو اور ماریہ چچی کا دکھ نہیں دیکھا جاتا''۔ وہ اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے بولی۔

''ہوں...... یہ تو ہے جوان بیٹا اس طرح گھر چھوڑ کر چلا گیا دکھ تو ہوتا ہے''۔ تہمینہ بیگم بھی افسردہ لہجے میں بولیں' مومن انہیں بہت عزیز تھا' انہوں نے تو نجانے کیا خواب اس کے حوالے سے دیکھ رکھے تھے۔

''اچھا تم آرام کرو' میں تمہارے بابا کو دیکھوں کہ اب تک کیوں نہیں آئے''۔ تہمینہ بیگم جاتے ہوئے بولیں اور ذرنش تکیے پر سر رکھے آنسو بہانے لگی۔

⟡······☆······⟡

''تم نے کچھ کہا ہے ذرنش سے......؟'' منصور چاچو اپنے بیڈ روم میں داخل ہوئے تو انہوں نے ماریہ سے پوچھا۔

''میں نے تو آپ کی چہیتی سے کچھ نہیں کہا اس نے آپ سے کچھ کہا ہے......؟'' ماریہ چچی نے جواباً سوال کیا۔

''تو پھر وہ یہاں اتنے دن سے آ کیوں نہیں رہی' ویسے تو روز ہی چکر لگاتی ہے''۔ منصور چاچو نے نارمل سے انداز میں پوچھا۔

''تو پوچھ لیں اس سے......'' وہ جانتی تھیں کہ ذرنش کبھی شکایت نہیں لگائے گی۔

''جانتی ہو ماریہ! تمہارے بیٹے نے ایک ماہ پہلے مجھ سے شادی کے لئے بات کی تھی''۔ منصور صاحب نے گویا ایک دھماکہ کیا وہ حیران رہ گئیں کہ وہ یہ بات نہیں جانتی تھیں۔

''تو پھر......؟'' وہ آہستگی سے بولیں۔

''وہ ذرنش سے شادی کرنا چاہتا تھا مگر میں نے ایک شرط رکھ دی کہ پہلے وہ خود کو اس قابل بنائے کہ میں اس کا رشتہ بھائی صاحب کے پاس لے کر جاؤں' اسے آوارہ گردی چھوڑنے کا کہا' روزانہ آفس آنے کا کہا تو جانتی ہو اس نے کیا کہا......؟'' وہ بولتے بولتے رک گئے تو ماریہ نے سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

''شادی کر دیں...... میں سب فضول کام چھوڑ دوں گا اور دو ہفتے بھی نہ گزرے اور اس نے شادی کر لی وہ بھی ایک طوائف سے......'' وہ چہرے پر ہاتھ رکھے سسک پڑے' ماریہ بیگم نے تسلی بھرا ہاتھ ان کے کندھے پر رکھا مگر مومن نے ایک ایسا دکھ دیا تھا جس کا مداوا شاید ہی ہو سکتا ہو۔

⟡······☆······⟡

ذرشا کی طبیعت پچھلے دو دن سے مسلسل خراب تھی وادی آفس کے کام سے شہر سے باہر تھا' سکینہ بیگم ہی ذرشا کو ہاسپٹل لے کر آئیں' جس خدشے کے تحت وہ اسے ہاسپٹل لائی تھیں وہ یہاں آ کر دور ہو گیا تھا وہ مطمئن سی ہو گئیں۔ اب ان کے لئے کام آسان ہو گیا تھا۔

''یہ لو بیٹا! دودھ پی لو''۔ گھر آ کر انہوں نے اسے بیڈ روم بھیجا اور ساتھ ہی دودھ سے بھرا گلاس لے آئیں۔

''آنٹی...... میرا دل نہیں چاہ رہا''۔ ذرشا نقاہت سے بولی۔

''ڈاکٹر نے کیا کہا تھا کہ کچھ کھائے بغیر دوا نہیں لینی چلو شاباش......'' وہ اسے اٹھاتے ہوئے بولیں تو ذرشا کو مجبوراً اٹھنا پڑا' پھر وہ اسے دوا دے کر چلی گئیں' کچھ ہی دیر میں ذرشا گہری نیند میں چلی گئی۔

وادی جب گھر میں داخل ہوا تو سکینہ بیگم نے اسے ذرشا کی خرابی طبیعت کا بتایا۔ تو وہ فوراً کمرے میں آیا' ذرشا ہوش سے بیگانہ بیڈ پر سوئی ہوئی تھی وہ فکر مندی سے اسے دیکھے گیا۔ پھر سائیڈ ٹیبل پر دھری دوا اٹھا کر چیک کی بخار کی دوا تھی' اس نے ذرشا کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر اس کا ٹمپریچر چیک کیا جو کہ ابھی بھی زیادہ ہی محسوس ہو رہا تھا' اتنے میں سکینہ بیگم بھی وہیں چلی آئیں۔

''اس کا ٹمپریچر تو ابھی بھی زیادہ ہے کب دوا دی آپ نے......؟'' وادی انہیں دیکھ کر بولا۔

''بیٹا! ابھی کچھ دیر پہلے دی تھی' آہستہ آہستہ ہی بہتر ہو گی تم فکر نہ کرو''۔ وہ تسلی آمیز لہجے میں بولیں وہ سر اثبات میں ہلا کر پھر اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''میں چائے بھجواتی ہوں تمہارے لئے......'' وہ کہتے ہوئے اٹھیں تو وادی نے انہیں منع کر دیا' وہ کچھ دیر آرام کرنا چاہتا تھا' سکینہ بیگم کے جاتے ہی وہ بھی بیڈ پر نیم دراز ہو گیا' ذرشا کا ہاتھ تھامے وہ بھی نجانے کب نیند کی وادی میں پہنچ گیا۔

⟡······☆······⟡

رانا داؤد جب ضیاء صاحب کے گھر آئے تو ان کی آمد نے گھر میں موجود بھی افراد کو سوچنے پر مجبور کر دیا۔ ضیاء صاحب نے منصور صاحب کو بھی ٹی وی لاؤنج میں ہی بلا لیا' رانا داؤد بزنس سرکل میں ایک بہت بڑا نام تھا' منصور صاحب سے ان کی کاروباری سلسلے میں بھی کبھار ملاقات ہوتی رہتی تھی' جب رانا داؤد کے آنے کا عقدہ کھلا تو وہ حیران رہ گئے وہ اپنے بیٹے باسط کا ذرنش کے لئے رشتہ لے کر آئے تھے' دونوں بھائیوں نے ان سے کچھ وقت لیا' کیونکہ فوراً انکار کر دینا بھی درست نہیں تھا' ان کے جانے کے بعد ضیاء صاحب نے ذرنش سے پوچھنے کی ذمہ داری منصور صاحب پر چھوڑ دی تو وہ شش و پنج کا شکار ہو گئے ذرنش تک بھی یہ خبر پہنچ چکی تھی' مگر وہ اپنے فیصلے پر مضبوطی سے قائم تھی۔

⟡······☆······⟡

''ذری! کیا ہوتا جا رہا ہے تمہیں......؟ میں آتا ہوں تو تم سو رہی ہوتی ہو' جاتا ہوں تو تم سو رہی ہوتی ہو''۔ آج کافی دنوں کے بعد وادی نے ذرشا کو کتاب پڑھتے دیکھا تو پوچھا۔

''پتہ نہیں وادی! مجھے کیا ہوتا جا رہا ہے' مجھے اب کچھ بھی اچھا نہیں لگتا میرا جی چاہتا ہے بس میں آنکھیں بند کئے سوتی رہوں''۔ ذرشا کتاب رکھتے ہوئے بولی۔

''چلو تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر جاؤں''۔ وادی بے اختیار بولا۔ وہ روز روز پریشانی کا شکار ہو رہا تھا ذرشا بدل رہی تھی اتنی گہری نیند نہیں ہوتی کہ اسے وادی کی آمد کا پتہ ہی نہ چلتا۔

''یہ لو بیٹا! دودھ پی لو' پہلے کتنی صحت مند ہوتی تھیں اب روز بروز کتنی کمزور ہوتی جا رہی ہو''۔ سکینہ بیگم پھر سے کمرے میں چلی آئیں۔

''نہیں آنٹی آج نہیں''۔ ذرشا بے دلی سے بولی۔

''وادی! دیکھو ذرا اسے' میری بات نہیں سن رہی تم ہی سمجھاؤ اسے''۔ انہوں نے وادی کو درمیان میں گھسیٹا۔

''پی لو ذری! تمہاری صحت کے لئے اچھا ہے''۔ وادی نے کہا تو اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی گلاس تھام لیا' سکینہ بیگم پھر گلاس خالی کروا کر ہی لے گئیں' تھوڑی ہی دیر میں اسے پھر سے نیند آنے لگی۔

''وادی! مجھے نیند آ رہی ہے''۔ وہ تکیے پر سر رکھتے ہوئے بولی۔

''ہوں......'' وہ کچھ چونک کر اسے دیکھنے لگا' جبکہ وہ کچھ ہی ٹائم میں ہوش کھو بیٹھی تھی۔

تقریباً چھ ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا' سکینہ بیگم ہر طرح سے ذرشا کا خیال رکھتیں' تہمینہ بیگم اور ضیاء صاحب کے ساتھ ساتھ وادی بھی مطمئن تھا وہ خود ہی اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر جاتیں مگر ذرشا کی طبیعت سنبھلنے کی بجائے دن بدن خراب ہوتی جا رہی تھی' وادی اور ذرشا دونوں نے نجانے کتنے دنوں سے کوئی بات تک نہ کی تھی' سب ہی ذرشا کی

اچانک سے طبیعت خراب ہونے سے پریشان تھے' سوجی ہوئی آنکھیں' چلنے میں لڑکھڑاہٹ بے ربط سے جملے وادی حقیقتاً پریشان تھا اور پھر وہ اسے خود ایک اسپیشلسٹ کے پاس لے آیا اور جب رپورٹس آئیں تو وادی کا ذہن ماؤف ہوگیا وہ ذرشا کو ضیاء صاحب کے گھر چھوڑ کر خود اپنے گھر چلا آیا۔

☆

''کیوں کیا انہوں نے ایسا......؟'' وہ غائب دماغی سے گھر میں داخل ہوا۔

''بس اب پیر بابا سے آخری تعویز لے کر آنا ہے تو پھر تمہارا کام شروع ہو جائے گا فوزیہ آپا سے کہنا فکر مند نہ ہوں''۔ سکینہ بیگم جیسے ہی فون رکھ کر مڑیں تو وادی کو سامنے کھڑے پایا۔

''وہ......'' ان سے کوئی بات ہی نہ بن پڑی۔

''جانتی ہیں آپ کہ کیا کیا ہے آپ نے؟ نیند کی گولیاں گھول گھول کر پلاتی رہیں آپ...... کیا قصور کیا تھا اس نے آپ کا''۔ وہ شدت غم سے چیخ پڑا' بھائی کی آواز سن کر عرشیہ اور نیحہ بھی وہیں آگئیں۔

''وہ آپ کی بیٹیوں کی طرح تھی بتائیں مجھے آپ کا مقصد کیا تھا''۔ وہ چیختے ہوئے بولا' سکینہ بیگم کو آج سے پہلے کبھی اتنی شرمندگی نہ ہوئی تھی جتنی اب اپنی بیٹیوں کے سامنے ہو رہی تھی۔

''فوزیہ آپا کی خواہش تھی کہ ان کی بیٹی سے تمہاری شادی ہو جائے تو انہوں نے ایک پیر بابا کا ذکر کیا کہ اس کے تعویذ سے ذرشا تم سے دور ہوتی جائے گی کیونکہ اولاد ہونے کی صورت میں اس کے قدم اس گھر میں مضبوط ہو جاتے تو اس لئے انہوں نے مجھے وہ تعویذ دیئے''۔ وہ نگاہیں نیچے کئے بولیں۔

''اف میرے خدا''۔ وہ وہیں سر تھام کر بیٹھ گیا۔

''بیٹا! مجھے معاف کر دو''۔ وہ نم لہجے میں بولیں۔

''آپ پلیز میرے سامنے سے چلی جائیں''۔ اس وقت اس کے رگ رگ میں غصہ دوڑ رہا تھا تبھی ایک جھٹکے سے اٹھا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

''امی! کیوں کیا آپ نے ایسا؟ ذرشا بھابی اور بھائی کتنے اچھے ہیں آپ نے بھائی کے ساتھ کیسا سلوک کیا اور وہ پھر بھی ہمیں ساتھ ساتھ رکھتے ہیں کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دی' آپ کیوں یہ سہارا ہم سے چھیننا چاہتی ہیں فوزیہ خالہ نے کبھی مشکل میں ہماری مدد نہیں کی اور آپ پھر بھی ان کے پیچھے اپنی اور ہماری زندگیاں برباد کرنے پر تلی ہوئی ہیں امی بھائی کو منالیں وہ آپ کے کچھ نہ سہی مگر ہمارے سب کچھ ہیں''۔ عرشیہ روتے ہوئے بولی جبکہ آج سکینہ بیگم جواب میں خاموش تھیں۔

☆

ذرشا کی صحت آہستہ آہستہ بہتر ہو رہی تھی' تہمینہ بیگم اور ذرشا نے اسے ہاتھ کا چھالا بنا کر رکھا' ضیاء صاحب کے منع کرنے پر انہوں نے سکینہ بیگم سے کوئی وضاحت نہ مانگی' وہ وادی کو مزید شرمندہ نہیں کرنا چاہتے تھے' وہ بے چارا تو ذرشا کو چھوڑ کے جانے کے بعد دوبارہ آیا ہی نہیں تھا' ایک ماہ گزر گیا تو ضیاء صاحب حقیقتاً پریشان ہوئے' انہوں نے وادی کو فون کر کے بلوایا تو وہ شام کو چلا آیا سامنے ہی ذرشا اور ذرنش لان میں بیٹھی چائے پی رہی تھیں۔

''اسلام علیکم وادی بھائی''۔ ذرنش نے ہی اسے مخاطب کیا تو جواباً وہ نظریں ملائے بغیر اندر کی جانب بڑھ گیا جہاں ضیاء صاحب اپنی لائبریری میں موجود تھے۔

''برخوردار کہاں ہو آج کل''۔ ضیاء صاحب خوشگوار لہجے میں بولے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

''آئی ایم سوری بابا میں ذری کا خیال نہ رکھ سکا اپنا وعدہ پورا نہ کر سکا''۔ وہ ان کے قدموں میں آبیٹھا اور اپنا سر ان کے گھٹنوں پر رکھ دیا۔

''تمہاری کوئی غلطی نہیں وادی! مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں' تم میرے بیٹے ہو اور مجھے بہت پیارے ہو''۔ وہ اس کا سر تھپتھپاتے ہوئے بولے۔

''مگر میری وجہ سے آپ کو تکلیف تو ہوئی ناں''۔ وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

''تمہاری وجہ سے نہیں''۔ انہوں نے فوراً ٹوکا۔

''لیکن میں شرمندہ ہوں''۔ وادی پھر بولا۔

''یار! اب تم مجھے شرمندہ کر رہے ہو''۔ ضیاء صاحب شگفتگی سے بولے۔

''میری بیٹی سے کس خوشی میں ناراض ہو تم......؟'' ضیاء صاحب' ذرشا کو کمرے میں داخل ہوتا دیکھ کر بولے تو وہ بھی دروازے کی آواز سن کر چونکا۔

''میں کیوں ناراض ہونے لگا' ناراض تو ذری کو ہونا چاہئے''۔ وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

''بابا! آپ کہہ دیں ان سے...... میں ناراض نہیں ہوں اور یہ بار بار مجھ سے معافی نہ مانگیں''۔ ذری نے ضیاء صاحب کو بتایا کیونکہ وہ کئی بار اس سے معافی مانگ چکا تھا۔

''اچھا اس بات کو اب جانے دو تم کب چل رہی ہو''۔ وادی فوراً بولا مبادا پھر نہ ضیاء صاحب سے ڈانٹ پڑ جائے۔

''جب آپ کہیں''۔ ذرشا نے ضیاء صاحب کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''بابا! میں ذرشا کو لے جاؤں......؟'' وادی نے اجازت چاہی۔

''اس کی امی کو بتا دینا''۔ ضیاء صاحب نے اجازت دیتے ہوئے کہا تو وہ دونوں مسکرا دیئے تہمینہ بیگم نے نہ چاہتے ہوئے بھی اجازت دے دی۔

☆

''مومن...... مومن......'' وہ اس پکار پر بے اختیار پلٹا۔ ارحم بھاگتے ہوئے اس تک پہنچا اور وہ دونوں بغل گیر ہو گئے۔

''کہاں تھا تو......؟ کتنا ڈھونڈا تجھے...... جانتا ہے تیرے گھر والے کتنا پریشان ہیں''۔ وہ پھولی سانسوں کے درمیان بولا۔

''ہونہہ...... اگر پریشان ہوتے تو مجھے ڈھونڈ نکالتے' اسی زمین پر تھا میں' مگر پاپا وہ میری شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتے تھے''۔ وہ غصے سے بولا۔

''غلط سوچتا ہے تو' سب نے تجھے ڈھونڈا' وادی بھائی کو تو جانتا ہے ناں وہ تو پولیس میں رپورٹ درج کروانے والے تھے مگر تیرے تایا نے روک دیا کیونکہ تجھے کسی نے اغواء نہیں کیا تھا بلکہ تجھے گھر سے نکالا گیا تھا''۔ ارحم نا چاہتے ہوئے بھی سچ بول گیا' وہ دونوں ایک پارک میں چلے آئے۔

''تو جانتا ہے پاپا نے مجھے کیا کہا تھا''۔ مومن نے ارحم سے پوچھا تو اس نے سر نفی میں ہلا دیا۔

''انہوں نے کہا میں نے تو اپنے نام کا بھی پاس نہیں رکھا اور جانتا ہے میں نے ان کی ہر بات کو سچ کر دکھایا ہر

بات کو......'' لہورنگ آنکھیں آنسوؤں سے چمکنے لگیں ارحم نے اچنبھے سے اسے دیکھا وہ بالکل بھی نہ سمجھا تھا اُتنے میں مومن کا سیل بول اٹھا' دوسری طرف نجانے کیا کہا گیا کہ وہ جانے کے لئے فوراً اٹھا۔

''ارحم! یہ میرا ایڈریس ہے فی الحال جانا ضروری ہے' تم سے بعد میں ملاقات ہوگی''۔ وہ تیزی سے کہتے یہ جا وہ جا' ارحم نے ایڈریس پاکٹ میں ڈالا اور خود کسی گہری سوچ میں مبتلا ہوگیا' مومن بہت بدل چکا تھا' اس ایک سال کے اندر اس میں بہت سی تبدیلیاں آچکی تھیں یہ ارحم نے مومن سے پہلی ملاقات میں جانا تھا' ارحم نے اس کے گھر اطلاع دے دی تو گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی زرنش نے مسرور سے انداز میں چاچو کو دیکھا مگر وہاں جامد خاموشی تھی۔

''چاچو! آپ خوش نہیں ہیں''۔ زرنش ان کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولی۔

''ہوں......'' وہ کسی گہری سوچ سے باہر آئے اور اپنا ہاتھ تسلی بھرے انداز میں اس کے سر پر رکھا زرنش کی آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھر آئیں۔

''چاچو! آپ اس کو آنے دیں جو وہ کہتا ہے وہ مان لیں اب اسے جانے مت دیجئے گا''۔ وہ گلوگیر لہجے میں بولی' منصور صاحب نے حیرت سے زرنش کو دیکھا اور پھر جیسے انہیں سب کچھ سمجھ میں آ گیا' باسط سے شادی سے انکار کی وجہ اب سمجھ آئی تھی وہ اس کا سر تھپتھپاتے باہر کی طرف چل دیئے اور بیگم کو اجازت دی کہ وہ مومن کو بلالیں اور ساتھ ہی اپنی شرط سے بھی آگاہ کردیا' مسز منصور کے لئے غنیمت تھا کہ وہ مومن کو بلانے پر راضی ہوگئے ہیں وہ خوشی خوشی ارحم کو فون کرنے چل دیں' ارحم نے جب اسے یہ خوشخبری سنائی کہ منصور صاحب نے اسے گھر آنے کی اجازت دے دی ہے تو وہ پہلے تو حیران ہوا مگر پھر جانے سے انکار کردیا۔

''مگر کیوں جب انکل بھی اجازت دے رہے ہیں تو تم کیوں ضد پر آ گئے ہو''۔ ارحم نے اسے سمجھانا چاہا۔

''میں بہت برا ہوں' اتنا برا ہوں کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے لوگ اپنی محبت کے لئے کیا نہیں کرتے' محبت نہ ملے تو دنیا سے ناطہ توڑ لیتے ہیں' پاگل دیوانے بن جاتے ہیں' اور میں نے کیا کیا' آج خود سے بھی نظریں ملانے کے قابل نہیں رہا سب کچھ ختم کردیا' دنیا کی رنگینیوں میں اتنا کھو گیا کہ ڈھونڈے سے بھی اپنا وجود نہیں ملتا' تو محبت کیسے ملتی' سب کچھ کھو دیا' اپنے اور اس کے درمیان اتنے فاصلے' اتنی دوریاں پیدا کردیں کہ فاصلے مٹانا بھی چاہوں تو نہیں مٹا سکتا' میں ایک قدم اس کی طرف بڑھاتا ہوں تو وہ دس قدم دور نظر آتی ہے خود کو ایک پستی میں محسوس کرتا ہوں اور وہ مجھے ایک بلندی پر نظر آتی ہے اس تک پہنچنا بہت کٹھن لگتا ہے اس کو پانا چاہا تھا اور جب وہ نہ ملی تو خود کو ہی سزا دے ڈالی خود کو ہی کھو دیا' جب میں اپنا نہیں رہا تو اس کا کیسے ہوجاتا کیسے......؟'' وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر سسک پڑا' ارحم نے اسے دلاسہ دیا اسے سمجھایا۔

''پاپا میرے بیٹے کو قبول کرلیں گے''؟ مومن نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

''کیوں نہیں کریں گے وہ تمہاری اولاد ہے''۔ ارحم متانت سے بولا تو وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں اسے دیکھتا گیا۔

☆

سال بھر سے بھی زیادہ عرصہ گزر چکا تھا کہ اس نے اس گھر میں قدم نہیں رکھا تھا آج جب وہ لوٹا تو اس کے ساتھ اس کا تین ماہ کا بیٹا بھی تھا اس کی ماں اسے پیدا ہوتے ہی چھوڑ گئی وہ ایک طوائف زادی تھی' اور اسے بیٹے سے زیادہ بیٹی کی خواہش تھی' جبھی بیٹے کی پیدائش پر اس نے مومن سے طلاق لے لی' جس مقصد کے لئے اس

نے مومن سے شادی کی تھی وہ تو کب کا پورا ہوچکا تھا مگر مومن خود ایک ایسی دلدل میں پھنس چکا تھا جس سے نکلنا بہت دشوار تھا کلب شراب کا وہ اس قدر عادی ہوچکا تھا کہ جب بھی کبھی ضمیر کی عدالت میں کھڑا ہوتا تو خود سے بھی نظریں نہ ملا سکتا۔

☆

اب جب وہ گھر لوٹا تھا تو اپنی ماں کے آنسوؤں' التجاؤں اور ارحم جیسے اچھے دوست کے بے حد اصرار پر لوٹا تھا' وگرنہ وہ شاید کبھی نہ آتا' ماں سے امی نے کچھ نہ چھپایا تھا' وہ تو دل تھام کر رہ گئیں مگر بیٹے پر گزری شوہر کو نہ بتا سکیں' وہ تو شاید اسے پھر سے گھر سے بے دخل کردیتے' مومن سوائے تلخ یادوں کے سب کچھ پیچھے ہی چھوڑ آیا تھا' اب تو صرف خود کو بدلنے کی کوشش کررہا تھا' ماں نے جب اسے باپ کی شرط کا بتایا تو وہ بیٹھے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''ماما! اب ایسا ممکن نہیں''۔ وہ یہ کہہ کر اپنے کمرے میں چلا آیا اس کا زخم پھر سے چمک اٹھا تھا وہ خاموشی سے اپنے بیڈ پر نیم دراز ہوگیا' اس گزرے سال میں کیا کچھ نہ بیتا تھا' گرم سیال مادہ اس کی آنکھوں سے بہہ نکلا اتنے میں دروازے پر ناک ہوئی وہ آنکھیں صاف کرتا اٹھ بیٹھا۔

''مومن! تمہارے پاپا بلا رہے ہیں مل لو ان سے''۔ ماما کمرے میں داخل ہوئیں تو وہ ان کی بات سن کر چونک گیا۔

''اوکے......میں آتا ہوں''۔ ایک بار تو ان کا سامنا کرنا ہی تھا وہ گہرا سانس بھرتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''اسلام علیکم پاپا''۔ وہ ان کے روم میں داخل ہوتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولا۔

''تم جہاں سے لوٹے ہو میں وہاں کے بارے میں کچھ نہیں پوچھوں گا مگر اس گھر میں رہنے کی ایک شرط ہے اور وہ یقیناً تمہاری ماں تمہیں بتا چکی ہوگی مگر میں پھر بھی دہرانا چاہوں گا کیونکہ تمہیں ایک بار کا کہا کبھی سمجھ میں نہیں آیا''۔ وہ لب بھینچے کھڑا رہا۔

''ایک ہفتے بعد تمہاری شادی زرنش سے طے ہے' جس کی کبھی تم نے خواہش کی تھی اگر آج وہ خواہش نہیں بھی رہی تو بھی شادی ہر حال تمہیں کرنی ہے وہ بچی ضیاء بھائی نے صرف میرے کہنے پر تمہارے انتظار میں بٹھا رکھی ہے' انہیں تم سے بہت سی امیدیں ہیں مگر افسوس مجھے افسوس ہے وہ تمہارے قابل نہیں' مگر محبت یہ سب کہاں دیکھتی ہے''۔ وہ مبہم سے انداز میں بولے وہ چونکا ضرور تھا مگر ہمیشہ کی طرح بولنے سے باز نہ رہا۔

''پاپا! جب میں چاہتا تھا تب آپ نہ مانے اور آج جب میرے پاس کچھ نہیں ہے تو آپ محبتوں کو درمیان میں لے آئے' تب آپ میری محبت کو نہ سمجھ سکے میری خواہش کو رد کردیا' آپ اگر میری بات مان لیتے تو یہ سب کچھ نہ ہوتا' جب آپ نے مجھے گھر سے نکالا میں اس وقت بے قصور تھا' مگر کل اور آج میں بہت فرق ہے میں زرنش سے شادی نہیں کرسکتا اور رہی بات اس گھر میں رہنے کی تو میں یہاں نہیں رہوں گا''۔ بیگم منصور مومن کے پیچھے لپکیں مگر وہ جا چکا تھا۔

''چھوڑیں ضد اپنی! اگر وہ شادی نہیں کرنا چاہتا تو مت مجبور کریں اسے میں اب اسے یہاں سے جانے نہیں دوں گی''۔ وہ روتے ہوئے بولیں۔

''تو ٹھیک ہے تم رہو اس کے ساتھ' میں خود یہاں سے چلا جاؤں گا''۔ وہ یہ کہہ کر گھر سے ہی نکل گئے' زرنش نے فوراً رشا کو اطلاع دی۔

''تم تو بالکل ہی پاگل ہو' چاچو ادھر ہماری طرف آئے ہیں' وادی گھر سے نکل رہے تھے تو چاچو سے ملاقات

ہوئی‘‘۔ ذرشا کے جواب نے اسے مطمئن کر دیا۔

’’ذری! یہ سب کیسے ہو گیا......؟ وہ تو بالکل بدل گیا ہے نگاہ اٹھا کر اس نے نہیں دیکھا‘‘۔ ذرنش افسردگی سے بولی۔

’’تم فکر مت کرو، میں اور وادی سمجھائیں گے اسے‘‘۔ ذرشا اسے تسلی دیتے ہوئے بولی تو اس نے بھی فون رکھ دیا۔

☆

’’مومن! مان جاؤ بیٹا‘‘۔ ماریہ بیگم ننھے زیاد کو چپ کرواتے ہوئے بولیں۔

’’ماما! آج بھی پاپا مجھے ہی غلط سمجھتے ہیں نہ انہوں نے حقیقت جاننی چاہی، میری غلطیوں کی ایک فہرست ہے جو انہوں نے سنبھال کر رکھی ہے، اور ہر بار اس میں اضافہ کرتے رہتے ہیں‘‘۔ مومن شکستگی سے بولا۔

’’میں انہیں بتا دوں سب کچھ جو تم پر بیتی‘‘۔ ماریہ بیگم نے اس سے پوچھا۔

’’ماما! کیا انہیں مجھ پر اتنا بھی یقین نہیں، کم از کم ایک بار تو انہیں احساس ہو وہ مجھ سے پوچھیں مجھ پر کیا بیتی‘‘۔ مومن نے انہیں روک دیا۔

’’مومن! تمہیں اپنے بیٹے کے لئے ایک ماں کی ضرورت ہے تمہیں شادی تو کرنی ہی ہے تو ذرنش سے کیوں نہیں‘‘۔ ماریہ بیگم نے سوال کیا۔

’’ماما! یہ ذرنش کے ساتھ ناانصافی ہو گی‘‘۔ اس نے پل بھر کو سوچا۔

’’اسلام علیکم چچی......‘‘ ذرشا اور وادی نے بھرپور انداز میں سلام کیا وہ دونوں پرتپاک انداز میں مومن سے ملے ماریہ چچی چائے کا کہنے کچن میں چلی آئیں کچھ ہی دیر میں وادی نے مومن سے شادی کا ٹاپک چھیڑ دیا۔

’’پلیز وادی بھائی! مجھے مجبور مت کریں‘‘۔ مومن سنجیدگی سے بولا۔

’’دیکھو مومن! مجبور تم نہیں ہو مجبور تو بابا ہیں‘‘۔ وادی نے حقیقت بتانی مناسب سمجھی۔

’’میں کچھ سمجھا نہیں‘‘۔ مومن نے لاتعلق سی بیٹھی ذرشا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

’’شاید تم نہیں جانتے کہ تمہارے گھر آنے کی اطلاع ملتے ہی منصور چاچو نے بابا کو شادی کی ڈیٹ بتا دی تھی جس کے تحت تمام رشتہ داروں کو پہلے سے ہی دعوت نامے بھیج دیئے گئے تھے اور ذرنش نے تمہارے پیچھے کئی اچھے گھرانوں کے رشتے ٹھکرا دیئے، منصور چاچو اسی لئے تم سے ناراض ہو گئے ہیں کہ تمہارے انکار کی وجہ سے ذرنش اور بابا کی کتنی انسلٹ ہو گی، میں مزید کچھ نہیں کہہ سکتا، چلو ذری!‘‘ وادی اٹھتے ہوئے بولا۔

’’ٹھیک ہے بھائی! مجھے منظور ہے‘‘۔ مومن تھکے تھکے لہجے میں بولا، مگر وادی اور ذرشا خوشی سے چہک اٹھے۔ وادی بے ساختہ مومن سے بغل گیر ہوا، ذرشا نے وادی کی جانب وکٹری کا نشان دکھایا، پل بھر میں یہ خبر سارے گھر میں پھیل گئی، ذرنش کو تو جیسے یقین ہی نہ آیا، مومن تو اس کے بعد اپنے کمرے میں ہی بند ہو گیا۔

☆

رات کے اس سناٹے میں جب اس گھر میں بھی سب خاموشی کی چادر اوڑھے سو رہے تھے اس نے قدم رکھا، بائیک وہ پہلے ہی بند کر چکا تھا اور اب گھسیٹتا ہوا پورچ تک لایا تا کہ کسی کی آواز سے آنکھ نہ کھلے، اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے شکر کا سانس لیا کہ راستے میں کسی شخص سے ٹکراؤ نہیں ہوا تھا وہ اطمینان سے اپنے کمرے کی الماری کی جانب بڑھا کہ اتنے میں اس کے کمرے کا دروازہ دھڑ کی آواز سے کھلا، وہ بے اختیار مڑا تو سامنے کھڑی شخصیت

نے اس کے چودہ طبق روشن کر دیئے۔

’’تم......؟‘‘ اس کے لبوں سے آواز نکلی۔

’’کہاں تھے تم سارا دن......؟‘‘ زرد سوٹ میں وہ گیندے کے پھولوں کا زیور پہنے اس سارے ماحول پر چھا گئی، مہندی کی خوشبو سارے کمرے میں پھیل سی گئی، مومن نے ایک گہرا سانس لیا جسے خود ریلیکس ہو وہ آج مہندی کی تقریب سے غائب تھا۔

’’میں کچھ پوچھ رہی ہوں تم سے......؟‘‘ سوال پھر کیا گیا۔

’’میرے ہونے نہ ہونے سے تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا شاید یہ تم نے ہی کہا تھا‘‘۔ مومن نے اسی کی بات یاد دلائی تو ذرنش کو بے اختیار رونا آ گیا۔

’’مگر میرے باپ کو فرق پڑتا ہے میرے چاچو کو فرق پڑتا ہے‘‘۔ وہ تھکے تھکے لہجے میں بولی۔

’’انہی کے حکم کے مطابق تو سب کچھ ہو رہا ہے‘‘۔ مومن کی کہی بات اس کے دل میں تیر کی طرح لگی۔

’’کیا چاہتے ہو تم......؟‘‘ ڈبڈباتی آنکھوں سے اس نے پوچھا۔ مومن نے آنسوؤں سے بھرے نین کٹوروں سے بمشکل نگاہیں چرائیں۔

’’اب چاہنے نہ چاہنے کا کوئی فائدہ نہیں، ہو تو وہی کچھ رہا ہے جو وہ چاہتے ہیں اب تم جاؤ اس سے پہلے کہ کوئی تمہیں میرے کمرے میں دیکھے اور ایک نئی کہانی بن جائے‘‘۔ وہ اسے حیران کرنے پر تلا ہوا تھا، وہ مزید وہاں نہیں رکی، مومن نے اسے جاتے دیکھ کر بے اختیار گہرا سانس بھرا، اور کپڑے بدل کر سونے کی کوشش کرنے لگا مگر صبح تک نیند نہ آئی۔

☆

صبح ہوتے ہی وہ ماما کے کمرے میں چلا آیا، پاپا لان میں تھے زیاد ماما کے کمرے میں ہی تھا۔

’’اسلام علیکم ماما!‘‘ اس نے ماما کو سلام کیا جو نماز کے بعد اب تسبیح پڑھ رہی تھیں۔

’’تم کل رات کہاں تھے......؟‘‘ ماما نے پوچھا۔

’’رات آ گیا تھا‘‘۔ وہ زیاد کے پاس ہی لیٹ گیا۔

’’جب سب کچھ تمہاری مرضی سے ہو رہا ہے تو پھر کیا مسئلہ ہے کیوں کل مہندی کی رات تم گھر میں نہیں تھے‘‘۔ انہوں نے پوچھا۔

’’ماما! یہ سب میری مرضی سے نہیں ہو رہا آپ کے میاں صاحب کی مرضی سے ہو رہا ہے‘‘۔ وہ ناگواری سے بولا۔

’’اب ماں سے بھی جھوٹ بولے گا‘‘۔ وہ اس کے پاس ہی آ کر بیٹھ گئیں۔

’’ماما! نجانے کیوں مجھے یہ سب صحیح نہیں لگ رہا مجھے لگ رہا ہے کہ پاپا ذرنش کے ساتھ اچھا نہیں کر رہے‘‘۔ وہ ان کی گود میں سر رکھتے ہوئے بولا ماما نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

’’ذرنش اس شادی سے راضی ہے، تم فکر مت کرو‘‘۔ انہوں نے اسے بتایا۔

’’اچھا اب تم آرام کرو، میں دو گھنٹے تک جگا دوں گی ٹھیک ہے‘‘۔ انہوں نے تائید چاہی تو اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

’’ذرنش بی بی دیکھتے ہیں تم حقیقت جان لو گی تو کتنا حوصلہ کرو گی‘‘۔ یونہی سوچتے سوچتے وہ گہری نیند سو گیا۔ اس

کی آنکھ زیاد کے رونے پر کھلی' زیاد کے رونے کی آواز سن کر اماں بھی چلی آئیں۔

''اسے تم مجھے دے دو اور تمہارے کپڑے میں تمہارے کمرے میں رکھ آتی ہوں تم تیار ہو جاؤ''۔ انہوں نے زیاد کو اس کے بازوؤں میں سے لے لیا تو وہ دروازے کی سمت بڑھا۔

''دلہن پارلر سے تیار ہو کر آ چکی ہے تم تیاری میں دیر مت لگانا''۔ اپنے پیچھے اسے ماما کی آواز سنائی دی۔

''آپ کہیں تو میں اسی حلئے میں چلنے کو تیار ہوں''۔ اس نے اپنے سلوٹ زدہ کپڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''اتنی جلدی ہے''۔ ماما مسکراتے ہوئے بولیں تو وہ ان کے انداز پر چڑ سا گیا۔

نکاح کے بعد چہرے پر بلا کی سنجیدگی سجائے اسے مومن کے پہلو میں بٹھا دیا گیا وہ نامحسوس انداز میں اسے گھورے گیا۔ زرنش دل ہی دل میں مسکرائی آخر اتنا تو حق بنتا تھا اس کا' زرنش نے پوری ایمانداری سے اس کے رویئے کو حق بجانب سمجھا۔

◈............☆............◈

مومن کے آنے سے پہلے وہ ایک آرام دہ سوٹ میں ملبوس صوفے پر بیٹھ گئی اور ایک میگزین کی ورق گردانی شروع کر دی' مومن جب کمرے میں داخل ہوا تو اس کے انداز دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ جو یہ سوچ کر آیا تھا کہ ایک مشرقی لڑکی کی طرح وہ اس کا انتظار کر رہی ہو گی اور وہ اسے بھرپور طریقے سے نظر انداز کر دے گا۔ مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹ ہو چکا تھا اس نے غصے سے لب بھینچے۔

''میں جانتی تھی تم نے دیکھنا تو درکنار یہ تک بھول جانا ہے کہ کسی کو اپنا نام دے کر اپنا بنایا ہے اور اپنی زندگی میں کسی کو شامل کر لیا ہے اسی لئے تمہارے کہنے سے پہلے ہی تمہاری باتوں پر عمل کر لیا اب آگے حکم کرو کہ کہاں جاؤں''۔ وہ بے خوفی سے بولی۔

''اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ یہ ڈرامہ کرنے سے تم میرے قریب آ جاؤ گی تو یہ تمہاری بھول ہے''۔ مومن کے الفاظ نے تو گویا اس کے منہ پر طمانچہ ہی مار دیا تھا' وہ کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئی اور پھر بڑے دھڑلے سے بیڈ پر براجمان ہو گئی اور سر تک کمبل اوڑھ لیا مومن سیٹی پر کوئی دھن بجاتا ڈریسنگ روم کی جانب بڑھا زرنش نے کمبل ہٹا کر اس کا انداز ملاحظہ کیا۔

''چیپ' فضول' بے ہودہ''۔ وہ زیر لب بڑبڑائی اور خود کو کوستے کوستے نجانے کب خوابوں کی دنیا میں جا پہنچی۔

◈............☆............◈

ولیمے کے بعد زرنش نے فوراً گھر کی بالخصوص کچن کی ذمہ داری سنبھال لی آفس جانا اس نے چھوڑ دیا تھا کیونکہ اب مومن ریگولر آفس جاتا تھا۔ صبح جب مومن کی آنکھ کھلی تو زرنش کمرے سے غائب تھی اور اس کے پہلو میں زیاد سو رہا تھا اس نے محبت سے اس کی پیشانی چومی اور اٹھ گیا۔

ناشتے کی میز پر ماما موجود تھیں وہ بھی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا زرنش کہیں موجود نہیں تھی۔

''زرنش! اب آ جاؤ بیٹا' تم بھی ناشتہ کر لو آج چوتھا دن ہے تمہاری شادی کا اور تم کچن میں مصروف ہو گئی ہو''۔ ماریہ بیگم کا لہجہ بھی بیٹے کی واپسی سے ٹھیک ہو ہی گیا تھا' زرنش کچن سے برآمد ہوئی' مہندی اور پر پل کلر کے سوٹ میں اس کی سج دھج ہی نرالی تھی' مومن نے حتی الامکان کوشش کی کہ اسے نظر انداز کر دے جس میں وہ بڑی مشکل سے کامیاب ہوا۔

''میں ذرا تمہارے پاپا کو دیکھوں' آج نجانے اٹھنے میں کیوں دیر کر دی''۔ زرنش نے چچی کے جاتے ہی دزدیدہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔ بلیک پینٹ اور بلیک ہی شرٹ میں وہ تک سک سا تیار ناشتے میں مصروف تھا اور ساری توجہ اخبار پر تھی اتنے میں زیاد کے رونے کی آواز آئی تو وہ بریڈ واپس رکھ کر کمرے کی طرف چلی آئی مومن نے چونک کر اسے دیکھا تھوڑی ہی دیر میں زیاد کے رونے کی آواز آنا بند ہو گئی' وہ جب اپنا بریف کیس اٹھائے کمرے میں آیا تو وہ زیاد کو اٹھائے کندھے سے لگائے سلا رہی تھی۔

''کتنے روپ ہیں اس لڑکی کے''۔ وہ دل ہی دل میں سوچتا باہر آ گیا' ماما نے اسے منصور صاحب کی خرابی طبیعت کا بتایا تو وہ خاموش سا ہو گیا۔

''پوچھ رہے تھے تمہارا' ان سے مل کر چلے جاؤ''۔ وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولیں۔

''کیوں......'' وہ ناگواری سے بولا۔

''بیٹا! کیوں کر رہے ہو ایسا' سب کچھ بھول جاؤ' انہوں نے جو کچھ کہا تمہاری بہتری کے لئے کہا''۔ ماما نے اسے سمجھانا چاہا۔

''ان کی وجہ سے سب کا اعتماد اٹھ گیا مجھ پر سے' ہر کوئی مجھے قصور وار سمجھتا ہے آج میں زرنش کے سامنے آنکھ اٹھا کر بات نہیں کر سکتا نجانے اس کو کیا میرے متعلق بتاتے رہے ہیں تبھی تو ایک بار بھی اس نے مجھ سے حقیقت نہیں پوچھی کیونکہ اس کے لئے تو وہی سچ ہے جو اس کے چاچو نے اس کو بتایا''۔ وہ یہ کہتے ہوئے اپنی گاڑی میں آ بیٹھا ماما نے تاسف سے اسے دیکھا اور پھر اندر کی جانب بڑھ گئیں' زرنش انہیں اندر آتا دیکھ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھی' مومن کی باتوں سے اسے اپنی غلطی کا احساس شدت سے ہوا' کوئی راز تو ابھی بھی پوشیدہ تھا' جس کے بارے میں شاید منصور چاچو بھی نہیں جانتے تھے۔

◈............☆............◈

زرشا کی ساس کے تیور اب کافی بہتر ہو چکے تھے انہیں اپنی غلطیوں کا بھی احساس شدت سے ہو چکا تھا مگر کچھ دنوں سے زرنش کو ماریہ بیگم کا انداز کافی بدلا بدلا لگ رہا تھا۔

''چچی! لائیں میں استری کر دیتی ہوں''۔ اس نے ماریہ بیگم کو کپڑے استری کے لئے لے جاتے دیکھا تو کہا۔

''رہنے دو بی بی! میں خود ہی کچھ نہ کچھ کر لوں گی''۔ وہ سنجیدگی سے کہتی اپنے کمرے کی جانب بڑھیں زرنش کو وہ پچھلے چند روز سے کچھ اکھڑی اکھڑی سی لگیں' ادھر بیٹے کے مزاج نہیں مل رہے تھے اور یہاں والدہ صاحبہ...... وہ سوچ میں پڑ گئی' شام کو مومن آیا تو اسے بھی ماما کا موڈ کچھ آف لگا اس نے زرنش ہی سے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''ماما! خیریت تو ہے......؟'' اس نے ماما سے ہی پوچھا۔

''میں نے سوچا تھا میرے بیٹے کی شادی ہو جائے گی تو میرے بیٹے کی زندگی میں خوشیاں آئیں گی مگر......'' ماما نے زرنش کو دیکھ کر خاموشی اختیار کر لی اس نے دونوں کے چائے کے کپ ٹیبل پر رکھے مومن نے حیرت سے دونوں کو دیکھا۔

''ماما! یہ کیا بات ہوئی بھلا' شادی کر تو لی ہے''۔ وہ سنجیدگی سے بولا۔

''اور آپ آج کیسی باتیں کر رہی ہیں زیاد کو سنبھالا ہوا ہے اس نے' گھر کو اچھے طریقے سے دیکھ رہی ہے اور کیا چاہئے''۔ زرنش نے اس کی بات سنی تو اس کی آنکھیں دکھ سے بھر آئیں اپنی قدر و قیمت کا اس کو اب اندازہ ہوا تھا۔

☆

وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا تو زرنش اسے دیکھ کر چیخ اٹھی' مومن نے حیرت سے اسے دیکھا جس کی آنکھیں رو رو کر سوخ ہو چکی تھیں۔

''آپ خود کو سمجھتے کیا ہیں کہیں کے پرنس ہیں اور میں آپ کی کنیز ہوں جو ہر وقت ہاتھ باندھے جی حضور جی حضور کرتی رہوں گی تو یہ بھول ہے آپ کی۔ ایک کو تو بھگتا چکے اب مجھے کب فارغ کریں گے''۔ وہ جو اس کے اتنے ہنگامے کے باوجود خاموش تھا اب کی بار برداشت نہ کر سکا۔

''شٹ اپ...... جسٹ شٹ اپ......اب اگر کوئی مزید بکواس کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا''۔ وہ اسے وارن کرتا کمرے سے باہر چلا گیا۔

''آپ سے برا کوئی ہو بھی نہیں سکتا''۔ اپنے پیچھے اسے زرنش کی آواز سنائی دی' وہ ان سنی کرتا آگے بڑھ گیا۔

جس وقت وہ دوبارہ کمرے میں آیا تو وہ زیاد سمیت کمرے سے غائب تھی اس نے ماما سے بھی پوچھا مگر انہوں نے لاعلمی ظاہر کی وہ کچھ سوچ کر خاموش ہو گیا۔

☆

''مومن! تمہارے پاپا کی طبیعت بہت خراب ہو رہی ہے''۔ ماریہ بیگم نے بے ربط لہجے میں بتایا تو مومن بھی گھبرا گیا' فوراً ان کے ساتھ ان کے کمرے کی جانب بڑھا' اور پھر تیزی سے ان کو اٹھا کر گاڑی میں ڈالا اور ہاسپٹل لے آیا ڈاکٹروں کے مطابق ہارٹ اٹیک ہوا تھا' ماریہ بیگم نے رو رو کر برا حال کیا ہوا تھا۔

''ماما! حوصلہ کریں کچھ نہیں ہوگا پاپا کو''۔ وہ انہیں دلاسہ دیتے ہوئے بولا۔

''ماما! کیا پاپا کو پہلے بھی کبھی ایسا ہوا ہے''۔ مومن نے ماریہ بیگم سے پوچھا تو انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''تو آج اس طرح اچانک کیا ہوا تھا''۔ مومن نے پوچھا۔

''میں نے آج انہیں ساری حقیقت بتا دی' میں مزید تم باپ بیٹے میں دوری نہیں دیکھ سکتی تھی' مجھے کیا پتہ تھا کہ یہ سب ہو جائے گا''۔ مومن نے ان کی بات سن کر اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا اتنے میں ڈاکٹر نے ان کی حالت خطرے سے باہر بتائی تو ان کی جان میں جان آئی۔

مومن نے جیسے ہی کمرے میں قدم رکھا تو منصور صاحب سے اس کی نگاہیں ملیں تو مومن شرمندہ سا ہو گیا۔

''مومن! میرے بیٹے مجھے معاف کر دو' میں نے تمہاری ایک نہیں سنی' تم سے حقیقت معلوم نہیں کی''۔ وہ گلوگیر لہجے میں بولے تو مومن بے اختیار آگے بڑھا۔

''پاپا! مجھے شرمندہ نہ کریں غلطیاں مجھ سے بھی ہوئی ہیں میں نے بھی کافی تنگ کیا ہے آپ کو' بہت نالائق بیٹا ہوں آپ کا مجھے معاف کر دیں''۔ وہ ان کے سینے پر سر رکھے سسک پڑا تو منصور صاحب نے پیار سے اس کا سر تھپتھپایا۔

''زرنش نہیں آئی تمہارے ساتھ......؟'' انہوں نے پوچھا تو ماریہ بیگم نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''اس بچی کو کچھ مت کہنا اس نے تمہارے جانے کے بعد ہمارا بہت خیال رکھا''۔ وہ اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولے تو اس نے سر جھکا دیا' کل کا اپنا شدید رویہ یاد آیا تو ندامت سی ہوئی' منصور صاحب کو دو دن کے بعد گھر جانے کی اجازت مل گئی تو وہ انہیں گھر لے آیا۔

''ماما! زیاد کہاں ہے......؟'' اس نے صرف بیٹے کا پوچھا۔

''کل شام سے وہ اپنے گھر گئی ہوئی ہے شاید''۔ ماریہ بیگم' منصور صاحب کے لئے جوس بناتے ہوئے بولیں۔

''تایا ابو کے گھر پر ہی ہیں......؟'' اس نے معلومات چاہی کیونکہ اب اس دشمن جاں کو منانا بہت ضروری ہو گیا تھا۔

''نہیں وہ شاید وادی کے گھر گئے ہیں سب' کل رات اس کے ہاں بیٹا ہوا ہے''۔ ماریہ بیگم نے خوشی سے بتایا۔

''آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں یہ خوشی کی خبر سنائی''۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''مجھے تو خود ابھی تہمینہ باجی کا فون آیا تھا تو انہوں نے بتایا''۔ ماریہ بیگم پھر سے کام میں مصروف ہو گئیں۔

وہ کچھ سوچتا لان کا درمیانی گیٹ کھولتے ضیاء ہاؤس میں داخل ہوا' پورچ میں کوئی گاڑی کھڑی نہ تھی اس نے شکر بھرا سانس لیا اور سیدھا اس کے کمرے کی طرف بڑھا' وہ بڑے موڈ میں اپنی وارڈ روب کھولے کھڑی تھی پونی میں جکڑے بال آج پشت پر لہرا رہے تھے' اس نے دروازے کی سمت دیکھا تو حیران رہ گئی' مومن اندر آیا اور ساتھ ہی دروازہ بھی بند کر دیا وہ گھبرا سی گئی۔

''آپ یہاں کیا کر رہے ہیں......؟'' اس کے منہ سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے۔

''تم میرے ساتھ چل رہی ہو......؟'' مومن اس سے ایک قدم کے فاصلے پر رکا تھا اس نے سر جھکا لیا۔

''ناراض ہو کر آئی ہو''۔ آج پہلی بار مومن نے اس کا ہاتھ تھاما تھا وہ اس شخص کے سامنے رو دینے کو تھی۔

''مجھے معاف کر دو مومن! میں نے تمہارا اعتبار نہیں کیا تم نے اس عورت سے شادی صرف میری عزت بچانے کے لئے کی اور میں نجانے کیا کچھ سمجھتی رہی''۔ وہ روتے ہوئے بولی۔

''تمہیں یہ سب کس نے بتایا......؟'' اب کہ حیران ہونے کی باری مومن کی تھی۔ جو بات وہ اس سے چھپانا چاہ رہا تھا وہی بات اسے پتہ چل چکی تھی۔

''ارحم نے سب بتا دیا ہے مجھے''۔ زرنش اپنی ہتھیلی سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے بولی اتنی جلدی زرنش مان جائے گی اسے یقین نہ تھا۔

''تم بھی مجھے معاف کر دو' میں خود کو سنبھال نہ سکا اس ماحول میں گیا تو اسی ماحول میں رنگتا چلا گیا' تم سے شادی سے انکار بھی اسی لئے کر رہا تھا کہ خود کو تمہارے قابل نہیں سمجھتا تھا''۔ وہ شرمندگی سے بولا۔

''اب میں تمہیں سنبھالنے آ گئی ہوں ناں' اب تمہیں بگڑنے نہیں دوں گی''۔ وہ اعتماد سے بولی' وہ اس کے انداز پر مسکرانے لگا' مگر ساتھ ہی سختی سے لب بھینچ کر اس کی طرف دیکھا زرنش نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''کیا ہوا......؟'' وہ حیرانگی سے بولی وہ سنجیدگی سے اسے دیکھتا رہا۔

''مومن! تم ایسے کیوں دیکھ رہے ہو......؟'' زرنش پھر بولی۔

''تم نہیں آپ کہا کرو' تم پر بہت جچتا ہے''۔ مومن مسکراتے ہوئے بولا تو زرنش کی بھی جان میں جان آئی۔

مومن نے اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام لیا تھا اور ساتھ ہی اپنی گہری نگاہیں اس پر جما دیں۔

تاروں بھری رات میں پونم کا چاند ہے تو
میری زندگی کی جھیل کا کھلتا گل نایاب ہے تو

مومن کی آواز کے اتار چڑھاؤ نے اس کے دل کی دھڑکن کو بڑھا دیا تھا اس نے مسرور سے انداز میں اس کے کندھے پر سر ٹکا دیا کیونکہ جہاں وفاؤں کے پھول کھلتے ہوں وہاں محبتوں کی بارش ہوتی رہتی ہے خوشبو کے جھونکے چلتے رہتے ہیں۔

☆

جیا قریشی

ناولٹ

ایسا بھی ہوتا ہے

''منال! اٹھ جاؤ بیٹا''۔ مما کی آوازیں اسے کافی دیر سے سنائی دے رہی تھیں مگر وہ جان بوجھ کر کان لپیٹے پڑی تھی' اب کے ان آوازوں میں غصہ کی آمیزش نمایاں تھی' اس نے اٹھنے کا ارادہ کیا مگر جونہی یاد آیا کہ بازار جانا ہے' وہ جلدی سے دوبارہ چادر تان کر لیٹ گئی۔

''منال......'' مما غصے سے بھری اندر داخل ہوئیں۔

''منال......'' اب کے انہوں نے چادر کھینچی تھی۔

''ہوں......'' اس نے سونے کی اداکاری کرتے ہوئے مندی مندی آنکھیں کھولی۔

''کب سے آوازیں دے رہی ہوں' کان خراب ہو گئے ہیں تمہارے' اٹھو جلدی آج میں کوئی بہانہ نہیں سنوں گی''۔

''مما پلیز......سونے دیں' بہت نیند آ رہی ہے''۔ وہ لجاجت سے بولی۔

''شرافت سے اٹھو اور جا کر تیار ہو جاؤ''۔ ان پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

''مما......'' اس نے ایک بار پھر کوشش کی۔

''میں کچھ نہیں سننے والی''۔ انہوں نے اس کی بات کاٹی۔

''شاہ زیب کی شادی میں ایک ہفتہ باقی رہ گیا ہے' تم نے کوئی تیاری نہیں کی۔ روز کل کل کرتے اتنے کم دن رہ گئے ہیں' ابھی تو کپڑے لینے ہیں' پھر ٹیلر کو سلنے دینے ہیں اس کے لئے بھی ٹائم چاہئے''۔ وہ چادر تہہ کرتے ہوئے بولیں۔



''تو آپ اپنی پسند سے کرلیں شاپنگ' میں کچھ نہیں کہوں گی''۔ ماں کو نرم پڑتا دیکھ کر اس نے ایک اور کوشش کی۔

''کان کھول کر سن لو منال! تم ساتھ چلو گی تو میں تمہاری شاپنگ کروں گی ورنہ نہیں' پانچ منٹ میں نیچے آ جاؤ''۔ وہ مڑتے ہوئے بولیں۔ چار و ناچار وہ اٹھ کر باتھ روم میں گھس گئی۔

مما جتنی سوشل اور ایکٹیو تھیں وہ اتنی ہی سست اور کاہل تھی' سب سے برا کام اسے ماں کے ساتھ بازار جانا لگتا تھا' جس سے بچنے کی وہ حتی الامکان کوشش کرتی تھی' بات دراصل یہ تھی کہ مما ونڈو شاپنگ کرتی تھیں جس سے اسے سخت چڑ تھی' اور پھر مما کا فیورٹ کام بارگیننگ کرنا تھا جس کا وہ کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھیں' جب مما بارگیننگ کرتیں تو وہ بے زاری سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے جمائیاں روکنے کی ناکام کوشش کرتی' ایکچوئلی جب کرنے کو کوئی کام نہ ہو تو اسے صرف جمائیاں آتی تھیں۔

''چلیں......'' وہ اسکارف اوڑھتی ہوئی ان کے قریب آئی تو وہ کھڑی ہو گئیں۔

''سنئے مما......'' وہ ان کے برابر چلتے ہوئے بولی۔

''میں آپ کے ساتھ پورا بازار نہیں گھوموں گی' زیادہ سے زیادہ بس تین چار شاپس اگر آپ نے پورے بازار کا راؤنڈ لگانے کی کوشش کی تو میں واپس آ جاؤں گی اور آپ زیادہ بارگیننگ کی کوشش بھی نہیں کریں گی' ٹھیک ہے''۔ وہ انہیں دھمکا رہی تھی۔

''اچھا......'' اس کی دھمکی کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

☆

''منال! دیکھو یہ سوٹ کیسا ہے......؟'' انہوں نے لائٹ اور ڈارک بلیو کنٹراسٹ سوٹ کی طرف اشارہ کیا۔

''اچھا ہے......'' اس نے توصیفی نظروں سے سوٹ کا جائزہ لیا۔

''تمہارے لئے لے لوں''۔

''ہم......'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ بالآخر سوٹ چوائس کرنے کا مرحلہ ختم ہوا تھا۔ مما کاؤنٹر پر کھڑی اپنے فیورٹ کام میں مشغول تھیں۔

''ارے بھیا! کچھ تو خدا کا خوف کرو' چار سوٹ لئے ہیں تمہارے بوتیک سے اتنا ڈسکاؤنٹ تو ہر کوئی کر لیتا ہے''۔

''نہیں باجی! اتنے نہیں ہوں گے''۔ سیلز مین مسلسل نفی میں گردن ہلا رہا تھا۔

''اوہ گاڈ!'' اس نے جمائی روکتے ہوئے ایک بار پھر بوتیک کے آرائشی قمقموں کا جائزہ لینا شروع کر دیا' گلاس ڈور سے باہر اس کی نظر بک اسٹال پر کھڑے مرد پر پڑی' اس نے اپنی زندگی میں ایسا شاندار مرد نہیں دیکھا تھا' وہ ہاتھ میں پکڑی کتاب میں گم تھا' اس کی نگاہ پلٹنا بھول گئی' ایسا نہیں تھا کہ وہ کوئی نظر باز قسم کی چھچھوری لڑکی تھی بلکہ وہ تو دل کے معاملوں میں بہت احتیاط کی قائل تھی' مگر یہاں تو اس کی ساری احتیاط دھری کی دھری رہ گئی تھی' شاید اسے نظروں کی تپش کا احساس ہوا تھا' جبھی اس نے کتاب کی ورق گردانی کرتے کرتے اچانک نگاہ اٹھائی' صرف ایک پل کے لئے اس سے نظریں چار ہوئیں اور منال کو لگا اس کا پہلو خالی ہو گیا' اس نے گھبرا کر دل پر ہاتھ رکھا اور کھڑی ہو گئی' اس شخص نے والٹ نکال اسٹال والے کو پیسے دیئے اور خود سڑک کراس کر گیا۔ منال تیزی سے مین ڈور کی طرف لپکی تھی کہ مما کی آواز نے قدم جکڑ لئے۔

''کہاں جا رہی ہو منال......؟'' وہ ہوش میں آ گئی' اس نے پلٹ کر ماں کو دیکھا اور نفی میں سر ہلا دیا' اس نے گلاس ڈور کے باہر دیکھا وہ سڑک پار کھڑی کرے آٹو میں بیٹھ رہا تھا' اس کے رگ و پے میں جیسے بے چینی و بے کلی بھر گئی تھی۔

''مما! گھر چلیں''۔ وہ سخت اضطرابی کیفیت میں ماں کی طرف بڑھی۔

''میں بہت تھک گئی ہوں''۔

''لو بھائی''۔ انہوں نے جلدی سے دکاندار کو اس کی مطلوبہ رقم تھما کر شاپرز اٹھائے۔

''چلو......'' انہوں نے خشمگیں نظروں سے منال کو گھورا۔

''سینڈلز وغیرہ دیکھ لو اب پھر دوبارہ تمہیں آنا مشکل لگے گا''۔

''نہیں ...... میرے پاس بہت ہیں سینڈلز مجھے ضرورت نہیں ہے' بس ٹیلر کو کپڑے دے کر گھر چلیں''۔ وہ بے چینی دباتے ہوئے بولی۔

گھر آئی تو پاپا آفس سے آ چکے تھے' مما ان کی شکل دیکھتے ہی شروع ہو گئیں۔

''آپ جانتے ہیں کتنا تنگ کیا اس لڑکی نے مارکیٹ میں' میں نہ دیکھتی تو یہ مجھے اکیلا چھوڑ کر آ گئی ہوتی' اس کی وجہ سے مجھے پورے پیسے دینے پڑ گئے اس شاپ کیپر کو''۔

''ارے بھئی...... اس میں اس کا کوئی قصور نہیں ہے آپ کی شاپنگ سے تو اچھے اچھے عاجز آ جاتے ہیں''۔ وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

''اچھا...... آپ شاپنگ دیکھیں' یہ تو اپنے کپڑے ٹیلر کو دیتی آئی ہے' مبادا کہیں دوبارہ بازار نہ جانا پڑے''۔ مما نے پاپا کو شاپنگ دکھانی شروع کی تو وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔

اسکارف اتار کر وہ بیڈ پر ڈھیر ہو گئی' آنکھیں بند کرتے ہی وہ شبیہ چھم سے نینوں میں اتر آئی وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔

''کیا ہو گیا ہے مجھے......؟'' اس نے بے چینی سے ٹہلنا شروع کر دیا۔

''ایسا پہلے تو کبھی نہیں ہوا''۔ اس نے سر جھٹک کر دماغ سے گویا اسے جھٹکنے کی کوشش کی' کوشش ناکام ہو گئی تھی وہ بیڈ پر بیٹھ گئی' بے بسی سے سر اس نے دونوں ہاتھوں پر گرا لیا' نہ تو دل و دماغ سے یہ تصویر نکل رہی تھی' نہ بے چینی اور بے قراری میں کمی آ رہی تھی۔

مغرب کی اذان ہو رہی تھی وہ اٹھ کر وضو کرنے چل دی' نماز بھی اس سے یکسوئی سے ادا نہیں کی گئی تھی وہ ہر نماز کے بعد لمبی دعا مانگنے کی عادی تھی' مگر جب کافی دیر ہاتھ اٹھائے رکھنے کے باوجود کوئی دعا نہ مانگی گئی تو اس نے تھک ہار کر ہاتھ گرا دیئے جب دماغ ہی ٹھکانے نہ تھا تو کیا دعا مانگی جاتی' کتنی دیر جائے نماز پر ایسے ہی بیٹھی رہی' پھر اسکارف اوڑھ کر نیچے اتر آئی۔ مما اسے کچن میں مل گئیں۔

''مما! میں اقراء کے گھر جا رہی ہوں''۔ اقراء اس کی اکلوتی دوست تھی جس کا گھر اسی گلی میں دو گھر چھوڑ کر تھا۔

''اس ٹائم......'' مما نے مڑ کر اسے دیکھا۔

''جی...... مجھے کچھ کام ہے' ذین کہاں ہے......؟ مجھے چھوڑ آئے گا''۔ اس نے اپنے بھائی کا پوچھا۔

''وہ تو ابھی گھر نہیں آیا ہے پر تمہیں ایسا کیا کام ہے کہ اس ٹائم جا رہی ہو''۔ انہیں حیرت ہو رہی تھی کیونکہ وہ مغرب کے بعد گھر سے باہر نہ جاتی تھی۔

''اچھا میں خود ہی چلی جاتی ہوں''۔ وہ گھر سے باہر آ گئی۔

☆

اقراء اسے لان میں ہی مل گئی تھی۔

''ارے تم......'' منال کو دیکھ کر اسے حیرت کا جھٹکا لگا' اول تو منال اس کے گھر آتی ہی کم تھی وہ خود اس کے گھر زیادہ پائی جاتی تھی اور اس ٹائم آنا وہ بھی اکیلے شاذ و نادر ہی ہوتا تھا۔

''مطلب کوئی خاص بات ہے''۔ اس نے منال کے چہرے کو کھوجا' اقراء اسے لئے اپنے بیڈ روم میں چلی آئی' بیڈ پر ٹک کر منال نے گہری سانس لی۔

''کیا بات ہے......؟'' اقراء نے اسے غور سے

دیکھا۔

''بات......؟'' منال نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''مطلب جو بات بتانے کے لئے آپ اپنے گھر سے یہاں تشریف لے آئی ہیں' اسے بتا بھی چکیں' مجھ سے صبر نہیں ہو رہا''۔

''تمہیں کیسے پتا کہ مجھے کچھ بتانا ہے''۔

''او میڈم فضول سوال مت کرو' ہماری بچپن کی دوستی ہے شاید''۔ اقراء نے اسے گھورا۔

''وہ...... بات یہ ہے کہ......'' ابھی اس نے منہ کھولا ہی تھا کہ آنٹی ٹرے اٹھائے اندر داخل ہوئیں۔

''پہلے کچھ کھا پی لو بچیو! پھر باتیں کرتی رہنا''۔

''اب بتاؤ کیا بات ہے......؟'' اقراء' منال کو پلیٹ پکڑاتے ہوئے بولی۔

''میرا کچھ کھانے کا موڈ نہیں ہے''۔ اس نے پلیٹ واپس رکھنی چاہی۔

''شٹ اپ یار! نخرے مت دکھاؤ''۔ اس نے منال کو گھورا۔

''اور اب شروع بھی ہو جاؤ' کب تک میں صبر کر کے بیٹھی رہوں''۔

''وہ آج میں مما کے ساتھ بازار گئی تھی''۔ اس نے کہنا شروع کیا۔

''ہمم...... مجھے پتا ہے آگے بولو''۔ اقراء نے ٹوکا۔

''تمہیں کیسے پتا......؟''

''فار گاڈ سیک یار! ہم ایک ہی گلی میں رہتے ہیں' درمیان میں صرف دو گھر ہیں''۔ وہ جھنجلا گئی۔

''اطلاعاً عرض ہے کہ میں شام میں تمہاری طرف گئی تھی' تب زین نے بتایا' سمجھی ڈیئز! اور اب بنا بریک رکے شروع ہو جاؤ''۔

''کیسے بتاؤں مجھے خود کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ مجھے کیا ہو گیا ہے''۔ منال نے اٹھ کر بے چینی سے ٹہلنا شروع کر دیا۔

اقراء تھوڑی دیر اسے ٹہلتے دیکھتی رہی پھر ہاتھ پکڑ کر بیڈ پر بٹھایا اور گھورنا شروع کر دیا۔

''بات یہ ہے کہ میں نے مارکیٹ میں ایک شخص کو دیکھا اور تب سے بے چینی اور بے قراری میری نس نس میں بھر گئی ہے' مجھے کسی پل سکون نہیں ہے''۔ کہتے ہوئے وہ کچھ شرمندہ ہو گئی۔

''ہوں......'' اقراء نے لمبی سی ہوں کھینچی اور سوچ میں پڑ گئی۔

''ایسی کوئی سیریس بات بھی نہیں ہے' کبھی کبھی ہمیں کسی انسان سے وقتی اٹریکشن محسوس ہوتی ہے' جس کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے' پر یہ کیفیت زیادہ دن نہیں رہتی تھوڑے دن میں نارمل ہو جاتا ہے' سو ڈونٹ وری''۔ اس نے منال کا کندھا تھپتھپایا۔

''اور اگر چند دن میں نارمل نہ ہوا تو...... اس شخص کی تصویر میرے دل و دماغ پر نقش ہو گئی ہے' اتنا جھٹکنے کی کوشش کی پھر بھی......؟'' اس نے بے بسی سے کہتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔

''ڈونٹ وری یار! میں نے کہا نا سب نارمل ہو جائے گا' دیکھنا صبح تک تمہیں یاد بھی نہیں ہوگا کہ اس کی صورت کیسی تھی''۔

''ریئلی......'' منال نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''ریئلی...... بس تم اسے زیادہ مت سوچو''۔ اقراء نے اسے ادھر ادھر کی باتوں میں لگا دیا' اور وہ کافی حد تک بہل بھی گئی تھی' اقراء کے ہاں اس نے عشاء کی نماز پڑھی اور وہ کافی دیر تک بس یہی دعا مانگتی رہی۔

''یا اللہ! مجھے سکون دے دے اس بے کلی کو میرے دل سے رخصت کر دے''۔

☆

منال اور اقراء بچپن کی دوست تھیں' ساتھ کھیلنا' ساتھ پڑھنا' ساتھ اسکول' ساتھ کالج ہر جگہ ساتھ ساتھ رہتی تھیں' حتیٰ کہ دونوں کے مزاج اور عادات تک ملتی تھیں' کالج میں جب لڑکیاں اپنی عشق کی داستانیں

سناتیں تو وہ دونوں ہی بے زار ہو کر اٹھ جاتیں' دونوں ہی شادی کے بعد محبت والے نظریہ کی قائل تھیں۔ آج منال کو اپنی کالج فرینڈ عروج سے کی ہوئی بحث یاد آ رہی تھی۔ عروج اپنے کسی پڑوسی لڑکے کی محبت میں گرفتار تھی' اور آئے دن اس کے ساتھ تحائف کے تبادلے کرتی تھی' وہ اس لڑکے کے گن بڑے زور و شور سے پورے گروپ کے آگے گاتی تھی' ایسے ہی ایک دن جب وہ اپنے لور کے گیت گا رہی تھی تو منال کی اس سے بحث ہو گئی' منال نے اسے کہا۔

''اس فضول عشق کے علاوہ تمہارے پاس کوئی دوسرا دکھڑا نہیں ہے رونے کے لئے''۔

''تمہیں اس سے کیا میں کوئی بھی دکھڑا روؤں''۔ اسے منال کی بات بری لگی تھی۔

''پتا نہیں لوگ کیوں عاشقی کے چکر میں ایسے پڑے ہوئے ہیں جیسے یہی بس ایک مقصد حیات ہے''۔ اس نے عروج پر طنز کیا تھا۔

''جب تمہیں محبت ہو گی تو خود پتا چل جائے گا''۔ عروج نے جواب دیا۔

''میرے پاس اس فضول کام کے لئے ٹائم نہیں ہے''۔

''محبت کسی پلاننگ کے ساتھ تو نہیں کی جاتی یہ تو بس ہو جاتی ہے''۔ عروج نے اسے قائل کرنے کی کوشش کی۔

''ایویں...... ہو جاتی ہے''۔ منال نے مذاق اڑایا۔

''ہاں ایویں ہو جاتی ہے''۔ عروج کی برداشت کی حد ختم ہو گئی تھی' اس سے پہلے کہ وہ اٹھ کر جاتی منال نے ہاتھ پکڑ کر واپس بٹھا دیا۔

''دیکھو ڈیئر فرینڈ! اگر ہم اپنے دل کو یونہی بے لگام چھوڑیں گے تو محبت نام کا جرثومہ حملہ آور ہو گا ناں لیکن اگر ہم اپنے دل کی لگام کس کر تھامیں گے تو کسی محبت وحبت کی کیا مجال کہ حملہ کرے''۔ منال نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

''اچھا تو ذرا دل کی لگام پکڑنے کا طریقہ بھی بتا دو''۔ عروج کا انداز مذاق اڑانے والا تھا۔

''ہاں کیوں نہیں...... یہ لو نسخہ حاضر ہے' یہ جو حضرت دل ہے ہمارے یہ خاصے آوارہ مزاج ہوتے ہیں اور آنکھوں کے رستے فرار ہو جاتے ہیں سو ان کو قید میں رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ نے یہ جو خوبصورت چلمن عطا کی ہے نا' اسے گرا کر رکھا جائے''۔ منال نے کہا تھا اور اقراء نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

☆

وہ سرپٹ صحرا میں بھاگ رہی تھی پیاس سے حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے' وہ پانی کی تلاش میں بھٹک رہی تھی' دور سے پانی نظر آتا اور جب وہ دوڑ کر قریب جاتی تو پتہ چلتا کہ یہ تو سراب تھا' جب وہ پیاس سے قریب المرگ ہو گئی تو اسے پانی مل ہی گیا' ابھی اس نے پانی پینا ہی چاہا تھا کہ آنکھ کھل گئی' وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی' جسم پسینے سے تر تھا' پیاس سے حلق میں واقعی کانٹے چبھ رہے تھے' اس نے پانی کا گلاس اٹھایا اور غٹاغٹ چڑھا گئی۔ وہ ہولے ہولے کانپ رہی تھی' بے چینی نے ایک بار پھر اس کا احاطہ کر لیا تھا' صبح ہونے میں نہ جانے کتنی دیر تھی' وہ تھکے تھکے انداز میں بستر پر گر گئی' کافی دیر کروٹیں بدلنے کے بعد آخر کار نیند آ ہی گئی۔

☆

اقراء نے اسے کہا تھا کہ صبح تک اسے شکل بھی یاد نہیں رہے گی مگر اس صبح کو گزرے ہوئے بھی دو دن ہو چکے تھے اور اس شخص کی شبیہ ابھی تک اس کے دماغ سے نہیں نکل پائی تھی' شاہ زیب بھائی کی شادی میں چار دن رہ گئے تھے' خالہ جانی اسے لینے آئی تھیں' گو اس کا جانے کا دل تو نہیں چاہ رہا تھا مگر یہ سوچ کر تیار ہو گئی کہ شاید شادی کے ہنگاموں میں اس کا خیال

دل سے نکل جائے، مگر اسے پتا نہیں تھا کہ جگہ بدلنے سے حال دل نہیں بدلا کرتے، منال کے کزنز کے لئے اس کی کوفت اور آدم بیزاری باعث حیرت تھی وہ تو کافی زندہ دل تھی اس لئے ان لوگوں کو اس کا رویہ ہضم نہیں ہو رہا تھا۔

''اف خدایا......'' اس دل کے ہاتھوں وہ کتنی مجبور ہوگئی تھی وہ اپنی حالت پر جھنجھلا جاتی اور ان لوگوں کو لگتا کہ وہ ان سے بے زار ہوگئی ہے وہ وضاحتیں کر کر کے تھک گئی تھی۔

جب رمانہ آپی نے بھی یہی کہا کہ ''منال تم بہت بدل گئی ہو پہلے تو اتنی آدم بیزار اور سوگوار نہیں ہوا کرتی تھیں'' تو اس کا دل چاہا پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔

''نہیں تو...... رمانہ آپی! ایسی کوئی بات نہیں ہے''۔ اس نے وضاحت دینی چاہی۔

''ایسی ہی بات ہے پہلے تو تم خاصا ہنستی بولتی تھیں اب کیا ہوگیا؟ کوئی پریشانی ہے تو بتاؤ چندا......'' وہ پیار سے اس کے بال سہلاتے ہوئے بولیں۔

''نہیں......کوئی پریشانی نہیں ہے''۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''پکی بات ......''

''ہمم...... '' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تو چلو پھر کمرے سے باہر نکلو یہاں اکیلی کیوں بیٹھی ہو''۔ انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔

اور پھر اس نے تہیہ کیا کہ اس دل کی نہیں ماننی تمام فنکشنز میں بھرپور طریقے سے شرکت کرنی ہے اور اس نے کیا بھی یہی، اپنی اداسی اور بے چینی پر خوشی اور زندہ دلی کا خول چڑھا لیا، سب اسے پہلے جیسا دیکھ کر مطمئن ہوگئے۔

شادی کے ہنگامے سرد پڑے تو وہ بھی مما پاپا کے ساتھ گھر واپس آ گئی حالانکہ خالہ جانی نے اسے روکنے کی بہت کوشش کی تھی، پر وہ رکی نہیں جس پر خالہ جانی اس سے ناراض بھی ہوگئی تھیں پر وہ خالہ کو پھر کبھی منانے کا سوچ کر واپس آ گئی۔

☆

وہ پورے پندرہ دن بعد لوٹی تھی، اقراء کے پاس سننے کے لئے بہت کچھ تھا اور منال کے پاس سنانے کے لئے، شادی کے قصے ختم ہوئے تو اقراء کو اچانک خیال آیا اور اس نے پوچھا۔

''ارے ہاں منال! حال دل تو سناؤ وہ شخص نکلا یا نہیں''۔

''نہیں......تم نہیں جانتیں کہ خالہ کے گھر میں نے خود پر کتنی مشکل سے قابو پایا ورنہ لوگوں نے تو میرے بارے میں جانے کیا کیا رائے قائم کر لی تھی''۔ اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ اقراء سوچ میں پڑ گئی پھر کچھ دیر بعد بولی۔

''میں تو اسے وقتی ازیکشن سمجھی تھی مگر یہ تو عشق کا بھوت ہے جو سر چڑھ کر بول رہا ہے''۔

''اب میں کیا کروں......؟'' منال نے مسمسی صورت بنائی۔

''تم ٹینشن مت لو کبھی نہ کبھی تو یہ بھوت اتر ہی جائے گا''۔ اقراء نے تسلی دی۔

''مجھے تو لگتا ہے دوسروں کا مذاق اڑانے کی سزا مل رہی ہے، کیا لائف تھی میری اور کیا ہوگئی کسی کام میں دل ہی نہیں لگتا''۔ وہ روہانسی ہوگئی۔

''ڈونٹ وری یار! خود کو بلاوجہ بلیم مت کرو، ہم نے ایسا کیا ہی کیا ہے جس کی سزا ملے گی، تم خوامخواہ ٹینشن لے رہی ہو، اب چلو اٹھو آئس کریم کھانے چلتے ہیں''۔

''نہیں میرا موڈ نہیں ہے''۔ وہ بے زاری سے بولی۔

''تیرے موڈ کی توایسی کی تیسی''۔ اقراء نے اسے زبردستی اٹھایا۔

☆

شاہ زیب کی شادی میں منال کسی آنٹی کو ایسی بھائی کہ ہفتہ بھر بعد ہی وہ اس کے گھر بیٹھیں اس کا ہاتھ مانگ رہی تھیں۔ مما پاپا نے کچھ مہلت لے کر انہیں رخصت کر دیا، لڑکا معقول تھا مما نے منال کی رائے مانگی اور اس نے ایسا رونا دھونا مچایا کہ پاپا نے گھبرا کر ان لوگوں کو منع کر دیا، مما اس سے ناراض ہوگئی تھیں، پر پاپا کے سمجھانے پر مان گئیں منال نے تو جیسے ریت ہی نکال لی تھی، یہ اس کا ایک سال میں مسلسل تیسرے پرپوزل سے انکار تھا۔ مما کا پارہ ہائی ہو چکا تھا، پاپا کے لئے انہیں سنبھالنا مشکل ہوگیا تھا۔

''ہرگز نہیں...... میں ان لوگوں کو انکار نہیں کروں گی''۔ وہ مسلسل انکار کر رہی تھیں۔

''نائلہ پلیز......تم کیوں اس پر زبردستی اپنی مرضی تھوپ رہی ہو، اگر وہ ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی تو کوئی بات نہیں اور ویسے بھی ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے، صرف بائیس سال''۔ بابر صاحب انہیں سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔

''صرف بائیس سال''۔ انہوں نے دہرایا۔

''آپ بھی اس کا ساتھ دے رہے ہیں، بائیس سال کی عمر میں، میں اس کی ماں تھی''۔ وہ غصے میں اٹھ کر ٹہلنے لگیں۔

''دیکھو نائلہ! اپنے اور میرے زمانے کی بات مت کرو، وہ دور اور تھا یہ دور اور ہے، اس دور کی اولادیں اپنے والدین کی تابع ہوتی تھیں اور آج کل کی جنریشن یہ اپنی مرضی کی مالک ہے ہماری اولاد گو بہت مختلف ہے، فرمانبردار ہے، تو کیا ہمارا فرض نہیں ہے کہ ہم ان کی خواہش کا احترام کریں اگر منال شادی کے لئے ابھی راضی نہیں ہے تو ہم تھوڑا انتظار کر لیتے ہیں کیوں اس کے ساتھ زبردستی کریں''۔ وہ انہیں ہولے ہولے سمجھا رہے تھے۔

''ٹھیک ہے''۔ انہوں نے ہار مان لی۔

''جو آپ کا دل چاہتا ہے کریں، لیکن ایک بات یاد رکھیں اگلی بار ایسا نہیں ہوگا، جیسا ہی اس کا کوئی اچھا پرپوزل آتا ہے ہم خوشی کی شادی کر دیں گے اور آپ اس کا ساتھ نہیں دیں گے، ٹھیک ہے''۔ انہوں نے تائید چاہی۔

''ہاں ٹھیک ہے''۔ انہوں نے بھی اثبات میں سر ہلایا۔

☆

اقراء کو جیسے ہی پتا چلا منال نے اس پرپوزل سے بھی انکار کر دیا ہے وہ فوراً ہی اس کے پاس چلی آئی۔

''منال کیوں انکار کر رہی ہو بار بار......؟''

''کیونکہ مجھے شادی نہیں کرنی''۔

''بٹ وائے......؟'' اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''تم جانتی ہو''۔ منال نے کافی کا مگ اس کی طرف بڑھایا۔

''آر یو میڈ؟ تم جانتی ہو تم کیا کر رہی ہو......؟ اس بے نام و نشان محبت کے پیچھے کب تک بھاگو گی، تم اتنی بے وقوف بھی ہو سکتی ہو، آئی ڈونٹ بلیو''۔ اقراء حیرت سے اسے گھور رہی تھی۔

''تو میں کیا کروں......؟ مجھے خود کچھ سمجھ میں نہیں آتا، تم جانتی ہو میں منافق نہیں ہوں''۔ وہ حد درجہ یاسیت سے بولی۔

''ہاں مگر......''

''پلیز اقراء......! میں اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی''۔ اس نے اقراء کی بات کاٹی۔ وہ تو چپ ہوگئی تھی مگر سچ یہ تھا کہ وہ منال کے لئے حد درجہ فکر مند ہوگئی تھی۔

☆

اقراء کا رشتہ طے پا گیا تھا، اس کی انگیجمنٹ کی تاریخ رکھی گئی تو منال کے ہاتھ بھی مصروفیت آ گئی، مصروفیت کیا تھی بس گھر سے فرار کا بہانہ تھا، جب سے اس پرپوزل کو انکار کیا گیا تھا، گھر کی فضا مکدر ہوگئی تھی، مما نے تو اس سے بات ہی کرنا چھوڑ دی تھی، اس نے انہیں

منانے کی کتنی کوشش کی تھی پر وہ مان کے نہیں دیں۔ انگیجمنٹ کی تقریب ختم ہوگئی تھی' منال' اقراء کے ساتھ اس کے کمرے میں تھی۔

''دیکھ منال! میری سسرال میں کافی ہینڈسم اور اسمارٹ لڑکے ہیں تو کہے تو تیری کہیں بات چھیڑوں''۔ اقراء کلینز تمگ کرتے ہوئے بولی۔

''جسٹ شٹ اپ...... پہلے خود تو اس گھر میں چلی جاؤ''۔ منال بگڑ گئی۔

''یعنی کہ تم راضی ہو''۔ اس نے شرارت سے آنکھ دبائی۔

''ٹھیک ہے پھر میں سسرال پہنچتے ہی تجھے بھی بلانے کی تیاری کروں گی''۔ اقراء مسلسل اسے چھیڑ رہی تھی۔

''تو اپنی بکواس بند کررہی ہے یا میں چلی جاؤں''۔ اسے سچ مچ غصہ آ گیا۔

''دیکھنا یار منال! ہم یہاں ساتھ رہے ہیں وہاں سسرالی رشتہ دار بن جائیں گے' کتنا مزہ آئے گا ناں''۔ اقراء اس کے غصے کو خاطر میں نہیں لائی تھی۔

''ٹھیک ہے تو جی بھر کر بکواس کر' میں جارہی ہوں''۔ منال کھڑی ہوگئی۔

''اچھا بابا ٹھیک ہے' بس نہیں کرتی بکواس''۔ اس نے منال کے گلے میں بانہیں ڈالیں۔

''اب تو مسکرادو جانی''۔ اس نے منال کو گدگدایا۔

☆

مما کو منال سے ناراض ہوئے دو مہینے ہو چکے تھے اسی دوران ان کی ایک فرینڈ کے توسط سے منال کا ایک اور اچھا پرپوزل آیا تو وہ بابر صاحب کے سر ہوگئیں۔

''بس میں بتارہی ہوں آپ کو اب میں منال کی نہیں سنوں گی اور نہ ہی آپ اس کی سائیڈ لیں گے''۔

''ٹھیک ہے بھئی...... لڑکا تو مجھے بھی بہت پسند ہے''۔ وہ رضامند تھے وہ مشکوک تھیں۔

''پچھلی بار آپ ہی نے کہا تھا نا کہ ہمیں بچوں کی خواہشوں کا احترام کرنا چاہئے اور ابھی منال کی عمر ہی کیا ہے......؟ وغیرہ وغیرہ''۔ وہ پھر بولیں تو وہ ہنس پڑے۔

''ارے...... ہاں بھئی ہم نے یہ سب کہا تھا' لیکن اس بار اگر اس پر تھوڑی زبردستی کرنی پڑی تو ہم کرلیں گے اور ہمیں امید ہے کہ یہ سختی اس کی آنے والی زندگی میں خوشیوں کا پیغام لائے گی''۔ وہ پرسوچ لہجے میں بولے۔

''ہم......'' وہ مطمئن ہوگئیں۔ وہ اس پر اپنی ناراضگی ظاہر رکھنا چاہتی تھیں اس لئے انہوں نے خود بات کرنے کے بجائے اقراء کو بلالیا۔

''دیکھو اقراء بیٹا! تم منال کی دوست ہو' اسے سمجھاؤ ایسے اچھے رشتے بار بار نہیں ملا کرتے' میں تو اسے سمجھا سمجھا کر تھک گئی ہوں' ہوسکتا ہے تمہاری بات اس بے وقوف لڑکی کی سمجھ میں آجائے''۔

''جی آنٹی! آپ فکر نہ کریں میں پوری کوشش کروں گی''۔ اس نے انہیں تسلی تو دے دی تھی مگر وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ یہ کتنا مشکل کام ہے اور وہی ہوا جس کا اسے ڈر تھا' بات سنتے ہی وہ بھتھے سے اکھڑ گئی۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ سب لوگ میری شادی کے پیچھے ہی کیوں پڑے ہیں' اگر ایک میں شادی نہیں کروں گی تو کون سی قیامت آجائے گی''۔

''مطلب کیا ہے تمہارا......؟ اگر انکل آنٹی یہ چاہتے ہیں کہ تمہاری شادی ہو جائے تو وہ کوئی انوکھی خواہش نہیں کررہے ہیں دنیا میں سبھی کے پیرنٹس یہ چاہتے ہیں کہ وہ جلد از جلد اپنی اولاد خصوصاً بیٹیوں کے فرض سے سبکدوش ہو جائیں اگر انکل آنٹی اپنا فرض پورا کرنا چاہتے ہیں تو کیا غلط کررہے ہیں۔ دیکھو منال! اگر تم شادی نہیں کرنا چاہتی تو کوئی سولڈ ریزن دو' کیوں اس بے مطلب محبت کے پیچھے پاگل ہوئے جارہی ہو......؟ جس شخص کے پیچھے تم یہ سب

کررہی ہو' اسے معلوم تک نہیں کہ اس دنیا میں ایک لڑکی اس کے لئے اتنی دیوانی ہے' تمہیں اس کا نام نہیں پتہ' کہاں رہتا ہے......؟ کیا کرتا ہے......؟ کس مذہب' کس کاسٹ سے تعلق ہے......؟ غرض کچھ نہیں جانتی تم اس کے بارے میں اور تمہیں اس سے اتنی محبت ہوگئی ہے کہ اس کی محبت تمہارے ماں باپ کی محبت پر حاوی ہوگئی ہے' تمہیں ان کی پریشانی ان کی محبت کچھ نظر نہیں آتا منال''۔ اقراء بولتے بولتے تلخ ہوگئی۔

''مجھے سب سمجھ آتا ہے' دکھائی بھی دیتا ہے' پر میں کیا کروں......؟'' منال نے جھکا ہوا سر اٹھایا۔

''دیکھو منال!'' اقراء نے اٹھا کر اسے ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑا کردیا۔

''اپنے آپ کو دیکھو...... یو آر ویری پریٹی گرل' تم بائیس سال کی ہوگئی ہو' تمہاری عمر میں عموماً لڑکیوں کی شادی ہوجاتی ہے' تمہیں معلوم ہے جب چند سال بعد بھی لوگ تمہیں ایسے ہی دیکھیں گے تو کہیں گے...... یہ منال بابر ہے' بے حد حسین ہونے کے باوجود بے چاری کی شادی نہیں ہوئی' یقیناً کوئی کھوٹ ہوگا' یا بے چاری نے شادی نہیں کی' جانے کیا بات تھی' اور تم خود بھی بہت پچھتاؤ گی' ابھی تو تمہیں اس بے نام محبت کے آگے کچھ نظر نہیں آرہا''۔ اقراء نے اسے حقیقت کا آئینہ دکھایا۔

''مجھے پتا ہے اقراء! پر میں منافق نہیں بننا چاہتی' میری خدا سے بس یہی دعا ہے کہ اس شخص کو میرے دل و دماغ سے نکال دے پر نہیں' تو میں کیا کروں......؟ مجھے خود سمجھ نہیں آتا''۔ وہ بے بسی سے بولی۔

''منال! تمہاری شادی ہوجائے گی' ایک شخص تمہاری سوچوں کا محور ہوگا' تم اس کی ذات میں اس کے گھر میں مصروف ہوجاؤ گی تو تم دیکھنا تمہیں اس سے خود بخود محبت ہوجائے گی''۔ اقراء نے اسے رسان سے سمجھایا۔

''نہیں اقراء! نہیں...... ایک سال میں نے اسے دل و دماغ سے کھرچنے کی کوشش کی مگر کامیابی نہیں ہوئی تو میری نظروں نے اسے کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا مگر سب بے سود...... اور تم کہہ رہی ہو شادی ہوجائے گی تو میں آسانی سے بھول جاؤں گی''۔

''تم سمجھ کیوں نہیں رہی ہو منال! انکل آنٹی کی پریشانی کو سمجھو''۔ اقراء اسے سمجھاتے سمجھاتے تھکنے لگی تھی۔

''میں سب سمجھ رہی ہوں پر کوئی میری پریشانی بھی تو سمجھے میں شادی نہیں کرنا چاہتی ایٹ لیسٹ تب تک تو نہیں جب تک اسے بھول نہ جاؤں''۔

''تمہاری پریشانی کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے' تمہاری پریشانی خود تمہاری اپنی سوار کی ہوئی ہے''۔ اقراء بگڑ گئی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''میں آنٹی کو کیا جواب دوں''۔ اقراء اس کی طویل خاموشی سے اکتا گئی تھی۔

''کہہ دینا میں فی الحال شادی نہیں کرنا چاہتی''۔

''اس سے کہہ دو اقراء! یہ شادی پر راضی ہو یا نہیں شادی تو اسے کرنی ہی پڑے گی' ہم اس رشتے سے انکار نہیں کریں گے بلکہ ہم کل ہی ہاں کرنے جارہے ہیں''۔ مما اچانک ہی کمرے میں داخل ہوئی تھیں اور انہوں نے منال کی بات سن لی تھی۔

''آپ ایسا نہیں کرسکتیں''۔ وہ بے اختیار کھڑی ہوگئی۔

''ہم ایسا ہی کریں گے''۔ وہ پلٹیں۔

''میں پاپا سے بات کروں گی''۔ وہ ان کے سامنے آگئی۔

''یہ ان کا ہی کہنا ہے کہ تم مانو یا نہ مانو ہم کل ہاں کرنے جائیں گے' بس بہت سن لی تمہاری' تم تو سر پہ بیٹھتی جارہی ہو' شادی نہیں کرنی' شادی نہیں کرنی...... ارے کوئی وجہ بھی تو ہو شادی نہ کرنے کی ؟'' وہ کمرے سے نکل گئیں۔ وہ بابر صاحب کے پاس پہنچ

گئیں۔

''پاپا! آپ تو میرا ساتھ دیں گے نا......؟ مما کو منع کریں میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی''۔ وہ آنسو بہاتے ہوئے بولی۔

''بیٹا! میں جتنا ساتھ دے سکتا تھا میں نے دیا ہے' یہ پرپوزل بہت اچھا ہے تم بہت خوش رہو گی''۔ وہ اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے بولیں۔ اب وہ باپ سے اس بارے میں کیا بات کرتی سو خاموشی سے اٹھ آئی۔ مما نے واقعی اس کی ایک نہیں سنی تھی' وہ وہاں سے آگے کافی خوش تھیں' وہ سونے کے لئے لیٹ گئی تھی جب مما کمرے میں داخل ہوئیں۔

''ناراض ہو چندا......'' وہ اس کے بالوں میں انگلیاں چلانے لگیں اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''منال! ماں باپ اولاد کی بھلائی چاہتے ہیں' تمہیں اس کا احساس شادی کے بعد ہو جائے گا' دیکھو میں جاذب کی تصویر لائی ہوں' وہ بہت اچھا لڑکا ہے''۔ انہوں نے لفافہ اس کی طرف بڑھایا۔

''مجھے نہیں دیکھنی کوئی تصویر''۔ وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔

''اتنی ضد نہیں کرتے بیٹا! چلو جلدی پکڑو''۔ انہوں نے لفافہ زبردستی ہاتھ میں دیا۔

''جب آپ زبردستی رشتہ پکا کر ہی آئی ہیں تو تصویر لانے کا مطلب......؟'' اس نے تصویر پھاڑی۔

''منال ......وہ چیخیں' مگر وہ تصویر کے ٹکڑے کرتی چلی گئی' وہ اسے غصے سے گھورتے ہوئے چلی گئیں' وہ منال کے بارے میں بہت فکر مند ہو گئی تھیں' اس نے کھانا پینا بھی کم کر دیا تھا زیادہ تر کمرے میں بند رہتی تھی۔

''جانے کیا ہو گیا ہے اسے......؟'' وہ فکر مندی سے بابر صاحب سے بولیں۔

''وہ ناراض ہے بس اور کیا ...؟'' وہ اطمینان سے بولے۔

''وہ کہیں کسی اور کو پسند تو نہیں کرتی......؟'' وہ چونکے۔

''نہیں...... اگر ایسی بات ہوتی تو وہ بتاتی پر اس کے انکار کا یہ ریزن نہیں ہے میں نے اقراء سے بھی پوچھا تھا بٹ اس کا کہنا ہے ایسی کوئی بات نہیں ہے''۔ وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولیں۔

☆

اقراء کو شاپنگ پر جانا تھا' وہ منال کو لینے اس کے گھر آئی' وہ تیار ہو کے نیچے آئی تو مما نے اسے کچھ پیسے دیئے۔

''موسم بدل رہا ہے اپنے لئے کچھ کپڑے لے لینا''۔ اس نے خاموشی سے پیسے لے کر پرس میں رکھ لئے' اقراء نے اپنی شاپنگ بھی کی اور اسے بھی کرائی۔

''پہلے کچھ کھا پی لیں پھر گھر چلتے ہیں''۔ اقراء پیزا ہٹ کے آگے رکی۔

''نہیں بس چلو...... میرا موڈ نہیں ہے''۔

''تم تو اپنے موڈ کو گولی مارو...... اور اپنی چونچ بند رکھو رونی صورت''۔ اسے گھرکتے ہوئے وہ اندر داخل ہوئی تو منال کو مجبوراً اس کی تقلید کرنی پڑی۔

''بس جلدی جلدی کچھ کھا لیں تو گھر چلیں گے' آج تمہاری نند عائزہ آنے والی ہے منگنی کی ڈیٹ لینے' آنٹی نے جلدی آنے کو کہا تھا''۔ اقراء آرڈر دے کر اس سے مخاطب ہوئی' اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ منال کی سانسیں رکنے لگیں اور اس کا منہ چلتے چلتے رک گیا۔

''اقراء......'' وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولی۔

''ہاں......'' اقراء نے اسے دیکھا۔ اس کی نظریں مین ڈور پر جمی تھیں۔

''کیا ہوا......؟'' اقراء نے پوچھا۔

''وہ ...وہ......'' اس کے حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔

''کیا وہ......'' اقراء نے پلٹ کر مین ڈور کی طرف دیکھا ایک شخص ایک بچے کو گود میں اٹھائے اور دوسرے کی انگلی تھامے اندر داخل ہوا تھا اور اب جگہ کی تلاش میں اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

''ہاں...... خاصا ہینڈسم مرد ہے اور بچے بھی خاصے کیوٹ اور خوبصورت ہیں''۔ اقراء اس کی وہ کا یہی مطلب سمجھی کہ منال ان پر کمنٹ پاس کرنا چاہتی ہے۔

''یہ وہی ہے''۔ منال بے چینی سے اپنے ہاتھوں کو مسل رہی تھی اس کی نظروں نے اسے کہاں کہاں تلاش نہیں کیا تھا۔

''کون وہ......؟'' اقراء نے پہلے تو ناسمجھی سے اسے دیکھا پھر سمجھ گئی۔

''اچھا یہ وہ ہے' جس کے پیچھے محترمہ پچھلے ایک سال سے دیوانی ہیں''۔ اس نے پلٹ کر اس ٹیبل پر دیکھا جہاں وہ بیٹھا تھا۔ وہ واقعی کافی متاثر کن شخصیت کا مالک تھا' اگر منال متاثر ہو گئی تھی تو کوئی اچنبھے والی بات نہیں تھی' اسے دیکھ کر تو کسی کی بھی دھڑکنیں رک سکتیں تھیں۔ اس نے منال کو دیکھا وہ ایک ٹک بس اسے ہی دیکھے جا رہی تھی شدت جذبات سے اس کے لب کپکپا رہے تھے۔

''منال......'' اقراء نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے ہاتھوں پر جمائے اس نے چونک کر اقراء کو دیکھا۔

''یہ اب کیوں ملا ہے اقراء......؟'' وہ کرب سے بولی۔

''جو تمہارا تھا ہی نہیں......؟ اس کے ملنے نہ ملنے کا شکوہ کیسا......؟ وہ دیکھو بچے شاید اسی کے ہیں''۔ اقراء نے اسے بچوں کی طرف متوجہ کرنا چاہا' مگر اس کی ساری حسیں بس اس کی طرف متوجہ تھیں۔

''چلو......'' اقراء نے اس کا ہاتھ تھاما۔

''اس کی ٹیبل پر چلتے ہیں' کچھ اس کے بارے میں پوچھتے ہیں''۔

''نن...... نہیں''۔ اس نے گھبرا کر ہاتھ چھڑایا۔

''کیوں تم گزشتہ ایک سال سے ڈھونڈ رہی ہو نا اسے اب جب وہ سامنے ہے تو اس کے بارے میں جاننے میں کیا حرج ہے؟ تم چلو میرے ساتھ آخر اسے بھی تو پتا چلے کہ کوئی اسے دل میں رکھے پوجے جا رہا ہے''۔ اقراء نے دوبارہ اس کا ہاتھ پکڑا۔

''اب کیا فائدہ......؟'' وہ کھڑی ہو گئی آنکھیں بھر آئی تھیں اس نے ضبط کرنے کی کوشش کی' پھر تیز قدموں سے چلتی ریسٹورنٹ سے باہر نکل گئی اور گاڑی میں جا کر بیٹھ گئی' دس منٹ بعد اقراء بھی واپس آ گئی' اسے آنسو بہاتے دیکھ کر اس نے تاسف سے گہری سانس لی۔ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اس نے منال کو دیکھا اور بولی۔

''اس کا نام ہارون ہے وہ دونوں بچے اس کے تھے''۔

''تمہیں کیسے بتایا اس نے......؟'' منال کا چہرہ دھواں دھواں ہونے لگا۔

''میں اس کی ٹیبل پر جا کر کھڑی ہوئی اور اسے عاشر کہہ کر پکارا' تو اس نے بتایا کہ وہ عاشر نہیں ہے' اس کا نام ہارون ہے' میں نے سوری کیا کہ آپ کی شکل میرے فرینڈ کی شکل سے ملتی ہے اور اس کے بچوں کی طرف دیکھ کر کہا کہ بہت کیوٹ بچے ہیں' جس پر اس نے کہا تھینکس''۔ اقراء نے پوری بات ختم کر کے اسے دیکھا۔ اس کے گالوں پر آنسو بہہ رہے تھے' اس نے منال کو چپ کرانے کی کوشش نہیں کی بلکہ خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرتی رہی' اپنے گھر کے آگے اس نے گاڑی روکی وہ اس کو اس حلئے میں روتے دھوتے اس کے گھر نہیں لے جا سکتی تھی جبکہ اس کی ہونے والی نند بھی اس کے گھر آئی ہوئی تھی۔

''منال! تھوڑی دیر کے لئے چپ ہو جاؤ پلیز...... مما نے تمہیں اس طرح روتے ہوئے دیکھا تو بہت سوال پوچھیں گی''۔ اقراء لجاجت سے بولی تو اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ اقراء نے گاڑی

سے شاپرز نکالے اور منال کو لئے سیدھے اپنے کمرے میں چلی آئی' شکر تھا کہ مما سے سامنا نہیں ہوا تھا شاید وہ گھر میں نہیں تھیں اقراء شاپرز کمرے میں رکھ کر باہر نکل گئی واپس آئی تو ہاتھ میں پانی کی بوتل اور گلاس تھا۔

''لو پانی پیو......'' اس نے گلاس منال کے آگے بڑھایا اس نے گلاس تھام لیا۔

''بس آج آخری بار آنسو بہالو''۔ اقراء نے نرمی سے کہا۔ پانی پی کر اسے کچھ سکون ملا تھا' پر آنسو ابھی بھی گالوں پر بہہ رہے تھے' روتے روتے وہ جھکنے لگی تھی' اقراء خاموشی سے بیٹھ کر اسے دیکھ رہی تھی' کمرے میں بس وقفے وقفے سے اس کی سسکیاں گونج رہی تھیں منال کا فون وائبریٹ ہو رہا تھا' اس نے پرس سے فون نکال کر اقراء کی طرف بڑھایا۔

''ہیلو آنٹی......'' اقراء نے کال ریسیو کی۔

''بیٹا کہاں ہو تم دونوں......؟'' عائزہ کب سے آئی ہوئی ہے وہ بار بار منال کو پوچھ رہی ہے۔

''جی آنٹی! ہم گھر پہنچ گئے ہیں ابھی آ رہے ہیں۔ منال باتھ روم میں ہے''۔

''جی......جی اچھا''۔ اس نے کال منقطع کر دی۔

''لو......'' اس نے پانی کا ایک اور گلاس منال کی طرف بڑھایا۔

''اسے پیو اور جا کر منہ دھو''۔ منال منہ دھو کر باہر نکلی ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارنے سے آنکھوں کی سوجن اور سرخی کم ہو گئی تھی مگر رونے کے آثار ابھی باقی تھے' اقراء اسے دیکھ کر کمرے سے باہر نکل گئی واپس آئی تو ہاتھ میں آئس کیوب کی ٹرے تھی۔

''یہ لو......اس سے آنکھوں کی ٹکور کرو تا کہ سوجن کچھ کم ہو''۔ اس نے خاموشی سے ٹرے تھام لی اور آنکھوں پر رگڑنے لگی جلتی آنکھوں کو کچھ تراوٹ ملی تھی۔

☆

وہ اقراء کے ساتھ گھر آ گئی' عائزہ نے اسے گلے لگایا' چوما مبارک باد دی اور اپنے ساتھ ہی بٹھا لیا۔

''کب کی ڈیٹ فکس کی......؟'' اقراء نے آنٹی سے پوچھا۔

''ایک ہفتہ بعد انگیجمنٹ اور پندرہ دن بعد شادی''۔ انہوں نے جواب دیا۔

''اتنی جلدی......'' اقراء نے آنکھیں پھیلائیں۔

''ہاں بھئی...... مجھے واپس بھی جانا ہے''۔ عائزہ کی سسرال ابوظہبی میں تھی۔

''میں نے جاذب سے کہا اس بار تمہاری شادی کر کے ہی جاؤں گی''۔ عائزہ' منال کی اکلوتی نند تھی' وہ اور جاذب بس دو بہن بھائی تھے باپ کا بچپن میں اور ماں کا عائزہ کی شادی کے بعد انتقال ہو گیا تھا۔

''تو آپ ایسا کریں نا ابھی انگیجمنٹ کر جائیں سال چھ مہینے بعد جب آئیں گی تو شادی ہو جائے گی''۔ اقراء نے گویا حل پیش کیا۔

''ارے نہیں یار......بس اب میں چاہتی ہوں بھائی بھی نارمل لائف گزاریں گھر میں عورت نہ ہو تو لائف خاصی مشکل ہو جاتی ہے' پھر میرا نہ جانے کب آنا ہو' اب بھی تین سال بعد آئی ہوں' بچوں کے ساتھ آنا ویسے ہی اتنا مشکل لگتا ہے اور میرے بچے تو ہیں ہی شیطان' ایک پل چین سے نہیں بیٹھتے ہیں اور نہ مجھے بیٹھنے دیتے ہیں' اب بھی جاذب نے سنبھالا تو میں یہاں آئی اور تم سے اتنی لمبی بات اتنی سکون سے کر لی اور یہاں سکون سے بیٹھی ہوں''۔ اس نے اپنی مشکلیں بیان کیں تو اقراء مسکرا دی۔

''منال! تم بہت خاموش ہو کیا بات ہے بھئی......؟'' عائزہ نے پوچھا۔

''نہیں......ایسی تو کوئی بات نہیں ہے''۔ اس نے کہنا چاہا مگر رونے سے آواز بھاری ہو گئی تھی گلے میں ہی اٹک گئی۔

''وہ......اس کا موڈ خراب ہے انکچویلی اسے ایک

سکہٹ کافی پسند آیا مگر ایک آنٹی نے جھپٹا مار کر چھین لیا ہے۔ اور فٹافٹ اس کی پیمنٹ کر کے چلی گئیں''۔ اقراء نے جلدی سے بات بنائی۔

''اور آواز کو کیا ہوا......؟'' مما کی فرینڈ نے پوچھا جن کی توسط سے عائزہ رشتہ لائی تھی۔

''وہ گول گپے کھائے تھے اس لئے آواز کچھ خراب ہو گئی''۔ اس نے پھر بات بنائی اقراء اسے لے کر کمرے میں چلی آئی مبادا اور جھوٹ نہ بولنے پڑ جائیں۔

''تیری وجہ سے میں پکی جھوٹی بنتی جا رہی ہوں''۔ وہ بیڈ پر دراز ہوتے ہوئے بولی۔

''میں نے کہا تھا جھوٹ بولنے کے لئے''۔ منال چڑ گئی۔

''سچ تو بول نہیں سکتی تھی''۔ اس نے منال کو گھورا۔

منال کی سسرال خاصی کنزرویٹو تھی' عائزہ نے جاذب کو منگنی میں لانے سے منع کر دیا تھا۔

''ہمارے ہاں دولہے کو منگنی پر نہیں لے کر جاتے''۔ عائزہ نے کہا تھا۔ انکل آنٹی کو تو کوئی اعتراض نہ تھا۔ پر اقراء نے کہا۔

''اکیسویں صدی میں بھی آپ کے ہاں ایسی روایتیں موجود ہیں''۔

''کیا کریں روایت ہے نبھانی تو پڑے گی''۔ عائزہ نے کہا تھا۔ شادی کی تیاریاں دھڑا دھڑ شروع تھیں ٹائم کم تھا اور کام زیادہ۔ مما نے حیدرآباد سے خالہ جانی کو بھی بلا لیا تھا۔ منال مزید خاموش ہو گئی تھی اس کی خدا سے بس چوبیس گھنٹے ایک ہی دعا تھی۔

''یا اللہ! میں جس شخص کی امانت ہوں میرے دل میں اس کی محبت ڈال دے''۔

☆

اچانک اقراء لوگوں کو نوابشاہ جانا پڑا' اس کے دادا کی طبیعت اچانک ہی خراب ہو گئی تھی جانے سے پہلے وہ منال سے ملنے آئی۔

''تم بھی جا رہی ہو''۔ منال کا دل اس کے جانے کی خبر سن کر ڈوبا' ایک وہی تو تھی جو اس کے حال سے واقف تھی' جس سے وہ اپنے دل کی ہر بات کر لیتی تھی۔

''جانا تو پڑے گا یار! پر میں کوشش کروں گی تمہاری شادی تک لوٹنے کی''۔ وہ منال سے گلے ملتے ہوئے بولی۔

''اوکے اپنا خیال رکھنا اور انکل آنٹی کو تنگ کرنا چھوڑ دو''۔

☆

مایوں' مہندی اور پھر آج شادی کا دن بھی آ پہنچا تھا' اقراء نہیں آ سکی تھی منال اسے کافی مس کر رہی تھی اس کی کال آ گئی۔

''میں نہیں آ سکتی منال! یہاں دادا کی طبیعت کافی خراب ہے' تمہارے لئے بیسٹ وشز' میں واپس آتے ہی تم سے ملنے آؤں گی' اوکے اپنا خیال رکھنا''۔

''اوکے اللہ حافظ''۔ اس نے فون بند کر دیا۔

☆

بلڈ ریڈ اور گولڈن کلر کے خوبصورت لہنگے میں وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی' بیوٹیشن نے بڑی مہارت سے اسے سنوارا تھا' نکاح کے بعد اسے اسٹیج پر لا کر بٹھا دیا گیا۔

''منال! دیکھو دولہا آ رہا ہے''۔ اس کی کزن نے ٹوکا' مگر اس نے نظریں نہیں اٹھائیں وہ آ کر اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔

''ماشاءاللہ! چاند سورج کی جوڑی ہے''۔ نہ جانے کس نے کہا تھا' وہ اسی طرح گردن جھکائے بیٹھی رہی' رخصتی میں وہ ساری ناراضگی بھول بھال مما پاپا اور زین کے گلے لگ کر خوب ہی روئی تھی۔

☆

منال کا میک اپ درست کر کے عائزہ اسے حجلہ عروسی میں چھوڑ کر چلی گئی' کمرے کے باہر چاپ ابھری

وہ کچھ اور سمٹ کر بیٹھ گئی۔

''نہ جانے کیسے سامنا کروں گی......؟'' اس نے آنکھیں میچ کر سوچا۔

''اسلام علیکم......'' وہ اس کے قریب بیٹھتے تو اس نے گردن کچھ اور جھکالی۔

انہوں نے گھونگھٹ اٹھایا منال نے آنکھیں میچی ہوئی تھیں۔ وہ چند ثانئے دیکھتے رہے پھر بولے۔

''مانا کہ آپ بہت خوبصورت ہیں پر اتنا خوفناک تو میں بھی نہیں کہ آپ بنا دیکھے آنکھیں میچ لیں''۔

''اب تو یہ مجازی خدا ہیں''۔ منال نے سوچا اور آہستہ آہستہ آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا' اس کی سانسیں تھم گئی تھیں وہ بنا پلکیں جھپکائے اپنے مجازی خدا کو دیکھ رہی تھی۔

''کیا ہوا......؟'' انہوں نے اس کے آگے ہاتھ لہرایا' مگر اس کی محویت نہیں ٹوٹی تھی۔

''مجھے دوستوں کی بات کا اعتبار آ ہی گیا''۔ وہ قدرے جھک کر بولے۔

''کون سی بات......؟'' وہ جیسے خواب میں بولی۔

''وہ لوگ کہہ رہے تھے کہ بھابی تجھے دیکھتے ہی بت بن جائیں گی' انہوں نے ٹھیک ہی کہا تھا' تم مجھے ایسے ہی دیکھ رہی ہو''۔ وہ شرارت سے دیکھتے ہوئے بولے۔

''ہاں......'' وہ چونکی، پھر نظریں جھکالیں۔

''اوہ...... میں تو بھول ہی گیا''۔ وہ سر پر ہاتھ مار کر بولے اور اٹھ کر وارڈ روب کھنگالنے لگے۔

''کہاں رکھ دی......؟'' وہ بڑبڑائے۔

''کیا ڈھونڈ رہے ہیں......؟'' منال نے پوچھا۔

''تمہارا گفٹ''۔ انہوں نے وارڈ روب میں گھسے گھسے جواب دیا۔

''پتا نہیں کہاں رکھ دیا میں نے......؟''

''کہیں یہ تو نہیں......؟'' منال نے سائیڈ سے مخملیں کیس نکالا۔

''ہاں یہی تو ہے''۔ انہوں نے وارڈ روب کا دروازہ بند کیا۔

''پر تمہیں کیسے پتا کہ یہ یہاں رکھا ہے......؟'' وہ کیس سے بریسلٹ نکالتے ہوئے بولے۔

''عائزہ آپی کہہ کے گئی تھیں کہ اپنے بھلکڑ دولہے کو بتا دینا کہ رونمائی کا تحفہ یہاں رکھا ہے''۔ منال سادگی سے بولی' جاذب نے اسے گھور کر دیکھا اور پھر سر ہلاتے ہوئے بولے۔

''ہاں! میں تھوڑا بھلکڑ ہوں اب تم ہی مجھے اور میری چیزوں کو سنبھال لینا''۔

''تو آپ بادام کیوں نہیں کھاتے......؟'' منال نے ان کی بات نظر انداز کر دی۔

''بادام...... کھانے کی بھی خوب ہی کہی' ارے اسے کھانے کے لئے بھی تو یاد رکھنا پڑتا ہے''۔ وہ بریسلٹ پہناتے ہوئے بولے۔ وہ کھڑی ہوگئی۔

''کہاں جا رہی ہو......؟'' جاذب نے پوچھا۔

''چینج کرنے''۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

''اتنی جلدی ابھی تو میں نے تمہیں ٹھیک سے دیکھا بھی نہیں''۔

''تو اتنی دیر سے کیا کر رہے تھے......؟'' وہ آئینے میں ان کا عکس دیکھتے ہوئے بولی۔

''اتنی دیر گفٹ ڈھونڈنے میں نہیں لگی''۔ وہ جھنجھلا گئے۔

''ایکچوئیلی......'' منال نے پلٹ کر انہیں دیکھا۔

''میں نوافل پڑھنا چاہتی ہوں آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں''۔

''نوافل......'' انہوں نے حیرت سے اسے دیکھا اور بولے۔

''نہیں مجھے بھلا کیوں اعتراض ہوگا''۔

''تھینکس......'' وہ پلٹ کر جیولری اتارنے لگی اور

جاذب دل ہی دل میں عائزہ سے مخاطب ہوئے تھے۔

''تھینکس عائزہ! اتنی اچھی بیوی پسند کرنے کے لئے' نیک بیوی نعمت ہوتی ہے''۔ منال نے سلام پھیرا تو اپنے برابر میں جاذب کو بھی کھڑے پایا' اس نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے' اور شکر کے ساتھ ساتھ اپنے آنے والے خوشگوار زندگی کے لئے بھی دعائیں مانگتی رہی۔ سارے مہمان ایک ایک کر کے رخصت ہوگئے' عائزہ اور اس کی فیملی بھی ایک ہفتے بعد جانے کو تیار تھی' منال اور جاذب انہیں رخصت کرنے ایئر پورٹ آئے تھے۔

''اچھا منال! خیال رکھنا اپنا اور اس کا' اللہ حافظ''۔ عائزہ گلے ملتے ہوئے بولی۔

آج اتوار تھا اور صبح ہی سے تیز بارش ہو رہی تھی منال' جاذب کی فرمائش پر پکوڑے اور فش فرائی کر رہی تھی' فون کی بیل کب سے ہو رہی تھی۔

''جاذب...... ! فون ریسیو کر لیں''۔ اس نے دو تین بار آوازیں لگائیں مگر جاذب تو نہ جانے کہاں مصروف تھے۔ منال چولہا بند کر کے کچن سے نکل آئی۔

''ہیلو......'' اس نے کال ریسیو کی۔

''اقراء......'' اس نے آواز سنتے ہی فلک شگاف نعرہ لگایا۔ ٹیرس پر بھیگتے ہوئے جاذب اس کی چیخ سن کر دوڑے اسے صحیح سلامت کھڑا دیکھ کر انہوں نے سکون کا سانس لیا۔

''تم کب آئیں......؟'' اس نے پوچھا۔

''اچھا...... اچھا...... ہاں ٹھیک ہے' عمیر کے ساتھ آ جاؤ اسے پتا ہے''۔ اس نے اقراء کے بھائی کا نام لیا' ریسیور رکھ کر وہ مڑی اور جاذب کو کھڑے دیکھ کر بولی۔

''اقراء آ رہی ہے میری فرینڈ' میں نے بتایا تھا نا آپ کو اس کے بارے میں''۔

''ہاں......'' انہوں نے اثبات میں سر ہلایا اور واپس جانے کے لئے مڑے تب۔

''کہاں......؟'' وہ جلدی سے انکے سامنے آئی۔

''بس بہت بھیگ لئے' جلدی سے جائیں اور کچھ ریفریشمنٹ کا سامان لے آئیں''۔

''اتنی بارش میں''۔ انہوں نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''ہاں......'' اس نے گردن ہلائی۔

''یار! گھر میں اتنا کچھ تو رکھا ہے''۔ وہ جھنجھلائے۔

''رکھا ہے پر اگر آپ دو چار چیزیں اور لے آئیں گے تو کیا ہو جائے گا''۔ اس نے جلدی سے رین کوٹ انہیں پکڑا دیا۔

''ارے بھئی...... چینج تو کرنے دو''۔

''اچھا ٹھیک ہے''۔ وہ کچن میں جاتے ہوئے بولی۔ جاذب کو گئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ڈور بیل بجی' منال بے تابی سے دروازے کی طرف دوڑی اور دروازہ کھولتے ہی اقراء سے لپٹ گئی۔

''عمیر کہاں گیا......؟'' اس نے کافی دیر بعد اقراء کا گلا چھوڑا تھا۔

''بھاگ گیا ہے وہ پکنک پر جا رہے ہیں سب فرینڈز میں تو اسے زبردستی لے آئی تھی''۔ وہ کہتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔

''اب تمہیں مجھے چھوڑ کر آنا پڑے گا کہاں ہے دولہا بھائی......؟'' وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔

''آ رہے ہیں ذرا صبر رکھو''۔ منال مسکرائی۔

''تمہیں دیکھ کر لگ رہا ہے کہ تم اسے بھول گئی ہو ہیں نا''۔ اقراء اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''نہیں بھئی...... ایسا میں نے کب کہا''۔ وہ مسکرائی۔

''تو پھر......'' اقراء نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس سے پہلے وہ کچھ کہتی ڈور بیل بجی' وہ جاذب کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو اقراء کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''یہ مجھے ایسے کیوں دیکھ رہی ہے جیسے میرے سر پر سینگ نکل آئے ہیں......؟'' جاذب نے منال سے سرگوشی کی۔

''آپ یہی سمجھ لیں''۔ منال کھلکھلائی۔

''مطلب......؟'' انہوں نے منال کو گھورا۔

''منال! ایسا بھی ہوتا ہے''۔ اقراء حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھی۔

''بالکل اقراء ڈیئر! معجزات اسی دنیا میں ہوتے ہیں''۔ وہ بشاشت سے بولی۔

''کیسا معجزہ؟ کوئی مجھے بھی تو کچھ بتاؤ''۔ جاذب نے الجھن سے باری باری دونوں کو دیکھا۔

''یہ اس کی کرنی ہے یہی آپ کو بہتر طور پر سنا سکے گی''۔ اقراء نے منال کی طرف اشارہ کیا۔ انہوں نے منال کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''تم سنا دو......'' منال نے اقراء سے کہا۔

''نہیں تم خود سناؤ گی''۔ وہ قطعیت سے بولی۔

''اوہ گاڈ......'' جاذب نے سر تھام لیا۔

''اچھا میں بتاتی ہوں''۔ منال نے کہنا شروع کیا۔

''میں نے آپ کو پہلی بار ایک بک اسٹال پر دیکھا تھا......'' اس نے پوری بات بتا کر جاذب کو دیکھا جن کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے اور بے اختیار ان کے منہ سے نکلا۔

''اوہ گاڈ ایسا بھی ہوتا ہے''۔

''یہی...... بالکل یہی الفاظ میرے دل نے بھی کہے تھے''۔ منال مسکراتے ہوئے بولی۔

''اقراء سے تو آپ ملے تھے نا پھر پہچان کیوں نہیں رہے' شاید باداموں نے ابھی اثر کرنا شروع ہی نہیں کیا''۔ منال شرارت سے بولی۔

''نہیں...... میں ان سے ملی ہی نہیں تھی''۔ اقراء بولی۔

''مطلب......'' اب حیران ہونے کی باری منال کی تھی۔

''مطلب یہ کہ میں نے تم سے جھوٹ کہا تھا کہ ان کا نام ہارون ہے اور وہ بچے ان کے ہیں اور یہ شادی شدہ ہے' دراصل میں ان سے ملی ہی نہیں تھی' تمہیں اس محبت سے نکالنے کا مجھے ایک یہی راستہ نظر آیا تھا''۔ منال کو خطرناک تیوروں سے آگے بڑھتے دیکھ کر اس نے جلدی سے صفائی پیش کی۔

''کون سے بچے......؟'' جاذب الجھ گئے۔

''وہ......'' منال نے اقراء کو گھورتے ہوئے پوری بات بتائی۔

''اچھا......'' وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولے۔

''عائزہ کے بچے تھے''۔

''ایگزیکٹلی...... میں نے بچوں کو دیکھا ہی نہیں تھا میں تو آپ کو دیکھ رہی تھی''۔ وہ سادگی سے بولی تو جاذب اور اقراء زور سے ہنس پڑے۔

''ہنس لو...... لیکن میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں' تم کتنے آرام سے مجھے روتے ہوئے دیکھتی رہی تھی''۔ منال دانت پیستے ہوئے اقراء کی طرف بڑھی۔

''ارے...... ارے منال!'' جاذب نے اسے تھاما اور صوفے پر بٹھایا۔

''اقراء نے جو کچھ بھی کیا پورے خلوص سے تمہاری مدد کرنے کے لئے ہی کیا ناں اس میں اس کی کیا غلطی ہے''۔ وہ مسکراہٹ دبا کر اسے سمجھا رہے تھے' منال نے اقراء کی طرف دیکھا جو بے چارگی سے جاذب کی ہاں میں ہاں ملا رہی تھی۔

منال کو ہنسی آنے لگی اس نے ہنسی روکنے کی کوشش کی وہ ابھی مزید خفگی دکھانا چاہتی تھی' مگر ہنسی پھلجھڑی کی طرح چھوٹ پڑی اس کی ہنسی میں جاذب اور اقراء کے قہقہے بھی شامل ہو گئے' ہنستے ہنستے منال کی آنکھوں میں پانی آ گیا' اس نے پانی صاف کرتے ہوئے محبت سے جاذب کی طرف دیکھا اسے اس ادھورے خواب کی مکمل تعبیر مل گئی تھی۔

☆

روشنی فاطمہ

افسانہ

تمہیں ہماری بہار رہنا

''ماشاءاللہ نیہا کی سسرال نے ہر چیز بہت اچھی دی ہے' جوڑے' چوڑیاں سینڈلیں' پرس ایک ایک چیز قیمتی لگ رہی ہے''۔ شگفتہ ہر ایک چیز کو ہاتھ میں لے کے رشک بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔



''قیمتی لگ نہیں رہی ہے قیمتی ہے ہر ایک چیز''۔ سعیدہ خاتون نے تصحیح کرتے ہوئے جتایا۔

''کرتا کیا ہے لڑکا......؟'' شگفتہ نے اشتیاق سے بیگ کو ہاتھ میں لیتے ہوئے پوچھا۔

''اپنی لیدر فیکٹری ہے' ماشاءاللہ......'' سعیدہ کا کالر فخر سے بلند ہو گیا جیسے وہ اپنے بارے میں بتا رہی ہوں۔

''ماشاءاللہ''۔ وہ خاصی مرعوب ہوئیں۔

''گلشن اقبال میں بنگلہ ہے ان لوگوں کا' کشادہ کمرے اور پھولوں اور درختوں سے بھرا وسیع وعریض لان' گیراج میں ہر وقت دو گاڑیاں کھڑی رہتی ہیں' ایک سے بڑھ کر ایک قیمتی کپڑا پہنتے ہیں وہ لوگ' اور ہر روز تین تین ڈشز پکتی ہیں' ان کے گھر فریج ہر وقت پھلوں سے بھرے رہتے ہیں''۔ سعیدہ خاتون مستقل نیہا کی سسرال کی قصیدہ گوئی کر کے ان کے حسد کو بڑھا رہی تھیں۔

''بھابی! وہ تو سب ٹھیک ہے پر تحقیق بھی کروائی آپ نے ان کی یا نہیں......؟'' شگفتہ نے اپنی دانست میں بہت زبردست نکتہ اٹھایا تھا۔

''ارے شگفتہ! بڑے لوگوں کی کیا تحقیق کروانی' تحقیقات تو چھوٹے گھرانوں سے تعلق رکھنے والوں کی کروائی جاتی ہے''۔ سعیدہ کو بہت ناگوار گزرا تھا ان کا



طرح سے سوال کرتا۔

''یہ کیا بات کی بھابی آپ نے......؟ بڑے لوگ کیا ہوتے ہیں......؟ بڑے گھروں میں رہائش رکھنے والے بڑے لوگ اور چھوٹے مکانوں میں رہنے والے چھوٹے لوگ......؟'' شگفتہ کو ان کی منطق سمجھ میں نہ آئی تھی۔

''چھوٹے اور بڑے لوگوں کی پہچان اس طرح نہیں کی جاتی بھابی! انسان کا کردار' اخلاق' رہنے سہنے کے طور طریقے' بات چیت کا انداز یہ سب ظاہر کرتا ہے کہ انسان کس سطح پر ہے' اونچا ہے' یا نیچا' چھوٹا ہے یا بڑا''۔

''یہ سب کہنے کی باتیں ہیں شگفتہ! آج کل جس کے پاس دولت ہے وہی بڑا ہے وہی اونچا ہے اور بہترین بھی''۔ ان کا لیکچر انہیں ایک آنکھ نہ بھایا' جانتی تھیں وہ صرف اور صرف اپنے اندر بڑھتے ہوئے حسد کی خاطر انہیں زیر کرنا چاہتی ہیں۔

''یہ کوئی پیمانہ نہیں ہے انسانیت کو جانچنے کا' دنیاداری کے مطابق آپ کی سوچ کا معیار ٹھیک ہے مگر میرا تو یہ ہی مشورہ ہے ابھی تو منگنی ہوئی ہے اب بھی وقت ہے اچھی طرح چھان بین کروالیں' ایسا نہ ہو کل کلاں سر پیٹنا پڑے''۔ ان کے منہ میں جو آیا وہ بولنے چلی گئیں' سعیدہ کے تو تن بدن میں گویا آگ لگ گئی جی چاہا ابھی دھکے دے کر گھر سے نکال باہر کریں۔

''انسان اگر بات اچھی نہ کرسکتا ہو تو اس سے چپ ہی بھلی' یہ کیسی بدفال نکال رہی ہو منہ سے' نیہا میری بیٹی ہی نہیں تمہاری بھتیجی بھی ہے یہ کیوں بھول رہی ہو تم''۔

''جانتی ہوں تب ہی تو کہہ رہی ہوں' عقل سے کام لیں یہ کام اس طرح آنکھ بند کرکے نہیں کئے جاتے' ایسے معاملات میں آنکھیں کھلی رکھنا پڑتی ہیں''۔ وہ بھی' سعیدہ کے ماتھے پر ناگواری سے شکنیں ابھر آئیں' چہرے سے اندرونی جذبات نمایاں تھے' وہ بھی جانتی تھیں ان کی ایک ایک بات انہیں زہر لگ رہی ہوگی۔

''میں تو آپ لوگوں کا بھلا چاہتی ہوں تب ہی مشورہ دے رہی ہوں اگر میری باتیں بری لگ رہی ہیں تو معذرت''۔ ان کے تاثرات کو سمجھتے ہوئے انہوں نے ماحول کو اور خود کو اس کشیدگی سے نکالنے کے لئے لہجے کو نارمل کرنے کی کوشش کی۔

''بہت شکریہ تمہارے ان نادر خیالات و مشورے کا' ہم اپنا بھلا برا خوب سمجھتے ہیں کسی کو سمجھانے یا بتانے کی قطعی ضرورت نہیں ہے''۔ وہ تنک کر بولیں۔

''ٹھیک ہے بھئی آپ جانیں اور آپ کا کام' ہم تو چلے''۔ وہ گھٹنوں پر زور دے کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''اللہ حافظ بھابی''۔ سلیپر پہنتے ہوئے انہوں نے باآواز بلند کہا۔

''ارے پھپھو! آپ جارہی ہیں''۔ نیہا ٹرے میں اورنج جوس کا گلاس لئے چلی آئی۔

''یہ جوس لائی تھی میں آپ کے لئے''۔

''یہ تم اپنی امی کو دے دو انہیں ضرورت ہے اس کی''۔ یہ کہہ کر ایک نگاہ ان پر ڈالی جو بے حد خشمگیں نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

''پھر کبھی آؤں گی''۔ وہ کہتے ہوئے بیرونی دروازے کی جانب بڑھ گئیں تو نیہا حیرانی سے شانے اچکاتی اندر آگئی۔

''یہ لیں امی......'' اس نے جوس ان کی جانب بڑھایا۔

''نہیں نیہا لے جاؤ''۔ ڈپٹنے والے انداز میں انہوں نے حکم دیا تھا۔

''کیا ہوا امی! کوئی بات ہوئی ہے کیا......؟''

''بات تو ہونی ہی تھی تمہاری پھپھو صاحبہ تشریف فرما ہوں اور کوئی بات نہ ہو یہ ممکن کیسے ہوسکتا ہے بھلا''۔ دانت پیس کر بتاتے ہوئے اپنا غصہ نکالا۔

''اوہ......تو پھر کسی بات پر بحث ہوئی ہے''۔ منہ ہی منہ میں خود سے کہہ کر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے وہ گلاس ٹرے میں رکھ اٹھ کھڑی ہوئی' اب کم از

کم تین سے چار دن تو اماں کا موڈ خراب رہنا ہی ہے۔ یہ سوچ کر ہی اسے کوفت ہونے لگی تھی۔

☆

''کیا بات ہے موڈ کچھ خراب لگ رہا ہے آپ کا''۔ محمود صاحب چائے پیتے ہوئے مستقل انہیں بے زار بے زار سا دیکھ رہے تھے' ٹی وی دیکھتے ہوئے بھی منہ پر بارہ بج رہے تھے۔

''موڈ کیا' دماغ خراب کردیا آج آپ کی بہن صاحبہ نے''۔ وہ تو گویا منتظر تھیں ان کے پوچھنے کی فوراً پھٹ پڑیں۔

''ارے...... شگفتہ آئی تھی آج' تم نے بتایا ہی نہیں''۔

''اب جو بتارہی ہوں آپ کو''۔ ان کا دماغ اب تک کھول رہا تھا۔ سو لہجہ بھی گرم تھا۔

''کیا ہوا......؟ کوئی جھگڑا ہوا ہے کیا اس سے......؟'' محمود صاحب نے تفتیشی انداز اختیار کیا۔

''جی ہاں! شگفتہ بیگم کی آمد ہو اور گھر میں امن و سکون سلامت رہے ایسا کبھی ہوا ہے......؟'' شکایت ہی شکایت تھی انہیں تو ان سے بھی اور ان کی عزیز از جان بہن شگفتہ سے۔

''آخر پتہ تو چلے ایسی کیا بات ہوئی کہ آپ کا سکون و چین برباد ہوگیا''۔ انہیں بھی غصہ آگیا ان کی جلی کٹی سن کر۔

''بات وات کیا ہونی تھی' حسد میں آگئی ہے شگفتہ اور اسی آگ میں جل کر اول فول کہہ رہی تھی''۔

''کیا پہیلیاں بجھوا رہی ہیں آپ......؟ صاف بتائیں کیا کہہ دیا شگفتہ نے''۔ ان کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

''نیہا کے سسرال سے حسد کررہی ہے' جل کر خاک ہوگئی جب میں نے آذر کی فیکٹری اور گھرانے کے بارے میں بتایا''۔ وہ دل ہی دل میں خوشی محسوس کررہی تھیں اس کے جذبات پر۔

''کہہ رہی تھیں کہ ہمیں تحقیق کروانی چاہئے تھی آذر کے بارے میں ہونہہ...... جانتی ہوں حسد میں اس سے یہ برداشت نہیں ہورہا کہ نیہا کا کہیں اچھی جگہ رشتہ طے ہو''۔ ان کے کہنے پر چند لمحے وہ سوچ میں پڑ گئے۔

''سعیدہ! اگر ٹھنڈے دل سے سوچو تو کچھ غلط بھی نہیں کہہ رہی ہے وہ''۔ محمود صاحب نے نرمی سے انہیں سمجھانا چاہا۔

''ماشاء اللہ یک نہ شد دو شد' بہن صاحبہ تو کہہ ہی رہی تھیں اب آپ بھی بہن کے ہمنوا بن گئے بہت خوب''۔ وہ سلگ ہی تو گئیں۔

''تو اس میں حرج ہی کیا ہے تم خود ہی بتاؤ آج کل کے دور میں کسی پر آنکھ بند کرکے اعتبار کرلینا کہاں کی عقلمندی ہے بھلا''۔ وہ کہہ کر چپ ہوگئے پھر پرسوچ انداز میں گویا ہوئے۔

''غلطی ہوگئی جو میں نے بھی صرف روبینہ کے یقین دلانے پر حامی بھرلی' تب ہی کہتے ہیں ایسے کاموں میں دوسروں کی صلاح لے لینی چاہئے''۔

''اگر شگفتہ کی صلاح و مشورہ لیتے ناں تو کبھی ہماری نیہا کا اتنے اچھے گھر میں رشتہ نہ ہو پاتا' میں تو کہتی ہوں اچھا ہوا جو ہم نے منگنی طے کرنے کے بعد اسے بتایا''۔ وہ ان کی بات پر چمک کر بولیں۔

''روبینہ میری بہن ہے' کبھی ہماری بیٹی کے لئے برا نہ چاہے گی''۔ انہوں نے جتا کر باور کرایا۔

''آپ کا کیا خیال ہے شگفتہ' نیہا کے لئے کچھ غلط کرسکتی ہے......؟'' وہ سرتاپیر سلگ گئے اپنی بہن کے بارے میں وہ الزام تراشی برداشت نہ کرسکتے تھے' اگرچہ انہوں نے صاف لفظوں میں شگفتہ کو ایسا نہیں کہا تھا مگر انہیں بہت ناگوار لگا تھا۔

''میں نے ایسا کب کہا' میں تو صرف اتنا کہہ رہی ہوں کہ شگفتہ اپنی بھڑاس تو نکالے گی ہی' حاشر کے رشتے کے انکار کے بعد اس کے جذبات میں صرف انتقام کا جذبہ حاوی ہے مجھے لگتا ہے وہ اس بات کو دل سے نکال

نہیں سکی ہے“۔
”یہ باتیں ایسی نہیں ہوتیں کہ جلد بھول جائیں‘ ظاہر ہے اس کی دلی خواہش تھی کہ نیہا‘ حاشر کی دلہن بنے مگر آپ کے بے جا اعتراضات کی وجہ سے......“ ان کے لہجے میں پچھتاوہ اور دکھ چھلکنے لگا تو وہ جھٹ بول اٹھیں۔
”اب جانے بھی دیں گزری ہوئی باتوں کو‘ آپ نے تو ساری چائے ٹھنڈی کردی“۔ وہ اٹھ کر ان کے صوفے کے قریب آگئیں اور ہاتھ سے کپ لے کر گرم کرنے کچن میں چلی گئیں‘ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ اس موضوع کو دوبارہ سے چھیڑا جائے‘ انکار کا سارا الزام وہ ہمیشہ کی طرح ان کے سر ڈال دیتے تھے۔

☆

محمود صاحب نے اپنے طور پر خوب اچھی طرح چھان بین کروائی آذر کی‘ اس کی ریپوٹیشن بہت اچھی تھی اس کے جاننے والوں اور عزیز و اقارب نے اس کی تعریف ہی کی‘ محمود صاحب اب دلی طور پر پرسکون و مطمئن تھے کہ ان کا فیصلہ غلط نہیں ہے‘ اب تو سعیدہ سینہ ٹھونک کر فخر سے آذر اور اس کے گھر والوں کی ہر آنے جانے والوں سے تعریفیں کرتیں اور زمین و آسمان کے قلابے ملاتیں‘ شیخیاں بگھارنا اور اپنی بڑائی کرنا ان کا پرانا مشغلہ جو تھا‘ ان کا تعلق ان لوگوں میں سے تھا جو ظاہری رکھ رکھاؤ اور دکھاوے کی دنیا کو پسند کرتے ہیں اور انہی میں جینا چاہتے ہیں مال و دولت زر و جواہر ان کے خیال میں زندگی میں اگر یہ سب کچھ دسترس میں ہو تو نہ تو انسان کو کوئی دکھ ہوسکتا ہے اور نہ ہی وہ کسی مشکل میں گرفتار ہوسکتا ہے کیونکہ ہر چیز کا حل دولت اور ہر پریشانی کا علاج پیسے سے کیا جاسکتا ہے وہ یہ بات بھول گئی تھیں کہ مال و دولت آنی جانی شے ہے جسے ہاتھوں کا میل بھی کہا جاتا ہے جب دنیا میں ہر چیز فانی ہے تو بھلا پیسہ کیونکر تحفظ و سکون کا ضامن ہوسکتا ہے۔

☆

”حاشر پلیز! میری ہیلپ کردو“۔ وہ اسے دن میں تین سے چار مرتبہ کال کرچکی تھی‘ پہلے انداز پوچھنے والا تھا اب ملتجیانہ تھا۔
”تمہیں کوئی اور نہیں ملا جو تمہاری مدد کرسکے“۔ حاشر مصروف سے انداز میں بولا‘ لہجے میں عدم دلچسپی نمایاں تھی وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ بے حد بزی ہے۔
”کیا کروں حاشر! کزن‘ دوستیں بہت ہیں میری‘ مگر تمہارے جیسی عقل اور ٹیلنٹ کسی کے پاس نہیں“۔ وہ سچائی سے کہہ رہی تھی۔
”اوہ! مکھن لگانے کی ضرورت نہیں ہے اوکے“۔ وہ ہنسا۔
”میں کوئی مکھن وکھن نہیں لگا رہی حاشر! واقعی تم میرے حلقہ احباب میں سب سے بریلینٹ مائنڈ رکھتے ہو“۔ وہ اعتراف کرگئی۔
”شکر ہے کسی نے مانا تو سہی کہ اندھوں میں کانے راجہ ہیں ہم“۔ وہ پھر ہنس دیا۔
”تو بتاؤ! ہیلپ کروگے میری......؟“ وہ فوراً اپنے اصل موضوع پر آئی۔
”جی جناب! بتایئے ہم کیا خدمت کرسکتے ہیں آپ کی......؟“ اک ادا سے اس نے پوچھا تو وہ کھلکھلا اٹھی۔
”یہ میں فون پر نہیں بتاسکتی نوٹس کے سلسلے میں ہیلپ چاہیے کل لازمی سب مٹ کرنی ہے“۔
”اوکے پھر تم گھر آؤگی یا میں آؤں......؟“
”تم آجاؤ‘ مجھے تو امی جانے نہیں دیں گی“۔
”کیوں......؟“ وہ حیران ہوا۔
”بس امی نے زیادہ آنے جانے پر پابندی عائد کردی ہے“۔
”پھر بھی کوئی تو وجہ ہوگی......؟“ اس نے کریدا۔
”امی کے اصول اور ان کی منطق آج تک کوئی نہیں جان سکا“۔ پتہ نہیں وہ شکایت کررہی تھی یا اطلاع

دے رہی تھی۔
”ٹھیک کہہ رہی ہو‘ امی کے صرف اصول کیا‘ مجھے تو امی کی ہی سمجھ نہیں آتی کہ وہ کس بات پر خفا رہتی ہیں مجھ سے“۔ اس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے اپنی رائے دی۔
”تم بس ایک گھنٹے کے اندر اندر آجاؤ گھر“۔ اس نے جلدی آنے کی تلقین کی۔
”یہ جاننے کے باوجود کہ امی......“
”ہاں ہاں جانتی ہوں کہ امی تمہارے یہاں آنے پر معترض رہتی ہیں‘ مگر حاشر! ان کے اعتراض سے ہمارا رشتہ تو نہیں ختم ہوسکتا ناں......؟“
”اوکے! آجاؤں گا مگر میں نہیں چاہتا کہ میرے آنے سے تمہارے لئے کوئی پرابلم ہو“۔ وہ حقیقتاً اس بات سے خوف زدہ تھا اس کی وجہ سے کوئی پرابلم میں آئے وہ ایسا ہرگز نہیں چاہتا تھا۔
”اوکے بھئی! تمام نتائج کی ذمہ داری میری ہے“۔ اس نے مصنوعی سنجیدگی سے کہا تو وہ ہنس دیا ساتھ وہ بھی قہقہہ لگا اٹھی۔
”یہ موضوع تو ایسا ہے نیہا! جس پر بہت کچھ لکھا اور بولا جاسکتا ہے بے روزگاری تو واقعی ہمارے ملک کا سب سے اہم مسئلہ ہے“۔
”ہوں......تب ہی پروفیسر شاہد نے یہ عنوان دیا ہے تاکہ ہر اسٹوڈنٹ کی اہلیت اور سوچوں کی سطح و معیار کا اندازہ کیا جاسکے کہ آج کا نوجوان کیا سوچتا ہے“۔ نیہا نے ٹیبل پر رجسٹر کھولا۔
”تو یہ تو میری سوچ ہوگی میں تم سے جو بھی ڈسکس کروں گا تم وہی ورڈ بائے ورڈ لکھ ڈالوگی‘ اس میں تمہاری سوچ کا کیسے اندازہ ہوسکے گا“۔ اس نے چھیڑنے والے انداز میں کہہ کر اس کی چیئر کے برابر رکھی چیئر کو گھسیٹ کر پرے کیا۔ وہ خجل سی ہوکر سر جھکا کر رہ گئی‘ جواب ہی نہ بن پڑا اپنے دفاع میں کچھ کہنے کے لئے۔
”بہرحال اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں“۔ وہ مسکراتا ہوا بیٹھ گیا۔
”بے روزگاری کی اصل وجہ میرے خیال میں تو نوجوانوں کی اپنی سوچ ہے“۔
”وہ کیسے......؟“ اس نے چونک کر پوچھا۔
”دیکھو ناں...... نوجوانوں کا 98 فیصد طبقہ وہائٹ کالر جاب کے حصول کے لئے کوشاں ہے Opportunity کے بہ نسبت جاب لیس نوجوانوں کی تعداد زیادہ ہے ظاہر ہے پھر ہر ایک کو تو وہائٹ کالر جاب نہیں مل سکتی“۔ اس نے سنجیدہ ہوتے ہوئے اظہار خیال کیا۔
”ظاہر ہے حاشر! جب کوئی بھی شخص اتنی محنت سے ایجوکیشن حاصل کرتا ہے تو ایسی جاب کا حصول تو اس کا حق ہے نا“۔
”بالکل......مگر جب ایرجونٹی فل ہوجاتی ہے کتنے ہی نوجوان اس وہائٹ کالر جاب سے محروم رہ جاتے ہیں“۔ وہ کہہ کر رکا اور پھر اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔
”مسئلہ یہ ہے کہ ہم محنت کے عادی ہی نہیں رہے ہم کیوں صرف بڑا آدمی بننے کا خواب دیکھتے ہیں‘ اور اس بڑے آدمی کی کیا Defination ہے ہماری سوچ کے مطابق‘ ایک سوٹڈ بوٹڈ شخص جو آرام دہ چیئر پر بیٹھ کر کام کرے اور چپڑاسی پر اپنا حکم چلائے اور اس سے بدتمیزی سے پیش آئے......؟“ اس کے ماتھے پر ان گنت شکنیں نمودار ہوگئیں وہ شاید ایسے لوگوں سے آشنا تھا یا پھر یہ اس کے تجربات تھے۔
”بات ہماری محدود سوچ کی ہے‘ ہم ڈگری ہاتھ میں تھامے دربدر کی ٹھوکریں کھاتے ہیں صرف بڑا آدمی بننے کے لئے‘ ہمارے ہاتھ میں ڈگری ہے تو ہم صرف ایک ہی طرف سوچتے رہتے ہیں نوکری ملتی نہیں تو وقت یوں ہی بڑا آدمی کے انتظار میں ضائع کردیتے ہیں‘ ہم محنت سے کیوں گھبراجاتے ہیں؟ وہ سبق کیوں فراموش کر بیٹھتے ہیں جو ہمارے بچپن میں پڑھایا گیا تھا‘ محنت

میں عظمت''۔ وہ کہتے کہتے خاموش ہوا' نیہا بغور اس کی باتیں سن رہی تھی اور نوٹ بھی کرتی جا رہی تھی۔

''مگر اب تو ہمیں محنت میں ذلت محسوس ہوتی ہے' عار محسوس کرتے ہیں محنت سے کمانے میں' اس لئے کہ......لوگ کیا کہیں گے کہ پڑھ لکھ کر گنوا دیا''۔ اس کا لہجہ طنز آمیز ہو گیا۔

''یہ سوچ انفرادی نہیں اجتماعی سوچ ہے جس نے اس معاشرے کو جنم دیا ہے محنت میں عظمت کے سبق کو ہم نے کتابوں تک ہی محدود کر دیا کیونکہ ہم کتاب پر یقین تو رکھتے ہیں مگر عمل کرنے سے کتراتے ہیں کیونکہ علم حاصل کر کے عمل نہ کرنا ہمارا شیوہ ہے جب قرآن جیسی کتاب کے فرمانوں کو فراموش کر سکتے تو بھلا کسی اور سبق اور علم کو اہمیت کیونکر دے سکتے ہیں''۔ وہ بے حد سنجیدہ ہو گیا' معاشرے کی سوچ و عمل پر وہ خاصا رنجیدہ تھا' نیہا نے پہلی بار اس کی سوچوں کو پرکھا تھا وہ کتنا بردبار تھا وہ حیرت زدہ سی ہو گئی۔

''ہم نے کام اور پروفیشن کو منقسم کر دیا ہے کہ یہ کام ویل ایجوکیٹڈ لوگوں کے کرنے کے ہیں اور یہ کام ان ایجوکیٹڈ لوگوں کے' آج ایسی سوچ رکھنے والے نوجوانوں کے گھر فاقہ کشی کی حالت ہے' گھروں میں پریشانیاں بڑھ رہی ہیں نوجوان خودکشی کی جانب مائل ہیں کیوں......؟'' جذبات سے کہتے کہتے اس کی سانس پھول رہی تھی وہ چند لمحے رکا پھر بات کو جاری رکھا۔

''وجہ صرف ہماری محدود سوچ ہے' ہمارے نوجوانوں کی اکثریت یورپین ممالک جانے کے لئے بے تاب ہے' وہاں ہمیں ڈگریوں کے مطابق جابز دی جاتی ہیں؟ کیا اس لئے ہم باہر جانے کے لئے اپنے والدین کی تمام عمر کی جمع پونجی تک ٹھکانے لگانے کے درپہ ہو جاتے ہیں؟ نہیں وہاں ہمیں ڈش واشرز شاپس پر ہیلپر کی جابز ملتی ہیں اور بہت زیادہ اگر وہ Ability کے قدر دان ہو جائیں تو ویٹر کی جاب بھی دے دیتے ہیں''۔ وہ آخر میں ایک پھیکی سی ہنسی ہنسا۔

''مگر یہ ہی کام ہم اپنے ملک میں کرتے ہوئے عار محسوس کرتے ہیں''۔

''تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو حاشر''۔ بالآخر اسے تائید کرنا ہی پڑی۔

''آج اگر ہم اپنی سوچ کو بدل لیں تو بے روزگاری کسی حد تک کم ہو جائے' میں بھی ان ہی نوجوانوں کی فہرست میں شامل تھا نیہا جو وائٹ کالر جاب حاصل کرنے کے لئے در بدر پھرتے ہیں مگر میں نے اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے اپنی سوچ کو بدلا' آج میں اپنے پیروں پر کھڑا ہوں کسی کا محتاج نہیں' سب کچھ تمہارے سامنے ہے جو کچھ بھی میں نے کیا وہ لفاظی نہیں' میری سوچ میرا عمل سب کے سامنے ہے''۔

وہ خود بی ایس سی فرسٹ ڈویژن تھا مگر ڈگری کے مطابق جاب کا حصول اس کے لئے بھی بہت مشکل ہو گیا تھا' بالآخر اس نے اپنا بزنس کرنے کی سوچی تھی آج مصروف شاہراہ پر اس کے میڈیکل اسٹور کی Repute تھی۔

''ویسے ایک بات کہوں حاشر!'' زیر لب تبسم چھپا کے اس نے متوجہ کیا' جگ سے پانی بھرتے ہوئے اس نے حیرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''ہاں کہو......؟'' اس نے گلاس اٹھا کر منہ سے لگایا۔

''تمہیں تو اس بار الیکشن میں کھڑے ہونا چاہئے''۔ اس کے جذباتی لہجے کو دیکھتے ہوئے وہ مزاحاً کہہ رہی تھی۔

''ہاہاہاہا''۔ وہ بھی زوردار آواز میں قہقہہ لگا اٹھا۔ کچن میں کام کرتی سعیدہ کے کان کھڑے ہو گئے ان کا خیال تھا وہ دس پندرہ منٹ میں یہاں سے جا چکا ہو گا' مگر اسے آئے ایک گھنٹہ گزر چکا تھا' ان سے رہا نہ گیا سب کام چھوڑ چھاڑ وہ اسٹڈی روم کی طرف چل دیں تھیں۔

''تم نے سنا نہیں شاید جو تقریر کرتے ہیں وہ

ہمارے موجودہ حکمرانوں کی طرح کے ہوتے ہیں تقریریں پرجوش ہوتی ہیں دعوے اور وعدوں سے بھرپور مگر عمل ذرہ بھر نہیں''۔ اس نے کہا تو وہ مسکرا کر بولی۔

''ہاں یہ بھی ٹھیک کہہ رہے ہو تم' تقریر سے عوام کا دل تو جیت لو گے مگر ووٹ نہیں''۔ وہ اس کی بات پر ہنس دیا۔ سعیدہ دروازے کی دہلیز پر ایستادہ خونخوار نگاہوں سے ان دونوں کے مسکراتے چہروں کو دیکھ رہی تھیں۔

''اسلام علیکم مامی! کیسی ہیں آپ......؟'' ان کو دیکھ کر دونوں کی ہنسی کو بریک لگ گئے۔

''وعلیکم سلام آج لگتا ہے بہت فارغ ہو تم''۔ اسے چبھتی ہوئی نظروں کے حصار میں لئے وہ کاٹ دار لہجے میں کہہ رہی تھیں' وہ جز بز ہو کر رہ گیا۔

''نہیں مامی! وہ دراصل نیہا کو ہیلپ چاہئے تھی نوٹس وغیرہ کے سلسلے میں تو...... اس لئے''۔ ان کی نگاہوں سے خائف ہو کر وہ وضاحت کرنے لگا۔

''بیٹا! مجھے تمہارے آنے جانے پر کوئی اعتراض نہیں ہے''۔ لہجہ ان کے الفاظ سے بالکل متضاد تھا۔

''بات اصل میں یہ ہے کہ اب وہ پہلی والی بات نہیں''۔ نیہا اور حاشر نے اچنبھے سے انہیں دیکھا وہ نہ جانے کیا کہنا چاہ رہی تھیں۔

''اب نیہا کی منگنی ہو چکی ہے اور آذر کو یہ بالکل پسند نہیں کہ نیہا اپنے کزنز وغیرہ سے زیادہ بات چیت یا میل ملاپ رکھے''۔ نیہا کو ان کا جھوٹ بولنا بہت برا لگا آذر نے کبھی محمود اور سعیدہ کی خیریت جاننے کے لئے کبھی فون نہ کیا تھا تو وہ نیہا سے کیا بات کرتا' منگنی کے بعد سے وہاں کی کوئی خیر خبر نہ تھی تو کسی معاملے پر اعتراض کرنا تو بہت دور کی بات تھی۔

''تم تو خود سمجھ دار ہو حاشر! رشتوں کی نزاکت کا خیال کیسے رکھا جاتا ہے اس سے بھی واقف ہو تم''۔ بہت چالاکی سے انہوں نے مبہم سے انداز میں اپنا موقف اس تک منتقل کیا تھا' وہ بھی سمجھ رہا تھا کہ وہ ڈھکے چھپے الفاظ میں کہنا چاہ رہی ہیں۔

''جی مامی! جانتا ہوں میں کہ یہاں پر آنا کس کس کو ناگوار گزرتا ہو گا' لہٰذا آئندہ آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گا''۔ یہ کہہ کر وہ ہاتھ میں پکڑا پین اور رجسٹر ٹیبل کے کارنر پر رکھتا ہوا دروازے کی دہلیز پر آ کر پلٹا۔

''اللہ حافظ''۔ سپاٹ سے لہجے میں کہتا وہ ان کے برابر سے نکلتا چلا گیا' نیہا نے خفگی سے انہیں دیکھا اور خاموشی سے کتاب کھول کر اس پر جھک گیا۔

☆

''بھابی نے ساری تیاری کر لی نیہا کی شادی کی اور ہمیں کچھ معلوم ہی نہیں''۔ شگفتہ کمرے میں پھیلے ہوئے سامان کو دیکھ کر شکایت کر رہی تھیں اپنے بھائی سے۔

''میں نے تو کہا بھی تھا کہ جب بھی شاپنگ کا ارادہ ہو شگفتہ کو ساتھ لے جانا مگر......'' وہ تھوڑے شرمندہ سے ہو گئے۔

''آپ کے کہنے سے کیا ہوتا ہے بھائی جان' ہمیں کوئی اپنا سمجھے تو ہر خوشی میں شامل بھی رکھے ناں''۔

''شگفتہ! تمہیں تو عادت ہے ہر بات پر اعتراض کرنے کی''۔ سعیدہ چائے لے کر آئیں اور ٹرے ٹیبل پر پٹخ ڈالی۔

''خوشیوں میں اپنوں کو ساتھ رکھا جاتا ہے بھابی''۔

''تم مصروف رہتی ہو ساس بیمار ہیں تمہاری اور تمہارے پیچھے گھر کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی ہے نہیں میں نے تو اسی خیال سے تمہیں نہیں بلایا کہ خوامخواہ میری وجہ سے پریشانی ہو گی تمہیں''۔ میٹھی چھری بننا تو ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔

''مگر مجھے کیا معلوم تھا اب بھی میں ہی بری کہلاؤں گی''۔ انہوں نے خفگی سے کہتے ہوئے چائے کا کپ اٹھایا۔

''اوں...... ہوں......'' کڑوا کسیلا منہ بناتے ہوئے شگفتہ نے چائے کا کپ منہ سے ہٹایا گھونٹ

بمشکل حلق سے اتارے ہوئے وہ بولیں۔

''کبھی تو چائے میں میٹھا ٹھیک رکھا کریں ہمیشہ ہی کم ہوتا ہے اپنے مزاج کی طرح کڑوی کسیلی چائے بنادیتی ہیں''۔ آخری جملہ قدرے دھیمی آواز سے کہا۔

''کبھی کوئی شگفتہ وشائستہ بات تو تمہارے لبوں سے بھی برآمد نہیں ہوتی' ہر بات پر اعتراض اور شکایت ہی ہوتی ہے''۔ سعیدہ کیونکر پیچھے رہتیں ان کے نام پر چوٹ کرتے ہوئے دل کی بات کہہ گئیں' محمود صاحب بجائے اس کے کہ غصہ کرتے ان کی بحث وتکرار پر خاموشی سے مسکراتے ہوئے چائے سے لطف اندوز ہوتے رہے' جانتے تھے یہ تکرار کبھی نہ ختم ہونے والی ہے۔

☆

''شادی میں ایک ہفتہ باقی ہے اور تم نے آذر کے لئے کچھ نہیں خریدا......؟'' محمود صاحب نے جب یہ بات سنی تو ان پر گرم ہوگئے۔

''آپ جانتے تو ہیں مجھے کوئی ایکسپیرینس نہیں ہے جینٹس کی خریداری کا''۔ ان کے غصہ ہونے پر وہ عذر پیش کرنے لگیں۔

''آذر کو فون کر کے بلالو تاکہ وہ خود اپنی مرضی سے خریداری کرلے شادی کی''۔ انہوں نے مشورہ دے ڈالا اس الجھن سے نجات پانے کے لئے۔

''ہاں...... یہ ٹھیک ہے''۔ وہ پرجوش انداز میں کہہ کر فوراً فون کی جانب بڑھ گئیں۔

''وہ مستقل نمبر ڈائل کر رہی تھیں مگر فون انگیج تھا' ان کے چہرے پر نمایاں ہوتے پریشانی کے آثار کو دیکھ کر وہ پوچھ بیٹھے۔

''کیا ہوا......؟ فون نہیں مل رہا......؟'' ان کا سرنفی میں ہلتا دیکھ کر وہ بولے۔

''اوہو! تو اس میں اتنا پریشان ہونے کی کیا بات ہے' گھر کے نمبر پر ٹرائی کرو''۔ گھر کا نمبر کوئی اٹھا ہی نہیں رہا تھا اب تو ان کی پریشانی میں اور بھی اضافہ ہوگیا' انہوں نے دوبارہ موبائل پر کال ملائی تو ریسیو کرلی گئی۔

''شکر ہے بیٹا تم نے فون تو ریسیو کیا وہ میں......'' اس سے پیشتر کہ وہ مزید کچھ کہتیں کال کٹ گئی وہ آذر کے اس عمل پر ششدر رہ گئیں' اس نے بنا سوچے سمجھے ان کی کال کاٹ دی تھی' یہ بات نظر انداز کرنے والی ہرگز نہ تھی۔

''کیا ہوا......؟'' وہ اب انہیں اور بھی پریشان اور اس سے کہیں زیادہ فکرمند دکھائی دینے لگی تھیں۔

''آذر نے کچھ بھی سنے بغیر کال کاٹ دی''۔ وہ ریسیور رکھ کر دھیمے قدموں سے ماتھے پر ازحد تفکرات کی شکنیں لئے ان کی جانب آئیں۔

''ہوسکتا ہے وہ کہیں مصروف ہو' کال ریسیو نہ کرسکتا ہو''۔

''مگر اس نے کال ملنے کے بعد میری آواز سننے کے بعد کاٹی ہے''۔ انہیں بے حد تشویش ہوگئی تھی۔

''ہوسکتا ہے وہ بزی ہو کسی میٹنگ میں ہو' آپ تو خوامخواہ وہم کر رہی ہیں''۔ محمود صاحب ان کے فوری پریشان ہونے پر تسلی دینے لگے حالانکہ سوچ میں تو وہ بھی پڑ گئے تھے' شادی کے نزدیک دنوں میں اس کی عدم دلچسپی باعث حیرت بھی تھی اور پریشان کن بھی۔

''اچھا ایسا کریں آپ حاشر کو لے جائیں اپنے ساتھ' آج کل کے فیشن تو لڑکے ہی جانیں ہم نے اگر کوئی اولڈ فیشن سوٹ لے لیا تو وہ لوگ سو طرح کی باتیں بنائیں گے''۔ سعیدہ نے ان کے سر پر یہ ذمہ داری ڈال کر اپنے کاندھوں سے بوجھ ہٹایا۔

''سوچ لیں بیگم! آپ خود سے حاشر کو ساتھ لے جانے کا مشورہ دے رہی ہیں؟'' انہوں نے باور کرایا۔

''ارے تو میری کوئی دشمنی تھوڑا ہی ہے حاشر یا شگفتہ سے' آخر کو ان کا بھی کوئی ناطہ ہے نیہا سے''۔ مطلب پرستی کا سبق انہیں صحیح معنوں میں یاد تھا' کس سے کہاں کونسا کام نکلوانا ہے انہیں بخوبی آتا تھا سب۔

''اور پھر شگفتہ کی شکایت بھی دور ہوجائے گی کہ

اسے شادی کی تیاریوں میں شامل نہیں کیا''۔ ایک تیر سے دو شکار کرنے کے فن میں بھی ان کا ثانی نہ تھا' محمود صاحب ان کی پالیسی پر مسکرا کر رہ گئے۔

☆

''ویسے ماموں! آپ اگر آذر کو ساتھ لے آتے تو زیادہ بہتر ہوتا''۔ شیروانی کو اس کے جسم سے لگا کر دیکھ رہے تھے تب ہی حاشر بولا تھا' اسے بہت عجیب سا محسوس ہو رہا تھا' دل کے کسی کونے میں کچھ چبھ رہا تھا' نیہا اس کی محبت نہ سہی مگر اس کی پسند ضرور تھی' قسمت نے ساتھ نہ دیا یہ الگ بات تھی۔

''کہاں ہو صاحب زادے......؟'' اس کی عدم توجہی کو دیکھ کر وہ تھوڑے پریشان ہوئے۔

''کیا بات ہے ڈسٹرب لگ رہے ہو''۔

''ارے نہیں ماموں! ایسی کوئی بات نہیں' آئیں اس طرف چلتے ہیں''۔ وہ سوچوں کو جھٹک کر چہرے پر بشاشت لاتے ہوئے تیزی سے ان کے ساتھ چل پڑا تھا۔ آدھے گھنٹے میں وہ شادی اور ولیمے کی تقریبات کے ڈریس لے چکے تھے' کاؤنٹر پر پے منٹ کرتے ہوئے اس کی نظر سامنے والی شاپ پر پڑی' گلاس وال سے دکھائی دیتا شخص آذر ہی تھا اس نے مستقل اسے اپنی نگاہوں کے حصار میں رکھا اور تصدیق کے لئے ان سے پوچھا۔

''ہاں بیٹا! یہ آذر ہی ہے''۔ ان کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات ابھر آئے۔

''مگر ماموں! اس کے ساتھ جو خاتون ہیں وہ......؟''

''نہیں بیٹا! میں نہیں جانتا انہیں''۔ وہ دونوں ہاتھ میں شاپرز تھامے شاپ سے باہر آگئے اور نیچے جاتی سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئے۔ ان دونوں کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرنا چاہئے اک طرف تو آذر خود کو بہت بزی پوز کر رہا تھا ان کے سامنے اور دوسری طرف۔

''ماموں! آپ میرے ساتھ آئیں''۔ وہ بنا تاخیر اسی شاپ میں داخل ہوا جہاں سے کچھ دیر پہلے آذر نکل کر گیا تھا۔

''جی بالکل''۔ شاپ کیپر انتہائی نرم لہجے میں بولا۔

''ابھی کچھ دیر پہلے جو صاحب یہاں سے نکل کر گئے ہیں ان کے بارے میں کچھ انفارمیشن دے سکتے ہیں''۔ اس نے پوچھتے ہوئے ساتھ کھڑے محمود صاحب کی جانب دیکھا جو انتہائی پریشانی کے عالم میں تھے۔ کاؤنٹر پر دھرے ان کے بوڑھے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر تسلی آمیز دباؤ ڈالا۔

''مسٹر اینڈ مسز آذر میرے بہت پرانے کسٹمر ہیں عید اور شادی بیاہ کی تقریبات کی خریداری وہ یہیں سے کرتے ہیں''۔ دکاندار نے تفصیلات بتا کر انہیں شاکڈ کر دیا تھا دونوں نے تعجب اور صدمے کی کیفیت سے ایک دوسرے کی جانب دیکھا تھا۔

''مدد کرنے کے لئے بہت شکریہ''۔ وہ اسی حالت میں شاپ سے باہر آئے۔

''پلیز ماموں! سنبھالیں خود کو''۔ محمود صاحب کو قدم بہت بھاری محسوس ہونے لگے تھے' ان کی نڈھال حالت دیکھ کر حاشر پریشان ہو کر انہیں دلاسا دے رہا تھا۔

''ماموں! سب ٹھیک ہوجائے گا آپ فکر مت کریں''۔ اسے اپنے یہ الفاظ بودے لگ رہے تھے بھلا کیا ٹھیک ہوسکتا تھا اب؟ وہ سمجھ سکتا تھا ماموں کی اس وقت کس کیفیت سے گزر رہے تھے وہ مرے مرے قدموں سے شاپنگ سینٹر سے باہر آئے۔

''ماموں پلیز...... سنبھالیں اپنے آپ کو آپ ہمت ہاریں گے تو مامی اور نیہا کو کون سنبھالے گا''۔ وہ پورے راستے انہیں سمجھاتا رہا' تسلیاں دیتا رہا' بالآخر گھر پہنچ کر سعیدہ کو بھی اس تکلیف دہ حقیقت سے آشنا کر دیا ان کی حالت وکیفیت محمود صاحب سے کچھ مختلف نہ تھی۔

''کس کی نظر کھا گئی میری بچی کی خوشیوں کو ابھی تو

نصیب کے دروازے کھلے بھی نہ تھے کہ بند ہوگئے یا اللہ! یہ کیا ہوگیا میری بچی کے ساتھ"۔ وہ بلند آواز کے ساتھ آہ وزاری کرنے لگی تھیں۔

"کیا ہوگیا ہے سعیدہ! اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے ہمیں تو کہ اس نے ہماری بیٹی کو مصیبت میں گرفتار ہونے سے بچالیا"۔ محمود صاحب کو ان کا بین کرنا بہت ناگوار لگا تھا۔

"ارے! حاسدوں کی نظر لگ گئی میری بچی کو خوش نہیں دیکھنا چاہتا کوئی بھی"۔ وہ بدستور اسی جون میں بول رہی تھیں۔

"سعیدہ! اپنی قسمت کے لکھے کو کیوں دوسروں کے سر ڈال رہی ہو' اللہ نے جو لکھا ہے وہ تو ہونا ہی ہے! اس میں بھی اللہ کی حکمت ہے' سمجھو اس بات کو سعیدہ"۔ محمود صاحب انہیں سمجھانے کی سعی کررہے تھے مگر ان کے دماغ میں تو بس اک ہی بات اٹکی ہوئی تھی کہ شگفتہ اس رشتے سے حسد کررہی تھی تب ہی ایسا ہوا۔

"ماموں ٹھیک کہہ رہے ہیں مامی! اللہ تعالیٰ کے کام مصلحت سے خالی نہیں ہوتے وہ جو بھی کرتا ہے ہماری بہتری شامل ہوتی ہے اس میں"۔ حاشر کا بولنا تو جیسے غضب ہوگیا۔

"تم تو چپ ہی رہو' آستین کے سانپ ایسے ہی ڈھک چھپ کر ڈنک مارتے ہیں"۔ ان کی مبہم باتیں سوائے محمود صاحب کے کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔

"سعیدہ! بس کرو یہ رونا دھونا اور دوسروں پر الزام تراشی کرنا وہ لوگ ہی ہماری بیٹی کے لائق نہ تھے کم ظرف' دھوکے باز تھے' اچھا ہوا ان کی اصلیت شادی سے پہلے ہی کھل کر سامنے آگئی ورنہ نہ جانے میری بیٹی کے ساتھ کیا ہوتا"۔

"اب یہ سوچیں کہ ہم لوگوں کو کیا منہ دکھائیں گے' شادی کے کارڈ تقسیم ہوچکے دو دن بعد مایوں کی تقریب تھی اب کیا ہوگا؟ میں کس کس کی زبان کو روکوں گی' لوگ تو باتیں بنائیں گے حسد کرنے والے ہنسی اڑائیں گے"۔ انہیں اب بھی اپنی بیٹی سے زیادہ لوگوں کی فکر لاحق تھی نیہا اندر کمرے میں آنسو بہارہی تھی' ادھر حاشر خاموش کھڑا تھا' ماموں' مامی' نیہا سب کی کیفیت کو محسوس کررہا تھا۔

"ماموں! آپ پریشان نہ ہوں آپ مامی اور نیہا کو سنبھالیں میں چلتا ہوں امی انتظار کررہی ہوں گی"۔ محمود صاحب کے کاندھے کو تھپکتے ہوئے وہ باہر نکل گیا۔

⁂

"اب کیا تماشا دیکھنے آئی ہو یہاں"۔ سعیدہ' شگفتہ کو دیکھ کر لحاظ ومروت بالائے طاق رکھ کر آپے سے باہر ہوگئیں۔

"اب تو کلیجے میں ٹھنڈ پڑگئی ہوگی ناں میری بیٹی کی خوشیوں سے جل رہی تھیں دیکھی نہیں جارہی تھی ناہماری یہ خوشیاں' سکون وچین برباد کرکے اب تو مطمئن ہونا تم"۔ وہ شدت غم کے باعث بنا سوچے سمجھے اپنی بھڑاس نکال رہی تھیں۔

"امی! سنبھالیں خود کو' کیوں کہہ رہی ہیں ایسا"۔ نیہا کو بے حد ندامت نے آن لیا' وہ براہ راست پھپھو پر الزام تراشی کررہی تھیں' وہ حیرت تو یہ تھی کہ آج وہ کمال ضبط سے سعیدہ کی ساری بے تکی باتیں برداشت کررہی تھیں۔

"کسی کے چاہنے نہ چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا سعیدہ! نہ نصیب سے کم ملتا ہے نہ نصیب سے زیادہ' آذر' نیہا کی قسمت میں نہیں تھا اور میں تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے ہمیں ایسے لوگوں سے بچالیا' آپ کیوں نہیں سمجھتیں کہ ہر کام اللہ کے حکم سے ہوتا ہے اچھا بھی اور برا بھی مگر ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے' جس کو انسان جان ہی نہیں سکتے' مگر نصیب کے لکھے پر صبر کرنا انسان کا فرض ہے اللہ تعالیٰ صبر کا بھی صلہ عطا کرتا ہے' مگر یہ بات آپ کی سمجھ میں آ ہی نہیں رہی"۔ وہ ان کی ناسمجھی پر الجھ ہی تو گئے تھے پچھلے دو دن سے وہ انہیں سمجھا رہے تھے مگر ان کا ذہن تو بس اک ہی جگہ پر اٹک کر رہ گیا تھا' نیہا بہت سمجھدار اور بردبار تھی' محمود صاحب کی تمام باتیں سن کر اسے کسی کی تسلی کی بھی ضرورت نہ رہی تھی کیونکہ اسے اپنے اللہ پر پورا بھروسہ تھا۔

"شگفتہ! تم اپنی بھابی کی باتوں کو دل پر نہ لینا یہ ابھی دکھ میں ہیں اس لئے......" محمود صاحب کا شرمسار ہونا انہیں اچھا نہ لگا انہوں نے اپنی چپ توڑ ڈالی۔

"ارے نہیں بھائی جان! میں نے اس سے پہلے کبھی برا مانا ہے بھابی کی باتوں کا جواب مانوں گی"۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے سعیدہ کو دیکھا جن کی آنکھوں میں شعلے دہک رہے تھے اب بھی۔

"بھائی جان ٹھیک کہہ رہے ہیں بھابی! نصیب کے لکھے کو کون ٹال سکتا ہے جو ہونا تھا سو ہوگیا' اللہ کی رضا تھی تو ہمیں بھی اس کی رضا میں راضی ہونا چاہئے اس پر پچھتانا گویا اللہ کی حکمت ومصلحت پر (نعوذ باللہ) شک کرنے کے مترادف ہوگا"۔ شگفتہ نے پہلی بار اتنی نرمی سے بات کی تھی سعیدہ سے اور اس سے زیادہ حیران کن بات یہ تھی کہ انہوں نے کس قدر عقلمندی کی بات کہی تھی کہ وہ چپ ہوگئیں۔ محمود صاحب نے محبت سے شگفتہ کو دیکھا۔

"ٹھیک کہہ رہی ہو شگفتہ۔ اب تمہیں بھی یہ بات سمجھ لینی چاہئے سعیدہ"۔ انہوں نے تنبیہ کرنے والے انداز میں کہا تو وہ خفگی سے بولیں۔

"آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے میں نادان ہوں' میں تو جگ ہنسائی سے ڈرتی ہوں' لوگوں کا سامنا کیسے کروں گی میں؟ سب کو دعوت نامے دیئے جاچکے ہیں سب انتظامات ہوچکے اب کیسے سب کو کہوں کہ......" وہ رک گئیں' وہ اس تکلیف دہ حقیقت کو بار بار دہرانا نہیں چاہتی تھیں۔

"کوئی جگ ہنسائی نہیں ہوگی اور نہ ہی آپ کو کسی کا منہ بند کرنے کی ضرورت ہے"۔ ان کی مبہم بات پر محمود صاحب اور سعیدہ نے بے حد تعجب سے انہیں دیکھا۔

"شادی اپنے مقررہ وقت پر ہوگی مگر آذر صدیقی سے نہیں میرے بیٹے حاشر رضا سے"۔ مستحکم لہجے میں کہہ کر انہیں مزید حیران کردیا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو؟" سعیدہ بے یقینی کی کیفیت میں تھیں انہیں اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا تھا۔

"شگفتہ تم...... تم واقعی......" محمود صاحب پر جیسے شادی مرگ کی حالت طاری ہوگئی تھی۔

"جی ہاں بھائی جان! میں بالکل سچ کہہ رہی ہوں"۔ ان دونوں کی کیفیت پر مسکراتے ہوئے انہوں نے مثبت انداز میں سرہلایا۔

"یہ طے ہے کہ شادی مقررہ کردہ وقت پر ہی ہوگی آپ اپنی تیاری پوری رکھیں"۔ پرجوش ہوکر انہوں نے اپنی بات کو دہرایا تاکہ وہ یقین کرلیں کہ ان کے فیصلے پر۔

شدت جذبات سے ان کی آنکھوں کے گوشے بھیگ گئے' محمود صاحب اور سعیدہ کی سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کن الفاظ میں ان کا شکریہ ادا کریں۔

"شگفتہ! میں تاحیات تمہاری احسان مند رہوں گی جس طرح تم نے ہماری عزت رکھی وہ بہت......"

"ارے بھابی! یہ کیا کہہ رہی ہیں"۔ ان کے مشکور ہونے پر وہ نادم ہوگئیں۔

"نیہا آپ کی ہی نہیں میری بھی بیٹی ہے تو پھر کوئی بھی اس پر کیچڑ اچھالے یا باتیں بنائے یہ بھلا میں کیسے برداشت کرسکتی ہوں' ہم اپنوں کی عزت ووقار کا خیال نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا"۔ ان کے لہجے میں اپنائیت ومحبت کے سوا اور کچھ نہ تھا سعیدہ کو آج پہلی بار ایسا لگا تھا کہ شگفتہ کا دل الفت ومحبت سے لبریز ہے ان کا دل سچا اور تمام منافقت اور بناوٹ سے پاک ہے' انہوں نے مزید کچھ نہ کہا وہ اٹھ کر شگفتہ کے نزدیک پہنچیں اور ان کے گلے لگ کر سارے شکوے' گلے' کدورتیں مٹا دیں' محمود صاحب کی آنکھیں نمکین پانی سے بھر گئیں یہ آنسو دکھ کے ہرگز نہ تھے آج تو انہیں وہ خوشی ملی تھی جو ان کے گمان میں بھی نہ تھی۔

⁂

شازیہ مصطفیٰ عمران

قسط نمبر 9

سلسلے وار ناول

کبھی عشق ہو تو پتہ چلے



''آپ پلیز سر سے کہئے مجھے یہاں نہیں رہنا ہے''۔ وہ سنجیدہ تھا۔

''حمدان! آپ اتنا کیوں زوڈ ہو رہے ہیں''۔ وہ چڑ گئی۔

''آپ مجھے اچھی طرح جانتی ہیں' میں بالکل سادہ انسان ہوں صاف گفتگو کرتا ہوں' اس لئے میں زوڈ نہیں ہو رہا' آپ سے کہہ رہا ہوں یہ آپ کے ڈیڈی کے دوست کا گھر ہے مجھے یہاں رہنا بالکل اچھا نہیں لگ رہا ہے''۔ آنکھیں اریشماء کے سنجیدہ چہرے پر ٹکائی ہوئی تھیں' وہ پہلو بدل کر رہ گئی۔

''کسی کے خلوص کو سمجھا بھی جاتا ہے وہ آپ سے اتنی محبت سے ملے ہیں کچھ تو پاس رکھئے''۔ وہ بھی غصہ میں آ گئی۔

''آپ کو کون سا ہمیشہ رہنا ہے صرف دو دن کی بات ہے' آپ کو چلے ہی جانا ہے''۔ حمدان کا ہر بات پر اعتراض کوفت میں مبتلا کرتا تھا۔

''مجھے یہ بھی خبر نہیں تھی آپ بھی ساتھ آ رہی ہیں ورنہ میں بالکل نہیں آتا''۔

''آپ کیا سمجھ رہے ہیں میں آپ کی وجہ سے آئی ہوں''۔ اریشماء کے تو سر پر جا لگی' جتنا وہ اس سے نرم لہجے میں بات کرتی تھی وہ اتنا ہی مشتعل ہوتا تھا۔

''سچ یہی ہے''۔ بیگ اس نے کارپٹ پر پٹخا۔

''آپ کی سوچ بالکل غلط ہے' مجھے اور ممی کو آنا تھا کیونکہ ممی بہت دنوں سے باہر نہیں نکلی تھیں' ان کی صحت کے لئے یہ سب ضروری تھا''۔ وہ اس کی غلط فہمی دور کرنے لگی۔

''آپ اتنا غصہ نہیں ہوں' میں ابھی ڈیڈی سے کہتی ہوں آپ کو جانے دیں''۔ وہ افسردہ سی مڑ گئی۔ حمدان نے چتون تیکھے کئے' اس کی پشت کو دیکھا۔ اریشماء تو اس کے حواسوں پر چھاتی جا رہی تھی کیونکہ وہ اتنا بے بس ہوتا جا رہا ہے' کیوں اس کے سامنے غصہ میں آ جاتا ہے۔

کچھ دیر میں روحیل سکندر اس کے سامنے تھے' حمدان انہیں دیکھ کر پزل ہو گیا کیونکہ وہ سنجیدہ بھی تھے۔

''بیٹا! آپ کو یہاں مشکل ہو رہی ہے' جمال نے تو بہت محبت سے خود آپ کو یہاں روکا ہے''۔

''سر! ایکچولی میں آپ کا ایمپلائی ہوں کچھ تو ڈفرنس ہونا چاہیے''۔ وہ خود ہی جواز پیش کر کے سر جھکا کر رہ گیا۔

''ایسا آپ سوچ رہے ہیں ورنہ میں ایسا بالکل نہیں سوچتا ہوں''۔ ان کا لب و لہجہ بجھا بجھا سا ہو گیا۔

''ارے روحیل! کیا مسئلہ ہو گیا' وہ اریشماء بتا رہی تھی حمدان یہاں رکنا نہیں چاہتا''۔ جمال علی ان کے درمیان چلے آئے' دونوں چونک کے سنبھل گئے' حمدان خفیف سا ہو گیا جبکہ روحیل سکندر سائیڈ پر ہوئے۔

''وہ اصل میں سر! مجھے......''

''بس بیٹا! یہ مجھے سر ور بالکل نہیں کہو' سیدھے سجاد انکل بولو اور تم کہیں نہیں جا رہے ہو' آرام سے یہاں رہو''۔ جمال علی نے اسے قطعیت بھرے لہجے میں کہا۔ حمدان پھر ان کے خلوص و محبت کے آگے سر ہلا کے رہ گیا' روحیل سکندر بھی مطمئن سے ہو گئے تھے۔

اریشماء ہاتھ لے کر پنک کاٹن کے ایمبرائیڈری کپڑوں میں ملبوس کچن میں چلی آئی جہاں مسز جمال ملازمہ کو ہدایات دے رہی تھیں' کھانا بھی ٹیبل پر لگ رہا تھا۔

''آنٹی! میں کچھ ہیلپ کروں''۔ وہ دونوں ہاتھ آپس میں مسلتے ہوئے مخاطب ہوئی۔

''نہیں بیٹا! سب ہو گیا ہے بس ایسا کرو حمدان کو آپ بلا کے لے آؤ' لگتا ہے حمدان کی آنکھ لگ گئی ہے' میں نے

سمیر کو بھیجا تھا دروازہ لاک تھا۔

''جی اچھا''۔ وہ آنچل شانوں پر سمیٹ کر کوریڈور عبور کر کے لیفٹ سائیڈ پر آ گئی جہاں برابر تین رومز تھے' سامنے والا روم اسے دیا تھا' دروازہ ناک کرنے کیلئے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ وہ بلیو جینز اور پنک ٹی شرٹ میں فریش سا برآمد ہوا' اریشماء جز بز سی ہو گئی' کچھ دیر پہلے دونوں میں بحث بھی ہو گئی تھی' یہاں آ کر تو اریشماء خود کو کمزور سمجھ رہی تھی' وہ اعتماد اس کا جانے کہاں چلا گیا تھا' جب بھی اس سے بات کرتی تھی پُراعتماد ہی ہوتی تھی۔

''ڈنر پر آپ کو بلایا جا رہا ہے''۔ نگاہ پھیر کے گویا ہوئی۔

''اریشماء! کیوں آپ خود کو اتنا گرا رہی ہیں''۔ اس نے احساس دلایا۔

''پلیز حمدان احمد! میں کسی بحث کے موڈ میں نہیں ہوں''۔ سپاٹ اور کھردرے سے لہجے میں بولتی وہ آگے بڑھ گئی۔ حمدان زچ ہی ہو گیا' وہ ان سب کے درمیان خاموش تھا مگر جمال علی خاصے بے تکلف انسان تھے' وہ اس سے بیٹا بیٹا کر کے مخاطب ہو رہے تھے' وہ ان کی محبت و اپنائیت کا قائل ہو گیا۔ اریشماء کے چہرے پر خفگی تھی وہ اسے دیکھ بھی نہیں رہی تھی' جلدی کھانے سے فارغ ہو کے وہ اٹھ گئی تھی۔

☆

کل سے گھر میں سناٹے بول رہے تھے' وہ دونوں منہ چھپائے روئے جا رہی تھیں' ابو کا غضبناک انداز اور چیختا چنگھاڑتا لہجہ دونوں سراسیمگی سے دیکھتی رہ گئی تھیں۔ رو رو کے امی کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ ذیشان کے گھر میں ابو نے اپنا پیغام بھجوا دیا تھا اور جب سے ہی ذیشان تو متوحش زدہ رہ گیا' محمد احمد کی طنزاً استفہامیہ نگاہوں نے اسے گھورا' شہران کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا یوں اچانک سے یہ سب ہو سکتا ہے۔

''آنٹی! اب تو آپ کو جانا ہی ہوگا''۔ لائبہ کے ذریعہ ہی اسد مرزا کا پیغام آیا تھا۔

''لائبہ! وہ ذیشان منع کر رہا ہے''۔ حمیرا بیگم تو خود شپٹائی ہوئی تھیں ان کی سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ کیا کریں۔

''آنٹی! اب تو آپ کو جانا ہی پڑے گا ورنہ اسد انکل حرما باجی کا ہاتھ کسی بھی الٹے سیدھے شخص کے ہاتھ میں تھما کے چلتا کریں گے''۔ ذیشان اندر بیٹھا تھا سب سن بھی رہا تھا' وہ ایسا کوئی بھی کام نہیں کرنا چاہتا تھا کہ اسد مرزا کو یقین ہو جائے کہ ان دونوں کے درمیان کچھ چل رہا تھا' وہ حرما کو رسوا بھی تو نہیں کر سکتا تھا۔

''مجھے تو اس بات پر حیرانگی ہے یہ الٹی سیدھی بکواس کس نے کی ہے''۔

''آنٹی! یہ تو آپ کو میں نے پہلے ہی بتایا ہے حماد کے دوست نے بتائی ہے' وہ شاید انہی کا کلاس فیلو ہے''۔ لائبہ نے دوبارہ اپنی بات دہرائی۔ ذیشان کی عقل پریشان تھی کون ہے ایسا شخص جس نے یہ کہا ہے' مگر اس کا بار بار ذہن بھٹک کے شہران پر ہی گیا تھا اس سے بھی خاصی جھڑپ ہو گئی تھی' دونوں میں بات چیت بھی نہیں ہو رہی تھی۔

''آپ ذیشان بھائی سے بات تو کریں' ایسے کیسے وہ حرما باجی کے ساتھ کر سکتے ہیں' لیل ماہ کا تو رو رو کے برا حال ہے''۔ لائبہ نے ابھی یہ نہیں بتایا تھا لیل ماہ' شہران کو ہی اس کا الزام دے رہی تھی کیونکہ کئی بار وہ دھمکی جو دے چکا تھا۔

''ٹھیک ہے میں کوشش کرتی ہوں''۔ حمیرا بیگم دلگرفتہ ہو گئی تھیں۔ انہیں حرما پر ترس آئے جا رہا تھا بے چاری کی منگنی تو ٹوٹی ہی اور مستزاد یہ آفت بھی ٹوٹ پڑی تھی۔

ذیشان اپنے روم سے نکلا ہی نہیں تھا۔ شہران بھی رات چھت پر ہی تھا۔ کھانا پینا تک چھوڑا ہوا تھا اور محمد احمد انہیں تو بولنے کا موقع مل گیا تھا۔

''ذیشان بیٹا! بتاؤ کیا کروں' وہ معصوم بچی بے قصور ماری جارہی ہے''۔ حمیرا بیگم دکھ و تاسف سے گویا ہوئیں۔ وہ ہونٹوں پر چپ کی مہر ثبت کیے بیٹھا تھا' اس کا دل ایسے بھی تو گوارا نہیں کررہا تھا پھر تو لوگوں کو اور بولنے کا' باتیں بنانے کا موقع مل جائے گا۔

''ذیشان بیٹے! کچھ تو بول' میرا دل بہت پریشان ہے' کیا کروں''۔

''آپ کا دل کیا کہتا ہے؟'' اس نے اپنی چپ کو توڑا کیونکہ وہ تو کوئی فیصلہ نہیں کرسکا تھا۔

''میرا دل یہ کہہ رہا ہے کہ وہ بے قصور ماری جائے اس سے بہتر ہے ہمارے گھر وہ بیاہ کے آجائے' ساری زندگی تو بھی تو بے چین رہے گا''۔ انہوں نے ذیشان کا تفکر زدہ مغموم چہرہ دیکھا جو کل سے کچھ بول ہی نہیں رہا تھا۔

''آپ محلے کے لوگوں کی باتیں برداشت کرلیں گی''۔

''محلے والوں کو تو آتا ہی کیا ہے باتیں بنانے کے سوا' جب ایسی کوئی بات ہی نہیں ہے تو فضول ہے ڈرنا''۔

''امی! آپ اسد مرزا کو نہیں جانتی ہیں' وہ ایسے کیسے ہمیں یہ پیغام بھجوا سکتے ہیں''۔ اس کی تو سوچ سوچ کے عقل پریشان تھی۔

''میں کچھ نہیں جانتی' لائبہ کی امی کے ساتھ میں کل ہی اسد مرزا کے گھر جاؤں گی' میں اس بے قصور بچی کے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہونے دوں گی' انہیں سمجھاؤں گی''۔ وہ قطعیت بھرے لہجے میں بولیں۔

''کاش وہ آپ کی بات سمجھ جائیں''۔ اس نے سرد آہ بھری۔

''تو جا اوپر' شہران نے کچھ بھی آج کھانا پینا نہیں کیا' ٹیکسی بھی لے کے نہیں گیا''۔ انہوں نے اس کی پشت پر تھپکی دی۔

''میں اس کے پاس نہیں جاؤں گا' مجھے یقین ہے یہ اسی کی حرکت ہے''۔ ذیشان کو بہت غصہ تھا۔

''مجھے نہیں لگتا یہ سب اس نے کیا ہو''۔ حمیرا بیگم کا دل نہیں مان رہا تھا۔

''امی! آپ کو نہیں پتہ مجھے شہران سے سب توقع ہے''۔ اس نے نفی کی۔

''یہ تم دونوں بھائیوں میں بھی الگ جنگ ہوگئی ہے' مجھے سوچ سوچ کے ہول اٹھ رہے ہیں اوپر سے تمہارے باپ کو بولنے کا موقع چاہیے''۔ وہ رنجور سی کبیدگی سے گویا ہوئیں۔

''مجھے شہران پر غصہ ہے اور پورا یقین ہے اس نے ہی حرا کی سسرال میں کچھ کیا ہے''۔

''ارے وہ جانتا کب ہے''۔

''وہ سب خبر رکھتا ہے''۔ اس نے ہاتھ اٹھا کے طنزیہ کہا۔

''میں تو اسد مرزا کے گھر جا کر صفائی میں کچھ بول بھی نہیں سکتا''۔

''میں کل جاؤں گی' کرتی ہوں بات''۔ اس کے کمرے سے نکل گئیں۔

''اری او بسمہ! جا کر بھائی کو بلا' کب تک اوپر بیٹھا رہے گا کچھ نہیں کھایا ہے''۔ انہوں نے آواز لگائی۔

''بڑی فکر رہتی ہے تمہیں اپنے لاڈلے کی''۔ محمد احمد نے چبھتا ہوا تیر پھینکا۔

''اولاد ہے' میں فکر نہیں کروں گی تو کون کرے گا''۔ وہ تیز لہجے میں غصے سے گویا ہوئیں۔

''بس بس زیادہ زبان مت چلایا کر' بیٹوں کے جوان ہوتے ہی مجھ پر شیر بنی ہے تو''۔ وہ تو تپ گئے۔

''امی! بھائی دروازہ نہیں کھول رہے ہیں''۔

''وہ کھولے گا بھی نہیں' کرتوت ہی اس کے سامنے جو کھل کے آگئے ہیں''۔

''اچھا آپ تو چپ ہوجائیں''۔

''مجھے چپ کرا' کبھی اپنے لاڈلے کو بھی کرایا کر' میرے منہ پر چڑھتا ہے''۔

''ابو! کبھی تو آپ امی سے ٹھیک طرح بات کیا کریں''۔ بسمہ بھی بے زاری سے بولی۔

''چپ کر تو''۔ انہوں نے ڈانٹ دیا۔ بسمہ منہ بسور کے رہ گئی' شیبا ٹرے میں کھانا سجا کے لے آئی تھی۔

''امی! آپ خود لے جایئے شاید دروازہ کھول دیں''۔ شیبا بھی کتنی دفعہ کوشش کر کے آگئی تھی۔ شہران لگتا تھا کان لپیٹ کے پڑا ہوا تھا۔ حمیرا بیگم تو ماں تھیں' اولاد کی فکر انہیں رات دن رہتی تھی' کل سے یہ پریشانی الگ مل گئی تھی۔

☆

حمیرا بیگم کی خود سے اکیلے ان کے گھر جانے کی ہمت نہیں تھی' لائبہ کی امی کو ساتھ لے کر آئی تھیں' کب سے وہ اسد مرزا کو سمجھانے کی کوشش کررہی تھیں مگر جیسے وہ ماننے کو تیار ہی نہیں تھے' انہیں اپنی عزت سب سے زیادہ عزیز تھی چاہے کسی کا کچھ بھی حشر ہو۔

''بھائی صاحب! آپ ایک دفعہ پھر سوچ لیں''۔

''مجھے جتنا سوچنا سمجھنا تھا سوچ لیا تھا' آپ یہ بتایئے نکاح کس دن کا رکھ رہی ہیں''۔ اسد مرزا جیسے کچھ سوچنے سمجھنے کی پوزیشن میں نہیں تھے' پیشانی پر ناگواریت اور غصے کی اتنی لکیریں تھیں وہ ان کی جانب دیکھ بھی نہیں رہے تھے۔

امی نے تو دل پر ہاتھ رکھ لیا' ان کی معصوم بچی پر یہ کیسی قیامت ٹوٹی تھی' بے قصور بے خبری میں ہی ماری جا رہی تھی۔

حمیرا بیگم تو چپ تھیں ان کی کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کیا فیصلہ کریں' وہ کتنا انہیں سمجھانے کی کوشش کرچکی تھیں۔

''بھائی صاحب! آپ کسی کی سنی ہوئی باتوں پر کیوں یقین کرتے ہیں' میں نے اپنے بیٹے سے پوچھ لیا ہے ایسی کوئی بات نہیں ہے''۔

''بس بہت ہوگیا' آپ اپنی امانت یہاں سے جتنی جلد ہو لے جائیں کیونکہ اس محلے میں میری بہت عزت ہے جو عزت میری بچی ہے اس کا واسطہ''۔ انہوں نے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''آپ کے بیٹے نے میری بیٹی کی جانب نگاہ اٹھا کر دیکھ لیا ہے اور میں بات گوارا نہیں کرسکتا کہ آج صرف کچھ لوگوں کو پتہ ہے کل کو پھر اور لوگوں کو پتہ چلے گا تو میں برداشت نہیں کرسکتا''۔

''یہ تو بالکل غلط سوچ ہے آپ کی' آپ حرا بیٹی کے سسرال والوں سے ایک دفعہ بات کر کے تو دیکھئے''۔

''بی بی! بات کرنے کا وقت گزر چکا کیونکہ رشتہ توڑ دیا ہے اور میں بھی یہ رشتہ نہیں کرنا چاہتا جس کی وجہ سے یہ رشتہ ٹوٹا ہے اس کے ساتھ رخصت کردوں تو بہتری اسی میں ہے''۔ وہ آگے بھی بہت کچھ بولنا چاہتے تھے مگر شدت غم سے آواز دب گئی۔

''آپ پرسوں ہی آجایئے اور اپنی امانت لے جایئے''۔ وہ یہ کہہ کر اندر چلے گئے۔

حفصہ بھابی تو اتنے غور سے سب سن رہی تھیں وہاں سے ہلی تک نہیں تھیں۔

''بھابی! ایک بار سوچ تو لیں''۔ لائبہ کی امی نے بھی سمجھانے کی آخری کوشش کی۔

''نسیمہ اب کچھ نہیں ہوسکتا' یہ جو فیصلہ کرلیں وہ ہوکر رہتا ہے''۔ وہ ملول اور رنجور سی ہوکر آنکھوں سے نمی صاف کرنے لگیں' چالیس سال ہوگئے تھے شوہر سے کبھی بحث ہی نہیں کی نہ ان کے فیصلوں سے اختلاف کیا' آج بھی ان

میں ہمت نہیں تھی۔ وہ افسردہ سی نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگیں۔ حمیرا بیگم بھی شرمندہ سی بیٹھی تھیں' نسیمہ کو چلنے کا کہا۔

''ہم مغرب کے بعد نکاح کے لئے آجائیں گے' میں حرمابیٹی سے ملنا چاہوں گی''۔ انہوں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔

''امی! وہ کمرے میں بند ہے''۔ حفصہ بھابی نے بتایا۔

''بہن! آپ کی امانت ہے پرسوں لے لیجیے گا''۔ رقیہ سے تو بات بھی نہیں ہو رہی تھی' وہ ماں تھیں ان کے دل پر جو گزر رہی تھی یہ وہی جانتی تھیں۔

''میں بہت شرمندہ ہوں' آپ کے گھر میں ہماری وجہ سے اتنا کچھ برا ہوا''۔

''اب کیا کہہ سکتے ہیں آج نہیں تو کل ہونا تھا' شکر ہے پہلے ہی پتہ چل گیا ورنہ تو میری بیٹی کہیں کی نہیں رہتی''۔ وہ منہ پر آنچل رکھ کر رونے لگیں۔

حمیرا بیگم کے پاس تو الفاظ تک نہیں تھے جو انہیں تسلی دیتیں۔ وہ خود مضطرب اور مغموم سی ہو کر اٹھ گئی تھیں۔ اسد مرزا اتنے غصہ والے ہوں گے انہیں اندازہ نہیں تھا' مگر ان کا انداز' اس میں حمیرا بیگم نے حقارت ہی دیکھی تھی' جانتی تھیں ان کے گھرانے کو وہ کب عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

ذیشان نے ان کا چہرہ دیکھ لیا تھا وہ تو خود افسردہ تھا۔

''پرسوں نکاح کے لئے جانا ہے''۔

''امی! آپ نے انہیں سمجھایا نہیں''۔ وہ تو حیران رہ گیا۔

''ذیشان! چپ کر جا میرا دماغ درد کر رہا ہے' یہ سب کیا ہو گیا ہے''۔ وہ تھکی تھکی سی بیڈ پر لیٹ گئیں' شیبا دوڑ کے ان کے لئے پانی لے آئی۔

☆

پورا دن اس کا میٹنگ میں گزرا تھا' تھکن سے برا حال تھا' چائے کی طلب ہو رہی تھی مگر اس وقت رات کے گیارہ بجے چائے کی فرمائش کرنا اسے عجیب بھی لگ رہا تھا' آج تو پورا وقت اریشماء سے بھی سامنا نہیں ہوا تھا۔ بلیک ٹراؤزر پر ڈھیلی سی لائٹ پرپل شرٹ میں ملبوس جھجکتا ہوا روم سے نکلا' لاؤنج' ہال روم سب جگہ خاموشی تھی' مگر ایک جگہ سے بہت دھیمی آواز آ رہی تھی' آواز کی سمت کا تعین کیا' وہ ڈائننگ ہال میں ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی سیل پر بات کر رہی تھی۔ وہ دروازے کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا۔

''زیادہ میرے دادا ابا مت بنا کرو' جب میں نے کال کی ہے تو ٹھیک طرح بات کیوں نہیں کرتے ہو''۔ وہ کسی کو ڈانٹ رہی تھی۔ حمدان کی حسیات بیدار ہو گئیں۔ اریشماء اور کسی میل سے بات کر رہی تھی' تجسس بھی ہوا آخر ہے کون؟

''فضول کی بکواس مت کرو' یہ بتاؤ امی اور مصباح کیسی ہیں؟''

''امی اور مصباح کو پوچھ رہی ہے''۔ حمدان زیر لب بولا۔ فوراً ہی الٹے قدموں اپنے روم میں آ گیا' اپنا سیل ٹیبل سے اٹھایا اور عدین کا نمبر ٹرائی کیا' نمبر بزی جا رہا تھا۔

''ہوں تو محترمہ عدین سے باتوں میں مصروف ہیں' اتنی دوستی ہو گئی کہ وہ بے تکلفی سے اس سے بات کر رہی ہے''۔ وہ حیران بھی تھا۔ کیسے دونوں میں اتنی دوستی ہو گئی۔ عدین کے مزاج کو جانتا تھا' نٹ کھٹ اور شرارتی سا ہے مگر اریشماء سے دوستی اسے یہ ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔

''جتنا میں اس لڑکی کو دور کرنا چاہتا ہوں یہ اتنا ہی میرے اعصاب پر کیوں سوار ہو رہی ہے''۔ وہ بیٹھے سے کھڑا ہو گیا' مزاج میں چڑچڑاہٹ اور بے زاری سی آنے لگی' دو میٹنگز اور تھیں جو اسے ہی بھگتانی تھیں۔

چائے کی طلب اسے بہت زیادہ ہو رہی تھی ابھی وہ روم سے نکلنے ہی والا تھا سمیر آ گیا۔

''حمدان بھائی! ممی نے پوچھا ہے آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے تو بتا دیجیے' ابھی ممی نے آپ کو ڈائننگ ہال کے باہر دیکھا تھا''۔

''وہ یار! میرے سر میں درد ہو رہا تھا چائے کا موڈ ہو رہا ہے''۔ وہ جھجک بھی رہا تھا حالانکہ وہ چائے اتنے شوق سے نہیں پیتا تھا مگر آج تھکن کی وجہ سے پینا چاہ رہا تھا۔

''جی میں ممی سے کہہ دیتا ہوں''۔ وہ مسکرایا۔

''سمیر! بات سنئے گا''۔ انیس سالہ سمیر چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

''وہ میں باہر لان میں چلا جاؤں؟'' حمدان کو یوں ان کے گھر میں اتنی بے تکلفی سے پھرنا اچھا نہیں لگ رہا تھا مگر طبیعت اس کی کچھ گھبرا رہی تھی حالانکہ جمال علی کی فیملی تو اس سے بے تکلفی سے ملی تھی' وہی خود جھجک رہا تھا۔

''حمدان بھائی! کیا ہو گیا ہے؟ آپ کا اپنا گھر ہے پوچھ کیوں رہے ہیں' جائیے میں آپ کی چائے وہیں لے کر آتا ہوں''۔ وہ اس سے بولا۔ حمدان مسکرایا' سمیر خاصا بے تکلف اور بااخلاق لڑکا تھا' اس سے دو دفعہ ہی ملاقات ہوئی تھی وہ پڑھائی وغیرہ میں بزی رہتا تھا۔

لان میں ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی' خوبصورت سا وسیع و عریض رقبے پر بنا ان کا بنگلہ تھا اور لان تو سب سے زیادہ پسند آیا تھا۔ بڑے بڑے جھومتے درخت کئی قسموں کے پھولوں کے بڑے بڑے گملے جو مین گیٹ کی دیوار کے ساتھ ہی رکھے تھے' گیٹ سے لے کر دیوار پر پھولوں کی بیل جا رہی تھی' گیٹ تو اور بھی خوبصورت لگ رہا تھا' لان کی گھاس پر چیئرز اور ٹیبل بھی پڑی تھیں' دو بڑے بڑے جھولے بھی تھے وہ چیئر پر بیٹھ گیا۔ ٹھنڈی ہوا نے مزاج پر اچھا اثر ڈالا تھا۔ ویسے بھی پورا اسلام آباد ہی حسین تھا' ابھی تک وہ کہیں نہیں گیا تھا مگر جب وہ اسٹڈی کر رہا تھا کالج کی طرف سے پاکستان ٹور پر جاتا رہتا تھا اور ابو اس کی کسی خواہش کو رد بھی نہیں کرتے تھے' کتنے بے فکری کے دن تھے۔

''لیجیے آپ کی چائے''۔ وہ اریشماء کی آواز پر چونک گیا۔ بلیو کاٹن کی لمبی سی شرٹ اس پر ٹراؤزر وائٹ پرنٹڈ دوپٹہ بالوں کو کیچر میں مقید کیے خاصی سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔

''بے فکر رہیے چائے میں نے نہیں بنائی ہے''۔ اس کی محویت کو توڑا' وہ خجل سا ہو گیا' وہ ٹرے ٹیبل پر رکھ چکی تھی۔

''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے آپ چائے نہیں پیتے ہیں''۔ گویا طنز کیا۔

''کبھی کبھی پی لیتا ہوں''۔ وہ جزبز سا ہو گیا۔ چائے کے سپ لینے لگا' وہ بغور اس کی صورت دیکھ رہی تھی۔

''آج کی میٹنگ کیسی رہی؟'' فوراً ہی وہ سنبھل کر پروفیشنل بن گئی۔

''بہت اچھی' انہیں میرے سارے پوائنٹ بہت اچھے لگے''۔ کپ کو ساسر میں رکھا۔ اریشماء ابھی بھی کھڑی ہوئی تھی' سیل اس کے ہاتھ میں تھا' حمدان سمجھ گیا تھا بات کر کے ابھی فارغ ہوئی ہے جب ہی ادھر آ گئی۔

''شکر ہے''۔ وہ بھی خوش ہو گئی۔

''کل اور پرسوں کی میٹنگ میں ڈیڈی کہہ رہے ہیں آپ ہی اٹینڈ کیجیے گا' مجھے منع کیا ہے''۔ وہ ٹہلتے ہوئے پھولوں کو دیکھنے لگی۔

''اوکے''۔ بحث تو اسے ویسے بھی پسند نہیں تھی پھر وہ بولتا بھی بہت کم تھا۔ اریشماء کو اس کی اتنی ناپ تول کر گفتگو

کرنے پر بہت ہی غصہ آنے لگا تھا' بری طرح زچ ہوگئی' دانت پیس کر لب بھینچ لیے۔

''آپ کو اعتراض نہیں؟''

''بالکل بھی نہیں' سر بہتر سمجھتے ہیں جب ہی انہوں نے منع کیا ہے''۔ چائے کا آخری سپ لے کر کپ رکھا۔

''آپ کیا بہتر سمجھتے ہیں یہ بھی کبھی بتا دیا کریں''۔ ذو معنی ہو کر طنز کیا۔

''میں جو بہتر سمجھتا ہوں آپ کو کئی دفعہ بتا چکا ہوں' یہ الگ بات ہے آپ سمجھنا نہیں چاہتی ہیں''۔ اسی کی طرح ذو معنی ہو کر ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''سمجھنا آپ نہیں چاہتے ہیں اور سوچ آپ کی غلط ہے''۔ وہ تنک گئی۔

''یہ ایسی بحث ہے جو ختم نہیں ہوگی' مجھے نیند آ رہی ہے چلتا ہوں''۔ سرد مہری اور بے نیازی سے قدم بڑھانے لگا۔ اریشماء کی آنکھوں میں حسرت تھی' اس کی چوڑی پشت پر نگاہ گاڑ دی' ذرا بھی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تھا' اچھے موڈ میں بات کرنا تو جیسے اسے آتا ہی نہیں تھا۔

''حمدان احمد! مجھے بھی ضد ہے اریشماء روحیل تمہیں عشق کرنے پر مجبور کر دے گی' میں تمہاری جیون ساتھی ضرور بنوں گی یہ تو طے ہے''۔ وہ مصمم ارادہ باندھ چکی تھی۔ اب تو دل کا معاملہ ہو گیا تھا کیونکہ دل کو بھی ضد ہو گئی تھی حمدان کے دل کو اپنی جانب متوجہ ضرور کرے گا۔

☆

حمیرا بیگم کو سخت غصہ آ گیا تھا' انہوں نے ذیشان کی ذرا نہیں سنی تھی۔ درمیان کے دو دن ایسے تمام ہوئے انہوں نے جلدی جلدی میں بھی ایک دو سوٹ تو حرما کے ضرور ہی بنائے' بری کے نام پر وہ سب کچھ ہی لے کر جا رہی تھیں' بسمہ کی خوشی کا ٹھکانا نہیں تھا' شیبا اور لائبہ نے مل کر ذیشان کا روم سیٹ کر دیا تھا۔ شہران کو دونی خوشی تھی اس نے ایک بازی تو جیت ہی لی تھی مگر اسے یہ اندازہ نہیں تھا اتنی آسانی سے یہ سب ہو جائے گا۔ ذیشان اس سے بالکل بات نہیں کر رہا تھا۔ محمد احمد نے جتنے طنز کرنے تھے وہ کرتے رہتے تھے۔

مغرب کے بعد وہ اپنے چند قریبی رشتے داروں کو لے کر اسد مرزا کے گھر چلی گئی تھیں' انہوں نے گھر میں ہی انتظام کیا ہوا تھا۔ لیل ماہ کو غصہ کی وجہ سے طیش بھی آ رہا تھا مگر امی کے سمجھانے پر اپنی زبان بند کی ہوئی تھی۔

''یہ سوٹ پہن لو''۔ بھابی نے شاکنگ پنک کلر کے ستارے موتی سے بھرے سوٹ کو اس کے سامنے خوبصورت سے گولڈن ڈبے سے باہر نکالا۔ لیل ماہ کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں' سب کچھ ہی اتنی جلدی میں بھی بہت اچھا لائی تھیں' ہر چیز خوبصورت تھی۔ حرما کو تو سکتہ ہو گیا تھا' رو رو کر اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔

''لیل ماہ! جلدی سے اسے تیار کر دو' عشاء سے پہلے رخصتی ہونی ہے' نکاح کے لئے لوگ اندر آ رہے ہیں''۔ حفصہ بھابی آج خلاف توقع کسی بھی طنزیہ گفتگو سے شاید پرہیز کیے ہوئے تھیں۔

حرما نے اور پھوٹ پھوٹ کے رونا شروع کر دیا۔ لیل ماہ کا تو دل خود خون کے آنسو رو رہا تھا' لائبہ بھی اندر آ گئی تھی حالانکہ لیل ماہ کی اور اس کی ہنوز ناراضی چل رہی تھی مگر حمیرا بیگم نے اسے بھی ساتھ چلنے کو کہا تھا' دونوں نے ہی حرما کو تیار کیا' سوگوار حسن بھی دلکش لگ رہا تھا' شاکنگ پنک اس کی سرخ و سپید رنگت پر کھل رہا تھا۔

ذیشان آف وائٹ قمیض شلوار میں ملبوس سر جھکائے مجرموں کی طرح بیٹھا تھا۔ نکاح کے لئے لوگ اندر چلے گئے تھے۔ ذیشان کو اسد مرزا کی نگاہوں میں جو نفرت اور حقارت نظر آ رہی تھی وہ اور شرمندہ ہو گیا' ارباز بھائی پھر بھی اس سے نارمل انداز میں ملے تھے۔

حرما نے کیسے ہاں کی' کب دستخط ہوئے اس کا ذہن ماؤف تھا' امی کے گلے لگنے پر چیخ چیخ کے رو رہی تھی۔ ذیشان کو اس کی آوازیں آ رہی تھیں' چند آئے رشتے دار بھی استفہامیہ نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

''آپ سے ابو کچھ بات کرنا چاہتے ہیں''۔ حفصہ بھابی نے حمیرا بیگم کے کان میں کہا۔

وہ ان کی ہمراہی میں اندر چلی گئیں' اسد مرزا کے چہرے پر اتنا تناؤ اور ناگواری تھی وہ خفیف سی ہو گئیں۔ اسد مرزا کی بیوی رقیہ بھی ساتھ ہی کھڑی تھیں۔

''آج سے حرما آپ کی بہو ہے اور ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے''۔

''بھائی! آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟'' وہ متوحش زدہ سی رہ گئیں۔

''جو عزت ہے وہ رہنے دیں''۔

''مگر یہ تو حرما بچی کے ساتھ ظلم ہے''۔

''ہمیں آپ لوگوں سے کوئی رابطہ نہیں رکھنا ہے''۔ اتنے شدت پسند تھے' رقیہ تو ماں تھیں ان کا دل مٹھی میں آ گیا تھا۔

''آپ بھلے ہم سے کوئی رابطہ نہیں رکھیں مگر حرما آپ کی بیٹی ہے وہ تو آپ لوگوں سے ملنے آئے گی''۔

''جی ہاں کیوں نہیں''۔ رقیہ نے تائیدی سر ہلایا۔ اسد مرزا کی خشمگیں اور قہر برساتی نگاہیں انھیں مگر چپ رہے۔

''میری بچی پر اتنا ظلم تو نہیں کیجیے''۔ وہ رو دیں۔ اسد مرزا تیزی سے باہر کی طرف بڑھ گئے' وہ اپنے اصولوں کے اتنے پکے تھے یہ سب ہی جانتے تھے۔

''آپ بے فکر رہیے' حرما آپ سے ملنے ضرور آتی رہے گی اور آپ بھی آئیے گا''۔ حمیرا بیگم بھی ایک ماں تھیں اور وہ ماں کے درد کو اچھی طرح سمجھتی تھیں۔

شہران اور محمد احمد نہیں آئے تھے' ورنہ شہران تو ضرور ہنگامہ مچا دیتا۔ حمیرا بیگم جان کے اسے نہیں لائی تھیں' عشاء سے پہلے ہی رخصتی کر دی تھی۔ ذیشان کے پہلو میں چلتی ہوئی وہ رو رہی تھی۔

لیل ماہ کی آنکھوں سے اشک برس رہے تھے' کبھی اس نے ان دونوں کے لیے دعا کی تھی مگر دعا ایسے مستجاب ہوئی جس کا اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

☆

موسم ایک دم سے اتنا خوبصورت ہو جائے گا اریشماء کو یقین نہیں آ رہا تھا' بارش رم جھم برس رہی تھی۔ مال روڈ پر پیدل مارچ کر رہی تھی' سمیر نے کتنا ہی کہا گاڑی میں بیٹھیے۔

''سمیر! کیا ہے مجھے بارش انجوائے کرنے دو''۔ اس کا پرپل سوٹ گیلا ہو گیا تھا' ماہم اور جو ہم گاڑی میں بیٹھی تھیں' وہ ان تینوں کو لے کر شاپنگ پر نکل آئی تھی' مغرب کے بعد ہی بارش ہونا شروع ہو گئی تھی' صبح سے موسم ابر آلود تھا اسلام آباد کا موسم انجوائے کرنے کا الگ ہی مزہ تھا۔

''آپ بیمار بھی پڑ سکتی ہیں''۔ وہ گاڑی بہت آہستہ آہستہ اس کے ساتھ چلا رہا تھا۔

''چپ کرو' میں بیمار ویسے بھی نہیں پڑتی ہوں''۔ وہ تفاخر زدہ لہجے میں گویا ہوئی۔

سارے لوگ ہی اسے دیکھ رہے تھے جو بالکل مگن تھی' عشاء کی اذانیں ہو گئیں مگر اریشماء جانے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

''ڈنر تو اب کر ہی نہیں سکتیں' آپ بالکل wet ہو گئی ہیں''۔ وہ اس کا حلیہ دیکھنے لگا۔

اریشماء کو چھینکیں آنے لگیں ایک، دو تین اور پھر سلسلہ بندھ گیا۔

''کہا تھا ناں آپ کراچی والوں کو یہاں کا موسم راس نہیں آئے گا۔ بیمار نہیں پڑتی' اب دیکھا یہ چھینکیں''۔ وہ فرنٹ سیٹ پر شرابور بیٹھی تھی' پوری گاڑی اندر سے گیلی ہو گئی تھی۔

گھر پہنچی تو اس کا نزلہ اور شدت پکڑ گیا۔ حمدان لاؤنج میں بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا' اریشماء کو گیلا دیکھا' بال چپک کر بھیگے ہوئے تھے' اے لائن لمبی سی شرٹ سے پانی ٹپک رہا تھا۔

''ارے یہ کیا کیا؟'' فوزیہ سکندر نے اپنی نرم و نازک سی بیٹی کو یوں چھینکتے دیکھا۔

''آنٹی! میں نے بہت منع کیا مگر یہ تو روڈ پر ایسے چل رہی تھیں جیسے ان کا خریدا ہوا ہے''۔ سمیر نے سارے شاپرز کاؤچ پر رکھے۔

''ارے لڑکی کپڑے تو بدل' میں چائے وغیرہ بھیجتی ہوں''۔ مسز جمال کو اس کی حالت دیکھ کر فکر ہوئی۔

حمدان کو اس کی سرخ ناک نظر آ رہی تھی' آنکھیں بھی بوجھل سی لگ رہی تھیں' فوزیہ سکندر اسے روم میں لے گئی تھیں۔

''آپ ان کے ساتھ آفس میں کام کیسے کر لیتے ہیں''۔ سمیر نے حیرانگی سے پوچھا۔

''کیوں کیا ہوا؟'' حمدان غیر متوقع سوال پر چونکا۔

''اتنی ضدی ہیں بالکل نہیں سنا بارش میں بھیگتی رہیں''۔

''ہوں''۔ وہ مبہم سا مسکرایا۔

''آفس میں تو آپ کی ان سے جھڑپ ہو جاتی ہو گی کیونکہ آپ بولتے ہی اتنا کم ہیں''۔ سمیر اس کی کم گوئی سے واقف ہو گیا تھا۔

''جھڑپ تو نہیں ہوئی ہاں البتہ انہیں غصہ جلدی آ جاتا ہے''۔ اس نے بتایا۔

''سمیر بیٹا! وہ سامنے سے نیلوفر کو بلا کر لاؤ' اریشماء کو چیک کر کے دوائی دیدے گی''۔ مسز جمال بہت فکر مند تھیں۔

''اوکے ممی''۔ وہ حکم کی تعمیل کیلئے اٹھا' چھتری لے کر وہ باہر نکلا تھا۔

''بالکل ہی بے وقوف لڑکی ہے' اتنی ضدی کیوں ہے''۔ حمدان کو سوچ کر ہی گھبراہٹ ہوئی۔

ڈاکٹر نیلوفر نے اسے میڈیسن دے دی تھی' نزلے اور فلو کا اٹیک ہو گیا تھا' سردی بھی اسے لگ رہی تھی' پورے گھر کے افراد پریشان ہو گئے تھے' فوزیہ سکندر کی تو کل کائنات تھی۔

حمدان اُکتا کے روم میں چلا گیا' بارش پوری رات ہی ہو گی ایسا لگتا تھا۔ ساتھ والا اریشماء کا روم تھا' وہاں سے سب کے بولنے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں' اسے جانا عجیب سا لگ رہا تھا مگر عجیب بے چینی ہو گئی تھی۔ سوچا گھر فون کرے' عدین کا نمبر ملایا' کافی دیر میں ریسیو کیا۔

''کیا بات ہے نمبر کیوں بزی تھا''۔ ذرا تیز لہجے میں پوچھا۔

''بھائی جان! میں sms کر رہا تھا''۔ اس نے بتایا۔

''اچھا یہ بتاؤ سب خیریت ہے ناں' امی اور مصباح...'' وہ سب کو ہی پوچھنے لگا' پھر امی نے بھی بات کر کے خیر خیریت پوچھی۔

''اریشماء کیسی ہے؟''

''جی وہ آج یہاں بارش ہو گئی ہے بارش میں بھیگنے سے بیمار پڑ گئی ہیں''۔ نا چاہتے ہوئے بھی بتایا۔

امی کافی دیر اریشماء کی ہی باتیں کرتی رہیں تو پھر حمدان نے خود ہی خدا حافظ کہہ کر موبائل آف کر دیا۔

☆

حرما حیران تھی' حمیرا بیگم نے ساری ہی رسمیں کی تھیں' وہ بہت خوش تھیں' بسمہ بھی بہت چہک رہی تھی۔ ان کے گھر میں جیسے خوشیاں پھوٹی پڑ رہی تھیں اور اس کے دل میں آگ لگی ہوئی تھی۔

شیبا اور لائبہ ہی اسے روم میں چھوڑ کے آئی تھیں' ذیشان کا کچھ اتا پتا نہیں تھا۔

''ارے شہران! دیکھ تو بھائی کو''۔ حمیرا بیگم کو فکر بھی ہونے لگی۔

''گھر میں ہی ہیں آپ فکر نہیں کریں''۔ شہران کی نگاہ اندر ذیشان کے روم میں اٹھ رہی تھی جہاں حرما کو لے جایا گیا تھا۔

''پھر بلا کر لا ناں''۔ وہ تھک بھی گئی تھیں' شہران کی نگاہیں دیکھیں' اس نے ابھی تک بھی حرما کو نہیں دیکھا تھا۔

''تو گیا نہیں''۔ وہ کڑے تیوروں سے بولیں۔

''امی! بھائی جان اوپر تھے''۔ بسمہ نے تلاش کر ہی لیا تھا۔ ذیشان کے چہرے سے لگ رہا تھا وہ ذرا بھی خوش نہیں ہے' شہران کو دیکھ کر تو اس نے منہ ہی پھیر لیا۔

''چل ذیشان! اندر جا''۔ شہران نے کھنکارنا شروع کر دیا' آج وہ خلاف توقع خاصے شوخ موڈ میں لگ رہا تھا' ذیشان نے اسے گھورا۔ حمیرا بیگم ان دونوں میں ہونے والی ناراضی بھی سمجھ رہی تھیں۔ شہران پھر اپنے روم کی سمت بڑھ گیا' بسمہ کو شیبا لے گئی۔

''بیٹا! اتنا مت سوچو''۔ انہوں نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔

''جو بھی ہوا ہے قسمت میں لکھا تھا' اب غصہ بے کار ہے' چلو اندر جاؤ اور ہاں یہ حرما کی رونمائی کرنا''۔ انہوں نے لاکٹ اور چین کی ڈبیہ اس کے ہاتھ میں تھمائی۔

ذیشان پر تو لگتا تھا برف جم گئی ہو' یوں اچانک سے وہ اس کی بنا دی جائے گی اور ایسے حالات میں' اسے ذرا خوشی نہیں تھی۔ وہ ساری زندگی حرما سے نگاہ نہیں ملا سکے گا' وہ خود کو اس کا مجرم ہی سمجھ رہا تھا' اس کے ساتھ جتنا برا ہوا تھا بے قصور کو سزا یوں ملی تھی۔ روم میں آ کر دروازہ آہستگی سے بند کیا۔

حرما سکڑ سمٹ کر رہ گئی' آنسو بھی لگتا تھا اب خشک ہو گئے ہیں۔ ہاتھوں میں حنائی رنگ کہیں نہیں تھا۔ ذیشان کی شرمندہ نگاہ اٹھی' آج اگر ان دونوں کی شادی اچھے حالات میں ہوئی ہوتی تو وہ سب سے زیادہ خوش ہوتا' دونوں آج ایک دوسرے سے نگاہ نہیں چرا رہے ہوتے۔ اپنی مٹھی میں دبی ڈبیہ کو تنقیدی دیکھا' پھر حرما پر نگاہ ڈالی جو سر جھکائے سپاٹ سے چہرے کے ساتھ تھی۔ حسن سوگوار ہو تو اور زیادہ دلکش بنا تا ہے' وہ شاکنگ پنک کپڑوں میں سجی سنوری اس کے سامنے تھی۔ ذیشان کو یونیورسٹی والی ڈری سہمی حرما یاد آ گئی جو اس کے ذرا سے قریب آنے پر گھبرانے لگتی تھی اور آج وہ اس کے روم میں اس کے سامنے تمام حد بندیوں سے آزاد اس کیلئے آئی تھی۔

دل میں ہلچل مچی' دھڑکنوں نے شور مچانا شروع کر دیا' ان خوش کن لمحوں کے تقاضوں کو وہ اچھی طرح جانتا تھا مگر وہ آج اپنے نفس پر کنٹرول کیے ہوئے تھا۔

''یہ امی نے دی تھی تمہارے لئے''۔ اس نے ڈبیہ اس کے پاؤں کے پاس رکھی۔ حرما کی تنقیدی نگاہ اٹھی مگر ناگواری سے منہ گھما لیا۔ اسے رہ رہ کر اپنے ساتھ ہونے والی ناانصافی پر رونا آ رہا تھا۔

''حرما! مجھے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا ایسا کون تھا یونیورسٹی میں جس نے بکواس کی ہے''۔ شدت غم سے ذیشان کی آواز نہیں نکل رہی تھی' وہ بھی تو روئے جا رہی تھی' تسلی کے الفاظ کیا ادا کرتا کچھ تھا ہی نہیں اس کے پاس۔

''پلیز حرما! نہیں روؤ مجھے تکلیف ہو رہی ہے''۔ وہ تڑپ کے اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

''چلے جائیے یہاں سے میرا دم گھٹ رہا ہے''۔ وہ سسک پڑی۔ ذیشان لب بھینچ کر افسردہ سا بیڈ سے اٹھ گیا' دونوں ایک دوسرے سے کبھی اتنی بے تکلفی سے بات بھی تو نہیں کرتے تھے' حرما ہمیشہ نگاہوں کو جھکائے رکھتی اور وہ اسے کن انکھیوں سے دیکھتا۔

حرما نے چہرہ ہاتھوں میں چھپالیا' سب سے زیادہ غم یہ تھا ابو نے کسی غیر کی باتوں پر کیسے یقین کرلیا' اپنی صفائی تک کا موقع نہیں دیا' اور موذی چیز کی طرح گھر سے نکال دیا' قصور نہ ہوتے ہوئے بھی قصوروار بنادیا' سارے رشتے ٹوٹ گئے تھے' کس منہ سے اب اس گھر میں جائے گی' ذیشان کا بھی تو کوئی قصور نہیں تھا وہ تو پہلے ہی اپنے قدم روک چکا تھا۔

☆

لیل ماہ کا دل کہتا یہ سب کہیں شہران کی تو حرکت نہیں ہے کیونکہ وہ ساتھ بھی نہیں آیا تھا مگر حماد کی امی' حماد کے دوست کا بتا کر گئی تھیں۔ وہ بے قرار بے چین سی کروٹیں بدل رہی تھی' رات کا ایک پہر گزر چکا تھا' ذہن حرما کی طرف ہی تھا۔

''پتہ نہیں ذیشان احمد کا آپی کے ساتھ کیسا سلوک ہوگا' اور وہ خوش بھی رہیں گی یا نہیں''۔ وہ گھبرا کے اٹھ بیٹھی۔

''شہران! اگر یہ تمہاری حرکت ہوئی تو تمہیں میں ایسے نہیں چھوڑوں گی''۔ غصہ' نفرت' اشتعال اس کی آنکھوں میں تھا۔

کمرہ کتنا خالی خالی اور سوگوار لگ رہا تھا' گھر میں ایسا لگ رہا تھا پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے۔ اسد مرزا عشاء کی نماز کے بعد سے تو اپنے کمرے میں بند ہو گئے تھے' امی کا رو رو کے برا حال تھا' حفصہ بھابی بھی کچھ چپ سی تھیں' ارباز بھائی کے تو وہ سامنے ہی نہیں گئی تھی' دونوں بھتیجی بھتیجا بھی خاموش سے ہو گئے تھے۔

یہ کیسی شادی تھی نہ کوئی خوش تھا سب ہی سوگوار اور رنجور سے تھے۔ لیل ماہ کی آنکھوں سے لگتا تھا نیند روٹھ گئی' وہ دوبارہ لیٹ گئی۔

''کاش آپی کی شادی خوشگوار انداز میں ہوئی ہوتی''۔ اس کے دل پر رہ رہ کے گھونسا لگ رہا تھا۔

''صبح پتہ نہیں ابو آپی سے ملنے جانے بھی دیں گے یا نہیں' پتہ نہیں وہ آئیں گی بھی یا نہیں''۔ بیڈ پر نگاہ ڈالی۔

دونوں نہیں کتنی رات تک باتیں کرتی تھیں اور وہ حرما کو پہلے ذیشان احمد کے حوالے سے کتنا چھیڑتی تھی' خود ہی کہتی تھی حرما کی شادی ذیشان احمد سے ہو جائے اور آج ہو بھی گئی ہے مگر وہ حیران تھی اس کی دعائیں اس طرح بھی مستجاب ہو سکتی ہیں' مگر جب سے شہران کی حرکتیں اسے بری لگنے لگی تھیں وہ تو اپنی بہن کو اس گھرانے کے سائے تک سے بھی دور رکھنا چاہتی تھی مگر آج وہ اسی گھر میں رخصت ہو کر چلی گئی تھی۔ سامنے ہی گھر تھا بالکونی سے ذیشان احمد کی چھت کا واضح نظارہ ہوتا تھا' اکثر شہران کو وہ چھپ چھپ کر دیکھا بھی کرتی تھی۔

مگر اب تو شہران اسے زہر سے زیادہ برا لگتا تھا' اس کی شکل تک نہیں دیکھنا چاہتی تھی مگر دا دری قسمت' اسی گھر میں اس کی بہن رخصت ہو کر گئی تھی۔

کروٹیں بدل بدل کے جسم دکھنے لگا تھا' آنکھوں کے گوشے بھیگ کر سرخ ہو گئے تھے۔

کمرے میں ساری چیزیں ایسی ہی پھیلی تھیں' حرما کے کپڑوں کا خوبصورت سا ڈبہ' جیولری کا ڈبہ سب پڑا تھا' لیل ماہ نے کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

''آپی! میری دعا ہے تم وہاں ہمیشہ خوش رہو' ذیشان احمد تمہیں خود سے بھی زیادہ چاہے''۔ وہ دل ہی دل میں دعائیں دے رہی تھی۔

''شکر ہے شہران سے اچھا ذیشان احمد تو ہے' وہ تو آپی کا خیال کرے گا اور اس کی امی' وہ بھی مجھے اچھی خاتون لگی ہیں' کیسے دل سے لگا کے وہ آپی کو لے کر گئی ہیں''۔ ذہن و دل ذیشان احمد اور اس کی ماں کا حمایتی ہو رہا تھا۔

''آپی! تم فکر نہیں کرو میں آپ کو اکیلا نہیں چھوڑوں گی' ملنے آتی رہوں گی چاہے مجھے ابو سے' سب سے چھپ کے آنا پڑے''۔ لیل ماہ کی ازلی ضدی طبیعت بیدار ہو گئی۔

''شہران احمد! تمہاری اور میری جنگ اب شروع ہو گی''۔ یکدم ہی شہران کا بھی خیال آیا۔ سوچتے سوچتے اس کی آنکھیں روئے جا رہی تھیں' کمرے کی لائٹ آن کر دی' آج کمرے میں دل بھی نہیں لگ رہا تھا۔

''پتہ نہیں آپی! تمہیں نیند بھی آئی ہو گی یا نہیں''۔ وہ خود سے ہمکلام تھی۔

''اتنا مجھے پتہ ہے تم روئے جا رہی ہو گی اور بے چارے ذیشان احمد تمہیں صرف روتا ہوا دیکھ رہے ہوں گے''۔

اپنی بہن کے لئے وہ بہت زیادہ حساس تھی' دونوں ایک دوسرے کا خیال بھی تو رکھتی تھیں' حرما خاموش طبع تھی جبکہ وہ جنگجو اور غلط بات چپ کر کے تو برداشت ہی نہیں کرتی تھی' صاف گو بہت تھی ہر بات کو واضح کرتی تھی اور ضدی بھی تھی مگر ابو کی وجہ سے خود کو حد بندیوں میں جکڑے ہوئے تھی کیونکہ امی جو اسے ہر وقت ڈانٹتی رہتی تھیں' یونیورسٹی میں ایڈمیشن اس نے ہی ابو سے ضد کی تو لیا تھا اور پھر حرما کو بھی اپنے ساتھ گھسیٹ لیا تھا' ابو پڑھائی کے ویسے بھی بالکل خلاف نہیں تھے۔

☆

اس کی دونوں میٹنگز گزر گئی تھیں' گھر جانے کے لئے پیکنگ بھی کر لی تھی' تھوڑی شاپنگ کر لی تھی گھر والوں کے لئے۔ اریشماء کو ٹھنڈ کی وجہ سے بخار ہو گیا تھا۔ دونوں کا سامنا بھی نہیں ہوا تھا' حمدان نے ابھی تک بھی اس کی طبیعت نہیں پوچھی تھی۔ روحیل سکندر نے دو دن بعد کا جانا رکھا تھا مگر اسے آفس پہنچ کر سب سنبھالنا تھا۔ شام پانچ بجے کی فلائٹ تھی۔ بلیک پینٹ پر ڈیپ میرون ٹی شرٹ میں نفاست سے سنورے بال چہرے پر ہمیشہ اس کے سنجیدگی ہی رہتی تھی' بیگ تیار کر کے وہ روم سے نکلا۔ اریشماء کی طبیعت پوچھنا چاہتا تھا' وہ روم میں تھی اور اسے اندر جانا کچھ معیوب بھی لگ رہا تھا۔

''ہو گئی تمہاری تیاری؟'' جمال علی نے مسکرا کے اسے دیکھا۔

''جی انکل! بس نکلنا ہی ہے''۔

''میں نے ڈرائیور کو کہہ دیا ہے' سمیر تمہارے ساتھ جائے گا''۔ انہوں نے مودب سے حمدان کے بازو پر پیار بھری تھپکی دی۔

''میں سمیر کو کہتا ہوں''۔

حمدان سب سے مل کر جا رہا تھا۔ اریشماء کے روم میں جھانکا مگر ہمت نہیں پڑ رہی تھی' ماہم اور جو ہم اس کے پاس تھیں۔ دروازے پر ناک کیا' اریشماء کی نگاہ اٹھی وہ کھلے دروازے کے ساتھ ہی کھڑا تھا۔

''اونہہ...... پتہ نہیں کیسے خیال آ گیا''۔ وہ سوچنے لگی۔

''کیسی طبیعت ہے؟'' حمدان نے بڑے فریش انداز میں پوچھا۔ اریشماء پہلو بدل کر رہ گئی' وہ بیڈ پر ٹیک لگا کے بیٹھی تھی' بخار اور نزلے کی وجہ سے چہرہ اس کا کملایا ہوا لگ رہا تھا' ہیئر کٹنگ بالوں کی پونی بندھی تھی۔

''ٹھیک ہوں''۔ ذرا رکھائی سے جواب دیا۔

''میں آج جا رہا ہوں' آپ لوگ تو دو تین دن رکیں گے''۔ حمدان کی نگاہ کبھی کبھی اٹھ جاتی تھی' جب وہ حسرت

بھری نگاہوں سے دیکھتی تھی۔

''اگر کہوں گی رک جائیں تو کیا رک جائیں گے؟'' یکدم ہی گویا ہوئی۔

''نہیں'' ۔بس اتنا کہا۔

''اچھا چلتا ہوں اپنا خیال رکھئے گا کیونکہ بارش کی وجہ سے موسم ٹھنڈا ہو گیا ہے''۔ آج پہلی بار وہ اسے اتنی لگاوٹ سے ہدایت دینے لگا۔

''اپنا خیال رکھوں' کس لئے؟'' حظ اٹھایا۔

''ایک تو آپ سوال بہت کرتی ہیں' ظاہر ہے آپ کی طبیعت خراب ہے' لاسٹ ٹائم جو آپ نے اپنے پاؤں کے ساتھ کیا تھا جو ٹھیک ہونے میں نہیں آ رہا تھا' اب نزلے بخار کی وجہ سے اپنی بیماری لمبی کر لیں''۔ طنز میں گویا یاد دلایا۔ اریشماء خفیف سی ہوگئی۔ وہ سب کچھ یاد رکھے ہوئے تھا' یعنی وہ اسے سوچتا تھا جب ہی خیال کرنے کو بھی کہہ رہا تھا۔

''بیماری لمبی ہوگئی تو کیا ہوا' آپ کی جان چھوٹ جائے گی''۔

''شٹ اپ''۔ وہ درشت لہجے میں گویا ہوا۔

''میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے آپ کی ایسی گفتگو سنوں''۔

''کیوں ڈر گئے؟''

''میں ڈرتا ہوں تو صرف آپ کی عزت کی وجہ سے اور اپنی وجہ سے' فضول میں لوگ چہ میگوئیاں کریں گے''۔

''کیوں لوگوں کا ڈر نہیں ہوتا تو پھر کیا کرتے''۔ اریشماء کو اس سے باتیں کرنا ہمیشہ اچھا لگتا تھا' وہ چاہتی تھی وہ اسی طرح حمدان کو زچ کرتی رہے مگر اسے ایسا لگتا جیسے حمدان کے دل میں بھی اس کیلئے سوفٹ کارنر ضرور ہے' جب ہی وہ روانی میں بہت کچھ کہہ بھی جاتا تھا۔

''دوائیں وقت پر لیجیے گا تاکہ طبیعت جلدی ٹھیک ہو' کیونکہ آپ ضدی بہت ہیں''۔ وہ جانے کیلئے مڑ گیا۔

''دوائیں وقت پر' آپ صحیح وقت بتا دیں کیا ہے''۔ لہجہ ذومعنی ہو گیا۔

''اریشماء! میں آپ کی ایسی گفتگو سے پریشان ہو جاتا ہوں' کیوں کرتی ہیں؟'' وہ زچ ہو گیا۔

''اس لئے کہ آپ کو میرا احساس ہو جائے''۔

''احساس آپ میرا کیجیے کیونکہ غریب آدمی ہوں مارا جاؤں گا''۔

''میں ایسا نہیں ہونے دوں گی' آپ مجھے پوزیٹو رسپانس تو دیجیے''۔

''او کے میں چلتا ہوں''۔ وہ اس کی لامتناہی گفتگو سے گھبرا کے تیز تیز قدم بڑھاتا ہوا چلا گیا۔ حمدان کا ذہن الجھ گیا تھا' اریشماء کی باتیں اسے پزل کر دیتی تھیں' وہ اسے رسپانس نہیں دے رہا تھا مگر وہ تو لگتا تھا اس سے ضد باندھے بیٹھی تھی' اسے ہرا کے رہے گی اور حمدان ایسا ہونے نہیں دے گا' اسے اپنا وقار بہت عزیز تھا۔

☆

آج اسے اس گھر میں تیسرا دن تھا' وہ چپ چپ تھی' آنسو تو اس کے نکل نکل کے لگتا تھا ختم ہو گئے ہیں۔ حمیرا بیگم اس کا بہت خیال رکھ رہی تھیں' شیبا اور بسمہ اس کا دل بہلانے کی ہر طرح سے کوشش کر رہی تھیں' مگر وہ تو جیسے بالکل بے حس اور جذبات سے عاری ہو گئی تھی۔ ذیشان نے ابھی تک بھی دوبارہ اسے مخاطب نہیں کیا تھا' وہ رات میں سویا بھی نیچے زمین پر تھا اور شہران وہ جیسے گھر میں نہ ہونے کے برابر' مگر اس کی بحث اور بدتمیزی وہ دیکھ چکی تھی' محمد احمد سے کبھی سیدھے منہ بھی اس نے بات کرتے نہیں دیکھا تھا۔

حرما کو اس کی یہ بدتمیزی ہی لگی تھی' باپ سے اس کا سلوک اچھا نہیں لگا تھا پھر جب تک گھر میں اگر ہوتا تو کمرے میں ہی رہتا۔

حمیرا بیگم رات کے لیے آلو گوشت کیلئے پیاز کاٹ رہی تھیں' شیبا برتن دھو رہی تھی' بسمہ ٹیوشن پڑھنے گئی ہوئی تھی اور وہ صبح سے لے کر رات تک لاؤنج میں ہی بیٹھی رہتی۔ کوئی بھی تو اس سے بے رخی سے بات نہیں کر رہا تھا' سب ہی کی توجہ کا مرکز تھی اور وہ سوگ منا رہی تھی' اس کے گھر سے پلٹ کے کسی نے بھی خبر نہیں لی تھی' اسے یہی غم مارے ڈال رہا تھا جب اس گھر میں ہی رہنا تھا تو اسے کچھ تو کرنا تھا۔

''لائیے میں کاٹ دیتی ہوں''۔ وہ لان کے سی گرین کپڑوں میں مرجھائے ہوئے چہرے کے ساتھ کچن میں چلی آئی۔

''بالکل نہیں' ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں' نئی دلہن ہو میں باقاعدہ کھیر پکواؤں گی پھر ہی اس کے بعد کام کرنا''۔ حمیرا بیگم نے پیار بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''ایسی شادی پر بھی آپ اتنی خوش ہیں''۔ وہ طنز سے گویا ہوئی۔

''شادی جیسی بھی ہوئی ہے ہو تو میری بہو''۔

''دھتکاری ہوئی' دھکے دے کر گھر سے نکالی گئی ہوں آپ پھر بھی خوش ہیں''۔

''بری بات بیٹا! ایسے نہیں کہتے' قسمت کا لکھا کوئی نہیں ٹال سکتا' یہ ہونا تھا''۔ وہ شرمندہ سی ہونے لگیں۔

''آہ قسمت''۔ سرد آہ بھری۔

''اب دیکھنا کتنی اچھی قسمت ہوگی میری بیٹی کی' چلو تم بیٹھو اندر''۔

''مجھے اچھا نہیں لگ رہا''۔ وہ منمنائی۔

''بھابی! آپ ٹی وی دیکھ لینا''۔ شیبا برتن دھو کر آنچل سے ہاتھوں کو خشک کرنے لگی۔

''مجھے ٹی وی کا زیادہ شوق نہیں ہے''۔ گویا ہوئی۔

''امی! چائے مل جائے گی' سر میں درد ہو رہا ہے''۔ شہران کی آواز پر وہ چونک گئی۔

''ہاں بناتی ہوں''۔ وہ پیاز کاٹ کر کاؤنٹر پر رکھنے لگیں۔

''اری تیرا ابا بہت محنت کرتا ہے اس کے سر میں درد نہیں ہوگا تو کیا ہوگا''۔ محمد احمد' حرما کا بھی تو خیال نہیں کر رہے تھے' ان کی تیز آواز پر حمیرا بیگم تاسف سے سر ہلا کر رہ گئیں' شہران صحن میں آ گیا۔

''ابو! اگر میں آپ کو کہوں گا کچھ تو آپ مجھے پھر گالیاں دو گے''۔

''چل چل کام کر' کیا مجھ پر اپنی جرنیلی دکھاتا ہے' جانے کہاں کہاں پھرتا ہے اس ٹیکسی چلانے کی آڑ میں''۔

''تم سے بہتر ہوں لڑکی کو بھگا کر نہیں لایا آج تک''۔ حرما تو شرم سے حیران رہ گئی' کتنی کھلے اور بے باک جملے وہ ادا کر رہا تھا۔

''ہاں لے آ یہی کسر رہ گئی ہے''۔ وہ دھاڑے۔

''لے بھی آؤں گا''۔ وہ آنکھیں نکالے ہوئے تھا۔ حرما کو شہران کی باتوں پر غصہ آنے لگا' کیسی بدتمیزی سے وہ اپنے باپ کو جواب دے رہا تھا۔

''چل بڑی دونوں کی''۔ حمیرا بیگم چائے کا پانی چولہے پر رکھ کر کچن سے باہر آئیں۔

''کچھ تو لحاظ کر لو' بہو گھر میں آ گئی ہے' تم دونوں ایسے ہی لڑنا''۔ انہوں نے شرمندہ کیا۔ شہران نے حرما پر نگاہ

ڈالی جو ناگواری سے اسے دیکھ رہی تھی وہ جز بز سا ہو گیا۔ پہلے ہی کون سا محلے میں ان کی عزت تھی اور اب تو حرما نے بھی دیکھ لیا۔

''بہو بھی عادی ہو جائے گی اور سنے گی ناں اپنے دیور کی باتیں''۔ پھر طنزیہ کہا۔

''آپ لوگ پھر شروع ہو گئے''۔ ذیشان یونیورسٹی سے اسی وقت ہی گھر میں داخل ہوا' لاسٹ ایئر تھا اکثر دیر سے گھر آ رہا تھا' حرما کی نگاہ اس کے برہم چہرے پر اٹھی۔

''بھائی! اس وقت بات انہوں نے نکالی ہے''۔ شہران نے صفائی پیش کی' ویسے ہی ذیشان نے اس سے بات چیت بند کی ہوئی تھی۔

''ذیشان! تم اندر جاؤ' ان کا تو روز کا ہی جھگڑا ہے''۔ حمیرا بیگم نے اس کا بازو پکڑا جو غصہ میں لگ رہا تھا۔

''کسی کو کوئی عقل نہیں ہے' سب کو اپنی اپنی پڑی ہے' ذرا بھی اپنی عزت کا خیال نہیں ہے' جو تھوڑی رہ گئی ہے وہ بھی ختم کروا دینا''۔ اس نے شہران کو گھورا' وہ پہلو بدل کر رہ گیا۔ محمد احمد برآمدے میں رکھی چیئر پر خاموش سے بیٹھ گئے۔ آج کل ویسے ہی اس کا دماغ ٹھکانے پر نہیں تھا اور آتے ہی ان دونوں کا جھگڑا' وہ سمجھا سمجھا کے تنگ آ گیا تھا۔

''تم اندر چلی جاؤ''۔ حمیرا بیگم نے سکتے میں کھڑی حرما کے کان میں سرگوشی کی۔

''جی''۔ وہ خود بھی ذیشان کے غصہ سے سہم سی گئی' نیا روپ اس نے دیکھا تھا ورنہ اتنا کول سا شخص وہ تو زیادہ خاموش ہی رہتا تھا' مگر اس وقت وہ دیکھ کر حیران تھی۔ حمیرا بیگم نے اسے زبردستی پیار سے اندر جانے کو کہا' شیبا چائے کا کپ ٹرے میں رکھ کر لے آئی۔

''آپ بھائی کیلئے یہ لے جائیے''۔ شیبا نے ٹرے تھمائی۔ وہ جھجکتی ہوئی آنچل شانوں پر برابر کرتی ہوئی اندر چلی آئی' وہ بیڈ پر نیم دراز تھا۔ آہٹ پر چونک کر اٹھ بیٹھا' چہرے پر سنجیدگی اس بلا کی تھی حرما جزبزسی ہو گئی' دل کی دھڑکن تیز ہو گئی' ہاتھوں میں پسینہ آ گیا' نگاہوں میں حجاب' غازوں پر سرخی تھی' مگر پھر بھی اعتماد کو بحال رکھا۔

''ارے حرما! تم کیوں کر رہی ہو یہ سب میں کچن میں آ کر خود لے لیتا''۔

''وہ شیبا نے مجھ سے کہا آپ کیلئے لے جاؤں''۔ آہستگی سے گویا ہوئی۔

''شیبا بھی بے وقوف ہے' میں یونیورسٹی سے آ کر کبھی بھی پہلے چائے نہیں پیتا ہوں' کھانا پینا فریش ہو کر کرتا ہوں''۔ وہ کچھ دیر پہلے کی ماحول کی تلخی کو دور کر کے نارمل لہجے میں آ گیا۔

''جب اس گھر میں آ گئی ہوں تو مجھے بھی رہ کر کچھ تو کام کرنے ہی ہیں''۔ چائے کی ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی۔

ذیشان نے چونک کر اس کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھا' دو دن سے صرف روتی تھی اور وہ پوری رات ڈسٹرب رہا تھا۔

''تم زبردستی نہیں کرو' میں امی کو کہہ دوں گا تم سے کوئی کام وغیرہ نہیں کروائیں''۔ وہ جانے لگا۔

''رکئے' آپ کی امی ویسے بھی مجھ سے ابھی کوئی کام نہیں کروا رہی ہیں''۔ جھٹ گویا ہوئی۔ وہ سر ہلا کے رہ گیا' نا چاہتے ہوئے بھی چائے کا سپ لینے لگا۔

''جب پیتے نہیں ہیں تو کیوں پی رہے ہیں''۔ وہ حیران بھی ہوئی۔

''تم جو لائی ہو''۔ مسکرا کے لہجے میں پیار سموئے گویا ہوا۔ حرما جھینپ کر رہ گئی' دونوں ہمیشہ آپ جناب سے ہی مخاطب ہوتے تھے مگر ذیشان نے نکاح کے بعد سے تم سے مخاطب کرنا شروع کر دیا تھا۔

''لیل ماہ آئی تھی یونیورسٹی؟'' قدرے توقف کے بعد جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''آئی ہو گی لیکن مجھے نظر نہیں آئی' میں نے ڈھونڈا بھی نہیں''۔ وہ جانتا تھا حرما اپنے گھر والوں کو بہت یاد کر رہی

ہے' پھر لیل ماہ اور وہ تو ہمیشہ ساتھ ساتھ نظر آتی تھیں۔

''آپ نے لائبہ سے نہیں پوچھا؟''

''لائبہ سے...... وہ مجھے لائبہ بھی نظر نہیں آئی' لگتا ہے دونوں ہی نہیں گئی تھیں''۔ اس نے وارڈروب کھولی۔ حرما اس کی پشت پر کھڑی تھی' اپنے کپڑے نکال رہا تھا حرما کا سوٹ کیس اسی طرح روم میں ایک طرف رکھا تھا' کپڑے تک نہیں نکالے تھے۔

''ابھی تو آپ کہہ رہے تھے لیل ماہ آئی تھی''۔ اسے یہ سمجھ نہیں آئی۔

''میرے کہنے کا مطلب یہ تھا وہ آئی ہو گی مگر میرا سامنا جان بوجھ کے نہیں کیا ہو گا' ویسے تم فکر نہیں کرو لیل ماہ سے میں بات کروں گا''۔ وہ اسے اطمینان دلانے لگا۔

''اسے یہاں آنے کا بولئے گا''۔ وہ نگاہ جھکائے ہوئے تھی۔

''ہوں بولوں گا''۔ کپڑے لے کر واش روم میں چلا گیا۔

حرما نے کھلی ہوئی وارڈروب کا پٹ بند کیا' دل مردہ سا ہو گیا تھا' جینے کی جیسے امنگ ختم ہو گئی تھی' ساری خواہشیں' تمنائیں سب سو گئی تھیں' جذبات احساسات جیسے سرد پڑ گئے ہوں۔ اس گھر کے مکین سب ہی اچھے تھے سوائے شہران اور محمد احمد کے' ان سے اس کی ابھی تک بھی بات نہیں ہوئی تھی۔ حمیرا بیگم ٹھنڈی چھاؤں بنی ہوئی تھیں' اس گھر کے ہر فرد کے رویے برداشت کر رہی تھیں۔ ان کی زندگی میں بھی اسے کوئی امنگ نظر نہیں آتی تھی' جیسے وہ گردش دایام گزار رہی ہوں اور شیبا خاموش گھر کے کاموں میں لگی رہتی تھی' میٹرک کے بعد اس کے باہر نکلنے پر پابندی جو لگا دی تھی اور رہی بسمہ' وہ نٹ کھٹ اور حاضر جواب بچی تھی کتنا خوش تھی اس کے گھر آنے سے' پٹر پٹر بولتی ہی رہتی تھی۔

ذیشان واش روم سے فریش ہو کر نکلا' وہ ہنوز سوچوں میں غلطاں تھیں آہٹ پر جھینپ سی گئی۔

''حرما! ایگزام دینا ہے؟'' یکدم ہی پوچھ لیا۔

''جی''۔ وہ چونک کر اسے خالی خالی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

''ایگزام دینا ہے تو تم دے سکتی ہو' میری طرف سے کوئی پابندی نہیں ہے''۔ گیلے بالوں کو تولیہ سے خشک کرنے لگا۔

''نہیں اب کوئی فائدہ نہیں دے کر مجھے کرنا بھی کیا ہے''۔ لہجے میں حسرت' دکھ' غم سب ہی عیاں تھا۔

''پھر بھی میں تو کہوں گا دے دو''۔

''نہیں مجھے نہیں دینا' مجھے نہیں جینا''۔ وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رونے لگی۔

ذیشان گھبرا گیا' تین دن سے وہ رو ہی تو رہی تھی' تسلی کے وہ الفاظ کہتا بھی کیا۔

''پلیز حرما! اس طرح روؤ گی تو مشکل ہو جائے گی''۔ تولیہ شانوں پر ڈالے وہ اس کے قریب ہی بیٹھا۔

''اور کتنی مشکل ہو گی' میں کہیں منہ دکھانے کی نہیں رہی ہوں''۔

''تم ایسا کیوں سوچتی ہو''۔ وہ فاصلوں پر بیٹھا تھا' وہ بے دردی سے اپنے ہاتھوں کو مسل رہی تھی۔

''میری آپ کی عزت تو کچھ نہیں رہی''۔

''عزت دینے والا اللہ ہے' میں نے تم نے کچھ غلط نہیں کیا ہے' سمجھیں''۔ وہ اسے سمجھانے لگا۔

حرما لب کچلتی رہی' اسے اپنے ابو کا رویہ زیادہ رلا رہا تھا' اس سے پوچھا بھی نہیں اور نکاح پڑھوا کے روانہ کر دیا۔

(جاری ہے)

ثمرین اسلام الدین

افسانہ

ہم تمہیں چاہتے ہیں ایسے

''جب جانے والے چلے جاتے ہیں اور پیچھے جینے کے لئے یادوں کا سہارا ہی ہوتا ہے' ہر کسی کے لئے چند ملاقات یا کچھ وقت کا ساتھ صرف وقتی ہوتا ہے مگر ہم جیسے لوگ اسے اپنے لئے جینے کا سامان کر لیتے ہیں مجھے نہیں لگتا کہ اب وہ پلٹ کر لوٹنے والا ہے' کیا پتہ اے میری ہمراز اس کو میں یاد بھی ہوں یا نہیں' وہ بچپن کی دھندلی یادیں اب شوخ جوانی میں کہاں یاد ہوگی اور مجھے بھی اب اس کی یادیں دل کے قبرستان میں دفن کرنی ہوں گی کیونکہ میری شادی ہونے والی ہے اور مجھ جیسی لڑکی......''

''اپیا! آپ سوئی نہیں''۔ زمین کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔ سویرا نے ڈائری بند کر کے تکئے کے نیچے رکھ دی۔

''نہیں نیند نہیں آرہی''۔ سویرا نے مسکراتے ہوئے اس کو دیکھا۔

''تھک گئی ہو کیا......؟'' سویرا نے اس کے سر میں ہاتھ پھیرا۔

''ہاں ابھی تو شروعات ہے گانے گا کر تو آواز بیٹھ گئی ابھی ہال سمیٹ کر آرہی ہوں گڑیا چائے کے برتن دھو رہی ہے''۔ زمین نے تفصیل بتائی۔

''آپ بھی سو جائیں! اچھے سپنے دیکھیں اور کل کی ٹینشن بالکل نہیں لیں' ہم بالکل آپ کی طرح گھر سنبھال لیں گے'' گڑیا بھی کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی تھی۔

''اچھا دادی اماں! ٹھیک ہے تم آرام کرو میں ذرا ٹیرس پر تھوڑی دیر کے لئے ٹھنڈی ہوا کھا کر آتی ہوں''۔ سویرا ان کو گڈ نائٹ کہہ کر دوسری جانب ٹیرس پر چلی آئی' زمین نے اس کی لڑکھڑاتی چال کو دیکھ کر آنسو صاف کئے تھے اور دل سے دعا کی اس کے خوش رہنے کی۔

''کیا واقعی تمہیں کچھ یاد نہیں' کیا بیتے ہوئے لمحوں کی صدا تمہیں بے چین نہیں کرتی''۔ وہ سامنے گھر کو نظروں میں لئے سونے لگی۔ رات کی تنہائی اور خاموشی میں ہوا کے دوش پر سامنے والے گھر سے میوزک کی ہلکی آواز سنائی دی تھی۔

''کیا کوئی اس گھر میں آیا ہے مگر کب......؟'' سویرا نے کمرے کی جلتی ہوئی لائٹ کو بغور دیکھا اس گھر اور اس کمرے سے اس کی کتنی یادیں وابستہ تھیں۔ ٹھنڈی ہوا اس کے جسم کو لگی تو کانپ گئی اور سردی کا احساس لئے وہ واپس اپنے کمرے میں آگئی تھی' مگر ایک احساس تھا جو اسے بے چین کر گیا تھا۔

☆

''آنے میں دیر کر دی' کیا خبر یہ اتنا اچانک ہو جائے گا جس کو ہر لمحے پل اپنے پاس دیکھا وہ دور ہو چکا ہوگا''۔ اس کے جانے کے بعد کمرے کی کھڑکی سے چاند دیکھا اور کرب سے ہنسا تھا۔

''اپیا! آپ کو پتہ ہے وہ ہمارے گھر کے سامنے جو انکل رہتے تھے وہ اپنی فیملی سمیت واپس آگئے ہیں' ان کے بیٹے فراز بھائی بھی اتنے پیارے ہیں اگر ہمارا کوئی بڑا بھائی ہوتا تو شاید ان ہی کی طرح ہوتا''۔ گڑیا اندر آتے ہی شروع ہو گئی۔

''ویسے آنٹی بتا رہی تھیں کہ فراز بھائی اور آپ کی بچپن سے بہت دوستی تھی' دیکھا کیسا دوستی کا حق نبھایا اور شادی کی ذمہ داری پوری کرنے چلے آئے ہیں نا''۔

''چپ ہو جاؤ گڑیا پلیز......'' اس کی کیفیت سے بے خبر گڑیا بولے گئی تو سویرا نے بے ساختہ اس کو چپ کروا دیا۔

''کیا ہوا آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے''۔ گڑیا نے پاس آکر فکرمندی سے پوچھا۔

''ہاں میں ٹھیک ہوں بس سر میں درد ہے نا اس لئے''۔ سویرا نے اسے ٹالنے کے لئے کہا مگر اندر اس کے دل کے کتنے ٹکڑے ہوئے تھے اس کو پتہ تھا جس کا ہمیشہ انتظار کیا اب وہ آئے بھی تو کب؟ رات کے



احساس نے یوں تو اسے بے چین نہیں کیا تھا اب اگر شادی میں اسے دیکھا تو کیا ہوگا......؟ آنکھوں میں جلن کا احساس ہوا تو آنکھیں صاف کرنے لگی۔

مایوں کی رسم میں آنٹی نے آکر رسم کی تو اس نے دھیرے سے سلام کیا جواباً انہوں نے بیٹھا لیا۔ جبکہ فراز نے اس کی طرف دیکھا جو پیلے جوڑے میں گھونگھٹ گرا کر اس سے دور بہت دور بیٹھی تھی' اس کے دل میں ٹیسیں اٹھنے لگیں وہ وہاں سے ہٹ گیا۔

''کیا اب بھولنا آسان ہوگا......؟ خدا کرے کہ اس سے سامنا نہ ہو''۔ مایوں کے بعد کمرے میں بیٹھی وہ اس ہی بات کو سوچنے لگی۔

''نہیں یہ بے ایمانی ہے میں نہیں سوچوں گی' یہ امانت میں خیانت ہوگی میں کیوں اس کو سوچے جا رہی ہوں......؟ جبکہ سوچنا مجھے کسی اور کو چاہئے''۔ سویرا نے بے ساختہ سر پکڑا تھا۔ سامنے اس کے وہ لمحے کھیل رہے تھے جب وہ ایک دوسرے کے ساتھ تھے' ایک ہی بازگشت تھی۔

''میری پارٹنر بنو گی''۔ گلی میں کھیلتے ہوئے جب اس نے آکر سوال کیا تو سویرا نے ہاتھ ملا کر گلی میں کھیلتے ہوئے دوستی کا آغاز کیا تھا' حنیف انکل کا ٹرانسفر ہوا تھا اور وہ جاب کی وجہ سے یہاں پر آئے تھے وہ ٹرانسفر کی وجہ سے خود بھی اکثر پریشان رہتے تھے' مگر یہاں طارق صاحب جو سویرا کے والد تھے ، جان پہچان کی وجہ سے ان کو زیادہ پریشانی نہیں ہوئی تھی' فراز بھی اکلوتا تھا جبکہ سویرا تین بہنیں تھیں' سویرا بڑی تھی۔ اس کے بعد تو فراز اور سویرا ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہوگئے تھے ہر جگہ ایک ساتھ پائے جاتے تھے' اسکول ہو یا گھر یا پھر کھیل' فراز کا سویرا کی وجہ سے اکیلا پن دور ہوگیا تھا اس کو نئے دوست بنانے کی ضرورت نہیں پڑی اور سویرا فراز کے بعد دوستوں کو بھول گئی۔ اس دن بھی ایک لڑکے نے دوستی کی آفر کی تو فراز کے منع کرنے کے بعد بھی اس نے اسے دوستی کے لئے ہاتھ بڑھا دیا' فراز ناراض ہوکر اسکول سے چھٹی کے وقت اکیلا ہی باہر نکلا تھا' سویرا' زمین کا ہاتھ پکڑے فراز کو ڈھونڈتی باہر آئی' فراز کو روڈ کراس کرتے دیکھ کر فراز کو آواز دی مگر فراز نے ان سنی کر دی' سویرا' زمین کو رکنے کا کہہ کر فراز کے پیچھے منانے کے لئے لپکی مگر تیز رفتار کار اس کو ٹکر مار کر اس کے پاؤں پر سے گزر کر چلی گئی' سویرا بے ہوش ہو گئی مگر جب ہوش آیا تو وہ ایک ٹانگ سے محروم ہو چکی تھی' ایسے ہی وقت میں فراز نے اس کا ساتھ دیا اور اس کو دوبارہ پڑھائی کی طرف راغب کیا' اکثر اس پر ہوٹنگ کرنے والوں سے اس کی ہاتھا پائی بھی ہوئی تھی۔

اس حادثے کے بعد بھی سویرا فراز کو برا نہیں سمجھ پائی تھی' اب بھی' اکثر اپنی پوری منتھلی پاکٹ منی فراز کو اس کے میچ کے لئے دے دیا کرتی تھی اور فراز اس سے وعدہ کرتا کہ جب وہ بڑا ہوکر کمائے گا تو ضرور اس کا قرض اتارے گا' کچھ سالوں بعد جب وہ میٹرک میں تھے اور زمین 7th میں تھی تو حنیف انکل کا ٹرانسفر ہوگیا اور وہ پنڈی چلے گئے مگر سویرا کا ادھورا پن مکمل نہ ہوا' زمین نے ہر ممکن ساتھ دیا مگر فراز کی عادت وہ چاہنے کے باوجود بھی نہیں بھلا پائی تھی اور وہ آج بھی اسی موڑ پر تھی جہاں ان کا ساتھ چھوٹا تھا مگر وقت کے ساتھ ان کی دوستی دوسرے رخ پر مڑ چکی تھی' آخر پڑھائی مکمل ہونے کے بعد رشتہ اچانک طے ہونے کی وجہ سے وہ کچھ کہہ نہیں پائی اور کہتی بھی کیوں اس کے آنے کی کوئی آس تو ہوتی پھر اس کی معذوری رکاوٹ تھی' اچھے رشتے کی وجہ سے فوراً ہاں ہوئی اور شادی بھی ہونے والی تھی مگر وہ اس کا کیا کرتی جو بہاروں کی طرح واپس تو آیا تھا مگر جب تک وہ خزاں رسیدہ ہو چکی تھی۔

☆

''قسم سے اپیا! فراز بھائی نے بابا جانی کا بوجھ بالکل ہلکا کر دیا ہے ہر چیز کے لئے وہ حاضر ہوتے ہیں اور حنیف انکل تو بابا کو ایک سے ایک مشورہ دیتے رہتے ہیں اور آنٹی آپ کے جہیز کی تیاری میں امی کا ہاتھ بٹا رہی ہیں واقعی بہت اچھے ہیں انکل آنٹی اور فراز بھائی تو بہت ہی اچھے بالکل بھائیوں کی طرح پیارے ہیں''۔ گڑیا نے ایک بار پھر تعریفوں کے پل باندھ دیئے تھے۔ سویرا مایوں بیٹھی بس اس کے قصیدے سنتے رہتی تھی۔

''کچھ اتنے اچھے بھی نہیں ہیں' ایسے لوگ کہاں اچھے ہوتے ہیں جو دوسروں کو کہیں کا نہ چھوڑے''۔ زمین نے ناگوری سے کہا۔ سویرا نے چونک کر اسے دیکھا۔

''کیا مطلب آپ کا..... ؟ اچھے تو ہیں کتنا ساتھ دے رہے ہیں فراز بھائی''۔ گڑیا نے پوچھا۔

''یہ جو اپیا کی حالت ہے نا آج' اس کی وجہ بھی فراز بھائی ہیں' مجھے اچھی طرح سے یاد ہے وہ دن جب یہ حادثہ ہوا تھا' اس کے لئے تو میں کبھی معاف نہیں کروں گی' جنہوں نے میری بہن کو بے سہارا بنا دیا''۔ زمین نے نفرت سے کہا تو گڑیا چپ کی چپ رہ گئی۔

''نہیں زمین! ایسے نہیں کہتے یہ حادثہ میری وجہ سے ہوا میری غلطی تھی تم اس کے لئے کسی کو الزام نہیں دے سکتیں''۔ سویرا نے ٹوکا۔

''آپ کو تو ہمیشہ ان کی طرف داری آتی ہے مگر مجھے معلوم ہے غلطی کس کی ہے اور کس کی نہیں' ہمیشہ اس کی وجہ سے آپ کو سبکی اٹھانی پڑی' مجھے نہیں پتہ کیا کتنا روئی ہیں آپ چھپ چھپ کے۔ وہ دن آپ کو یاد نہیں اپیا! مجھے یاد ہیں''۔ زمین کہتے ہوئے وہاں سے باہر چلی گئی تو گڑیا بھی باہر چلی آئی۔

''تمہیں کیا معلوم کس قدر میں نے اس سے چاہت کی ہے اور یہ محبت محبوب کی کوئی خطا نہیں مانتی''۔ وہ سوچ رہی تھی۔

''یہ کیسا شور ہے گڑیا! کیوں اتنا ہنگامہ ہو رہا ہے......؟'' سویرا گھبرا گئی' دلہن بنی سویرا نے گڑیا سے پوچھا' گڑیا جو کہ اس کے پاس ہال کے دلہن روم میں بیٹھی تھی بس نکاح ہونے ہی والا تھا کہ شور شروع ہوگیا۔

''میں دیکھ کر آتی ہوں اپیا! آپ فکر مند مت ہوں''۔ گڑیا اس کو چھوڑ کر باہر آئی جہاں شور مچا ہوا تھا۔

''یہ ہمارے بس کی بات نہیں ہے آپ کو پتہ ہے بیٹی والے اس وقت بالکل خالی ہوتے ہیں جو کچھ تھا وہ ہم نے اپنی بیٹی کو دے دیا یہاں تک کہ کچھ قرض لے کر بھی پورا کیا ہے' اب یہ فرمائش کہاں سے پوری کروں میں......؟'' بابا جانی بہت بے چینی سے کہہ رہے تھے۔

''دیکھو حنیف یار! تم ہی سمجھاؤ ان کو گاڑی کا بندوبست اب کہاں سے ہوگا......؟'' پہلے سے پتہ ہوتا تو کر سکتا تھا اب یہ ناممکن ہے میرے لئے تم تو جانتے ہی ہو''۔

''بہن! طارق بھائی صحیح کہہ رہے ہیں ابھی تو ممکن نہیں کچھ دنوں بعد چلو انتظام کر دیں گے' ابھی آپ شادی تو پوری کیجئے''۔

''دیکھئے سلامی میں گاڑی دیں گے تو اس میں ہمارا فائدہ نہیں ہے یہ تو ان کی بیٹی کے ہی کام آئے گی' ظاہر سی بات ہے آنے جانے کے لئے ان کی بیٹی کو پریشانی ہوگی تو نا یہ خیال تو ان کو خود آنا چاہئے تھا اپنی بیٹی کی معذوری کا''۔ لڑکے کی ماں نے تھوڑی تیز آواز میں کہا تو بابا کا سر جھک گیا۔

''اچھا آپ ابھی تو نکاح کروایئے بعد میں ہم کچھ کر دیں گے' کچھ وقت دیجئے پلیز......'' حنیف انکل نے دوبارہ منت کی تو بھی ان پر اثر نہیں ہوا' سویرا بے ساکھیوں سے چلتی ہوئی باہر آئی تو اپنے بابا کا جھکا ہوا سر دیکھا' اتنا بے بس ان نے پہلے کبھی نہیں دیکھا' آنکھوں میں آنسو بھر آئے' اتنے بڑے مجمع کی طرف نگاہ ڈالی ہر رشتے دار تھا مگر صرف باتیں سنانے کے لئے۔

''ابھی انتظام کرنا ہے تو کروایئے نہیں تو یہ بارات واپس لے جائیں گے''۔ انکل نے بھی بے حسی کی حد کر دی تھی جبکہ دولہا ایسے بیٹھا تھا جیسے اس کے متعلق بات نہیں ہو رہی۔

''سنئے انکل! اگر بارات واپس لے جانی ہے تو لے جائیں بے شک' یہ دھمکی مت دیجئے''۔ سویرا کی برداشت سے باہر ہوا تو وہ کہہ اٹھی اس کی آواز سے

یکدم سناٹا ہوگیا۔

''آپ یہاں کیوں آئیں' جاؤ اندر ہم بات کر رہے ہیں نا''۔ بابا فوراً اس کے پاس آئے۔

''سکینہ تم اندر لے کر جاؤ اس کو''۔ بابا نے امی کو اشارہ کیا۔

''نہیں امی! میں بھی دیکھنا چاہتی ہوں یہ کیا کر سکتے ہیں' یہ کیا شادی سے انکار کریں گے میں خود انکار کرتی ہوں جایئے لے جایئے واپس بارات...... بارات ہی واپس لے کر جائیں گے میری قسمت تو نہیں...... ابھی ان کا یہ حال ہے اگر بعد میں کوئی فرمائش ہوئی تو کیا کریں گے آپ لوگ......؟ مجھے نہیں رکھنا ان لالچی لوگوں سے رشتہ''۔ سویرا نے اچھی خاصی سنادی۔

''ارے...... دیکھا آپ نے اس لڑکی کی زبان توبہ توبہ...... کیسے منہ پھاڑ کر کہہ رہی ہے ارے ہم تو خدا ترسی میں شادی کے لئے راضی ہوئے تھے کہ چلو لڑکی اپاہج ہے تو کیا ہوا ہم ہی سہارا دے دیں' ہمارا بیٹا ماشاء اللہ صحت مند ہے پھر بھی ہم نے شادی کرنی چاہی چلو اچھا ہوا جو ہم بچ گئے''۔ لڑکے کی ماں اس کی باتوں سے تپ کر سب کو جانے کے لئے کہنے لگیں۔

''رکیے تو بہن! بات تو سنئے وہ تو بچی ہے نا سمجھ ہے مگر آپ ہی بڑا پن دکھایئے پلیز رک جائیں' ہم کچھ کرتے ہیں''۔ بابا ان کی منت سماجت کرنے لگے۔

''پلیز بابا...... اپنے آپ کو نیچا مت دکھائیں جانے دیں ان کم ظرفوں کو''۔ سویرا روتے روتے چیخ اٹھی تھی' وہ روکنے کے لئے آگے بڑھی مگر گر پڑی فراز جو کہ سلامی کی انگوٹھی گھر سے لینے گیا تھا واپس آیا تو حیران پریشان سا کھڑا دیکھ رہا تھا جب وہ گرنے لگی تو جا کر پکڑنے لگا۔

''جائیں اور جا کر بٹھایئے تمام عمر اپنی بیٹی کو''۔ جاتے جاتے بھی وہ طنز کرنا نہیں بھولی تھیں۔

''یہ کیا کر دیا بیٹا تم نے......؟ اب کیا ہوگا سب ہم کو ہی برا بھلا کہیں گے' کیسے سہہ پائیں گے ہم ان کی باتوں کو''۔ امی اس کے پاس آ کر اسے کہنے لگیں' بابا خود الگ لٹے ہوئے لگ رہے تھے' حنیف انکل ان کو تسلی دینے لگے۔

''آنٹی پلیز...... آپ چپ ہو جائیں''۔ فراز آگے بڑھ کر ان کو چپ کروانے لگا۔

''بس کیجئے فراز بھائی......! یہ ناٹک...... رکھئے اپنی خدا ترسی اپنے پاس' آج جو بھی ہوا میری بہن کے ساتھ اس کے ذمہ دار بھی آپ ہی ہیں' اب اپنی ہمدردی مت جتائیں' پلیز آپ کی ہمدردی سے ہمارے دکھ ختم نہیں ہو جائیں گے بلکہ نمک کا کام کریں گے جو زخموں پر چھڑکا جاتا ہے''۔ نرمین نے اس کے ہاتھ کو ہٹاتے ہوئے غصے سے چلا کر کہا جبکہ فراز دنگ رہ گیا۔

''میری بہن جو بے سہارا ہے تو آپ کی وجہ سے' بچپن سے لے کر آج تک طعنے سہے اس کا مداوا آپ کی ہمدردی نہیں کر سکتی سو پلیز ہمیں مت دکھائیں یہ ہمدردی' اتنی بدنامی' پہلے معذوری رکاوٹ تھی' سہارا کون دے گا' بتائیں ذرا......؟ کیا آپ شادی کریں گے اپیا سے بتائیں ہمیں......؟'' غصہ میں نرمین نا جانے کیا کیا بول گئی۔

''چپ کر جاؤ خدا کے لئے نرمین! کیوں مجھے ذلیل و خوار کرنے پر تلی ہو تم لوگ' ابھی میں زندہ ہوں کیوں جیتے جی مار رہے ہو مجھے تم''۔ بابا نے دبی دبی آواز میں ڈانٹا۔

''نہیں طارق! صحیح کہہ رہی ہے بچی...... خدا گواہ ہے' ہم یہاں دوبارہ سویرا کا ہاتھ مانگنے ہی آئے تھے مگر ہم اس کی شادی کا سن کر چپ ہو گئے جو کچھ ہوا اس کا مداوا واقعی ہم نہیں کر سکتے مگر یہ ضرور کر سکتے ہیں کہ آج اور ابھی تم سے میں سویرا بیٹی کا رشتہ مانگتا ہوں اگر تمہیں منظور ہو تو ہم ابھی ان کا نکاح پڑھوائیں گے' بولو تمہیں منظور ہے......؟'' حنیف انکل کا دھماکہ کسی ایٹم بم سے کم نہ تھا' ان کی بات نے تو بابا کے جسم میں نئی روح پھونک دی تھی' ان کو لگا وہ دوبارہ جی اٹھے' فرط مسرت سے حنیف

انکل کے گلے لگ گئے۔ اور سویرا کے لئے تو یہ معجزہ ہی تھا کہ جس کو شدت سے چاہا تھا' وہ اس کا نصیب بننے جا رہا تھا مگر اس کے دل میں کئی خدشات گھر آئے۔

''کیا خبر یہ ہمدردی ہو یا پھر صرف اپنے باپ کا مان......''

پھر نکاح بھی ہوگیا۔ بابا رخصتی کچھ وقت کے لئے ٹالنے لگے مگر انکل نے کہا۔

''یار! ہو جانے دو رخصتی' اب یہ ہماری ذمہ داری ہے تم تو بس جلدی سے اپنے فرض کی ادائیگی کرو''۔ انکل کی بات میں اتنا اصرار تھا کہ بابا انکار نہیں کر پائے اور انکل رخصتی کرا کر اپنے گھر لے آئے۔

☆

فراز کمرے میں انٹر ہوا تو سیج پر بیٹھی سویرا چونک اٹھی اور اس کا دل دھڑک اٹھا۔

''اتنا چاہتی ہو مجھے......؟'' اچانک فراز کی آواز ابھری' آواز کے جادو سے ہی اس کا دل بھی اور وہ خود بھی کانپی تھی' اتنے سالوں بعد اس کا دیدار ہونے والا تھا جس کو ہر لمحہ سوچا تھا۔ فراز اس کے برابر میں آ بیٹھا اور گھونگھٹ اٹھا کر ایک بار پھر سوال کیا۔

''بتاؤ مجھے...... اتنا چاہتی ہو مجھے......؟''

''کس نے کہا تمہیں کہ میں تمہیں چاہتی ہوں......؟'' اک نظر اس کے چہرے کو نظروں میں بسایا پھر نظر جھکا کر الٹا سوال اسے کیا تھا۔

''یہ پوچھو کس کس نے نہیں کہا......؟ تمہارے ہر انداز نے کہا' تمہارے دل نے میرے دل سے کہا۔ بچپن میں جس طرح میرے پیچھے آتے میری ناراضگی کے خوف سے تم اپنے آپ کو بھلا بیٹھی تھیں اس نے' مجھے اپنی پاکٹ منی دے کر خود بغیر پیسوں کے گذارتی تھیں اس نے اور پھر آج جس طرح تم نے شادی سے انکار کیا اس رویے نے کہا کہ تم مجھے بہت بہت چاہتی ہو''۔ فراز نے آخر میں شرارتی انداز میں کہا۔

''نہیں یہ غلط ہے کہ میں نے شادی سے انکار تمہارے لئے کیا' وہاں میرے بابا کی عزت کا سوال تھا مجھے اپنی پرواہ نہیں تھی اس وقت یہ نہیں ہوتا تو شاید بعد میں ہوتا مگر میں کسی کے لئے شادی سے انکار نہیں کر سکتی تھی' اپنے بابا کے لئے میں اپنی محبت بھی قربان کر سکتی تھی''۔ سویرا ایکدم کہہ اٹھی۔

''ہوں اچھا چھوڑو اس کو مگر اس حقیقت سے تم انکار نہیں کر سکتی ہو''۔ فراز نے سرمئی ڈائری آگے کی تو سویرا نے ڈائری جھپٹ لی۔

''یہ کہاں سے ملی......؟'' سویرا نے سوچا۔

''یہ مجھے تمہارے کمرے سے ملی' میں وہاں سلامی کی انگوٹھی لینے گیا تھا' مجھے نہیں معلوم تھا کہ کوئی مجھے اتنی شدت سے چاہ سکتا ہے' میں تو سمجھا تھا کہ میں ہی تمہیں یاد کرتا ہوں مگر تم تو محبت میں بہت آگے نکلیں''۔ فراز نے جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانکا تو اسے خود کی شبیہ نظر آئی اس کی ہر ادا سے صرف فراز کے لئے پیار چھلک رہا تھا' فراز مسکرا دیا۔

''یہاں سے جانے کے بعد مجھے احساس ہوا میں نے کیا چھوڑ دیا ہے' کسی کو آج تک دوست نہیں بنا پایا' جب کسی قابل ہوا اور بابا کی جاب مکمل ہوئی تو سب سے پہلے میں نے اپنی خیال کا اظہار پاپا سے کیا مگر جب ہم یہاں آئے تو پتہ لگا کہ تمہاری شادی ہونے والی ہے' اس سفر میں تم اکیلی نہیں تھیں سویرا! میں تمہارے پیچھے صرف ایک قدم پیچھے تھا کہ اگر تم لڑکھڑاؤ تو میں تمہیں سنبھال سکوں' دیکھو میں نے تمہیں تھام لیا نا' اب میں تمہیں اپنی بانہوں کے سہارے سنبھال کر چلوں گا''۔ فراز نے اسے دھیرے سے بانہوں میں لیا۔

''اب تو تم بھی زبان سے اقرار کر دو جان فراز''۔ فراز نے کہا۔

''ہم تمہیں چاہتے ہیں ایسے
مرنے والا کوئی زندگی چاہتا ہو جیسے''
سویرا دھیمے سے گنگنائی تھی۔

☆

نائلہ طارق

قسط نمبر 17۔

سلسلے وار ناول

''زینب! یہ مومو کے بھائی ہیں''۔ سارہ یکدم ہی رکی تھی جب اس نے عاطف کو فوراً ہی وہاں سے پلٹ کر جاتے دیکھا تھا' کسی غیر معمولی بات کا اسے احساس ہوا تھا جو اس نے چونک کر خاموش کھڑی زینب کے فق چہرے کو دیکھا تھا۔

''یہاں آتے ہی تم نے اپنی ذہانت کے تیر چلا دیئے''۔ مسکرا کر اس نے زینب کے شرمندہ چہرے کو دیکھا تھا۔

''وہ سب مجھے ایسے گھور گھور کر دیکھ رہے تھے کہ مجھے سب پر ہی شک ہونے لگا تھا' تم نے یہ تو نہیں بتایا تھا کہ اتنے ڈھیر سارے لوگوں کے درمیان رہ رہی ہو' اگر تم مجھے گیٹ پر لینے آ جاتیں تو میں یہ بے وقوفی نہ کرتی''۔ وہ خفت سے بولی تھی۔

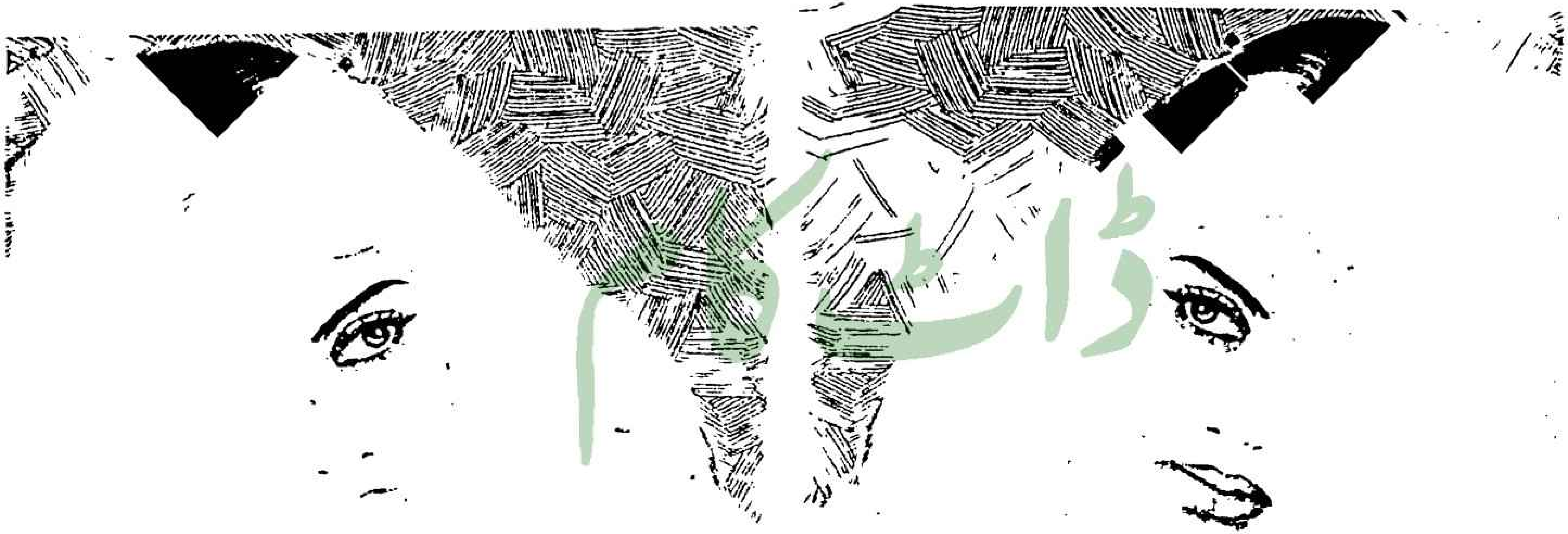
''جس گھونگھٹ میں تم مشکوک انداز میں چل رہی تھیں ہر انسان نے ہی تمہاری طرف متوجہ ہونا تھا''۔ سارہ نے کہا تھا۔

''تم میری طرف سے ان سے معافی مانگ لینا' میں نے واقعی بہت غلط کہا تھا''۔ زینب افسردہ ہو کر بولی تھی۔

''تم بلاوجہ پریشان ہو رہی ہو' وہ بہت اچھے انسان ہیں' میرے سامنے تو وہ ذکر بھی نہیں کریں گے مگر میں پھر بھی تمہاری طرف سے ایکسکیوز کر لوں گی''۔ سارہ نے اسے تسلی دی تھی۔

''اچھا یہ بتاؤ تمہارے منگیتر کیسے ہیں؟'' سارہ نے تنگ کرنے والے انداز میں پوچھا تھا۔

''ٹھیک ہی ہوں گے مگر تم اس کی کوئی بات مت کرنا' میں تمہارے ساتھ یہاں اچھا وقت گزارنے آئی ہوں''۔ زینب کے بجھے لہجے پر اس نے گہرا سانس لیا تھا۔



''زینب! ایک سال ہونے والا ہے تمہاری انگیجمنٹ کو' وہ اب تک تمہارے دل میں جگہ نہیں بنا سکا ہے؟ انگیجمنٹ میں ہی میں نے معیز کو دیکھا تھا وہ اور اس کے باقی گھر والے بھی مجھے بہت اچھے اور تہذیب یافتہ لوگ لگے تھے' پھر کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ؟''

''تہذیب یافتہ......'' زینب کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ لہرائی تھی۔

''زینب! آج مجھ سے کھل کر بات کرو' تم دوست ہو میری' مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ تم کیا چاہتی ہو' تمہاری پوری زندگی کا سوال ہے''۔

''تم جانتی ہو میرا دل نہ کل راضی تھا نہ آج راضی ہے......''

''اور میں نے تم سے ہزار بار کہا ہے کہ مجھے اپنے گھر والوں سے تمہارے دل کی بات کہنے دو''۔ سارہ نے اس کی بات کاٹی تھی۔

''جب کوئی میری ایک نہیں سن سکا تو تمہاری مداخلت پر کون کان دھرے گا''۔

''بے وقوفی مت کرو' یہ تمہارا حق ہے اگر تمہارا دل اب تک مطمئن نہیں ہے تو یہ بہت خطرناک ہے آگے کیلئے' تمہیں احتجاج کرنا چاہیے''۔ سارہ نے کہا تھا۔

''یہ آسان نہیں ہے' تم جانتی ہو اچھے رشتوں کا کال ہے' میرے علاوہ میری اور چار بہنیں بیٹھی ہیں' ماں میری دل کی مریضہ ہے' گھر کے حالات تمہارے سامنے ہیں' اب بھی انکار کیلئے زبان کھولوں گی تو کتنی بد دعائیں سمیٹوں گی۔ زندگی پہلے ہی کون سی سکون سے بھری ہے''۔ زینب کے جذباتی انداز پر وہ چند لمحوں کیلئے خاموش ہو گئی تھی۔

''مجبوریوں کی ان ہی تاریکیوں میں روشنی کی کرن پھوٹتی ہے زینب! بس ہمت نہیں ہارنا' میں ہر حال میں تمہارے ساتھ ہوں' سب کے ساتھ اپنی ذات کو بھی اہمیت دو' سب کی سنو مگر فیصلہ کرنے کا اختیار اپنے پاس رکھو' ابھی وقت ہے تمہارے پاس''۔ اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے سارہ نے اسے کچھ سمجھانے کی کوشش کی تھی' اس کے ساتھ ہی سدرہ کی آمد پر ماحول اور گفتگو کا رخ بدل گیا تھا۔

☆

بگڑے تیوروں کے ساتھ وہ شان کی طرف آیا تھا جو گاڑی کے بونٹ پر نیم دراز اسی کی طرف متوجہ تھا۔

''اسے اپنی زبان میں سمجھا دو مجھ سے دور رہے' جہاں جا رہا ہوں میرے پیچھے آ رہی ہے' دماغ خراب ہو گیا میرا تو سب کے سامنے اپنی اوقات بتا دوں گا' سب نظارہ کرلیں گے کہ کتنا واہیات Women's beater ہوں میں''۔ مشتعل وہ شان سے مخاطب تھا اسی دوران موموبھی قریب آ رکی تھی۔ شان کے مشورے کے مطابق اس وقت بھی اس نے زمانے بھر کی مسکینی چہرے پر سجا رکھی تھی۔

''کب معاف کرو گے؟ میرے تو حلق سے نوالہ نہیں اتر رہا تمہاری ناراضگی میں''۔

''یہاں سے جھوٹ شروع ہو رہا ہے''۔ شان نے درمیان میں ہی شاہ رخ کو خبردار کیا تھا جبکہ مومو نے بری طرح تلملا کر اسے گھورا تھا۔

''مجھے کوئی جھوٹ سچ سننا ہی نہیں ہے اور نہ میں سن رہا ہوں''۔ بے نیازی کے ساتھ شاہ رخ اپنے سیل فون کی طرف متوجہ رہا تھا۔

''بات سنو زیادہ نخرے نہ دکھاؤ' اگر میں تمہارے آگے پیچھے گھوم سکتی ہوں تو تمہارے بڑے بھیا کے دربار میں بھی جا سکتی ہوں پھر دیکھتی ہوں تمہاری یہ اکڑ فوں کہاں غائب ہوتی ہے''۔ مومو مزید ضبط کا مظاہرہ نہ کر سکی تھی۔

''شوق سے جاؤ اور اس خطاب کا ذکر بھی کرنا جو تم نے مجھے دیا ہے''۔ خونخوار نظروں سے اسے دیکھتا وہ گراؤنڈ کی سمت بڑھ گیا تھا۔

''اُف......مر گیا''۔ گھٹنے کو سہلاتے ہوئے شان کراہ اٹھا تھا۔

''گھٹیا قسم کے آئیڈیے دے کر اپنی انجوائے منٹ کا سامان کر لیا''۔ وہ شان پر غرائی تھی۔

''ارے چھوڑو' ایک تو اوور ایکٹنگ کرتی ہو اور میرے مشوروں کو گھٹیا کہتی ہو۔ پرانے ہو کر گھس چکے ہیں یہ ڈائیلاگ' حلق سے نوالہ نہیں اتر رہا''۔ خشمگیں نظروں سے اسے گھورتے ہوئے شان نے اس کی نقل اتاری تھی۔

''سوری' اسی ٹائپ کی چیز قطعی نہیں ہوں میں''۔ مومو نے ناک پر سے جیسے مکھی اڑائی تھی۔

''اب سر پر جوتے برساؤں گی تب جا کر دوسرا آئیڈیا اگلو گے''۔

''میں آئیڈیے بنانے کی مشین نہیں ہوں' جا کر اب سارہ کا دماغ خرچ کرو' اسے تو شاہی اپنا قتل بھی معاف کر سکتا ہے''۔

''بخش دو اس کو' چھوٹے بھیا نے پہلے ہی ٹینشن میں اسے ڈال رکھا ہے''۔ مومو نے بیزاری سے کہا تھا۔

☆

گراؤنڈ میں جاری باسکٹ بال کی طرف متوجہ وہ اس وقت وہاں تنہا ہی بیٹھا تھا جب شمس اور سدرہ کی آمد ہوئی تھی۔

''یہاں اس طرح تنہا کیوں بیٹھے ہو؟'' بغور اس کے تاثرات کو دیکھتے ہوئے وہ کرسی پر بیٹھے تھے۔

''مجھے تنہا کر دیا گیا ہے اسی لیے تو یہاں تنہا دکھائی دے رہا ہوں''۔ عاطف کچھ شکایتی لہجے میں بولا تھا۔

''کوئی بات نہیں' اب ہم یہاں موجود ہیں تو تم تنہا نہیں ہو''۔ سدرہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''آپ کا بہت شکریہ' مگر اس کی کمی کو کوئی پورا نہیں کر سکتا''۔ عاطف نے کچھ ناراضی سے کہا تھا۔

''اب اس طرح ناراض ہو کر شرمندہ مت کرو' میں تو خود تمہارے بھروسے پر بیٹھا تھا کہ تم کسی نہ کسی طرح اسے منا لو گے' وہ کیا سوچ رہا ہے' کیا کرنا چاہتا ہے......؟''

''آپ مجھے بتائیں میں کس بات کے لیے اسے مناؤں؟ مجھے تو یہ تک نہیں معلوم میں نے کیا غلط کیا ہے؟ اس کے باوجود میں اس سے بات کرنے کی کوشش کر رہا ہوں مگر وہ مستقل کترا رہا ہے' نہ کال ریسیو کرتا ہے نہ میسجز کا کوئی جواب دے رہا ہے' اسے یہ تک پروا نہیں ہے کہ میں کس قدر ہرٹ ہو رہا ہوں''۔ عاطف شدید تاسف کے ساتھ بولتا چلا گیا تھا۔

''تم اس کی طرف سے اپنا دل خراب مت کرو' تمہیں اندازہ ہو چکا ہو گا کہ وہ کتنا ڈسٹرب ہے''۔ سدرہ کچھ شرمندہ لہجے میں بولی تھیں' جس پر اس نے شمس کے متفکر چہرے کو دیکھا تھا جو بالکل خاموش تھے۔

''مجھے اندازہ ہے' وہ کسی سے نہیں مگر مجھ سے تو اپنی پریشانیوں کو ڈسکس کر سکتا ہے مگر میں پھر بھی اپنی کوشش جاری رکھوں گا جب تک وہ اپنے خول سے باہر نہ نکل آئے' آپ سب اسے کسی چیز کیلئے فورس نہ کیجیے گا''۔ عاطف نے تاکید کی تھی۔

☆

''شمس نے فون پر مجھے کچھ دن پہلے بتایا تھا کہ تم ڈسٹرب ہو کسی بات کو لے کر' کیا وجہ یہی ہے جو تم نے مجھے بتائی ہے؟'' ڈاکٹر منصور نے بغور اسے دیکھا تھا۔

''آپ وجہ بھی ان سے پوچھ لیتے؟'' وہ کوفت سے بولا تھا۔

''اب یہ شکایت مت کرنا کہ شمس تمہاری ہر معمولی غیر معمولی سرگرمی سے مجھے باخبر کردیتے ہیں' تم جانتے ہو وہ کس حد تک تمہارے لیے پوزیسو ہیں''۔

''انہیں شاید وہم ہوا ہوگا' میں نے جو آپ کو معاملہ بتایا ہے بس اسی پر آپ سے ڈسکشن کیلئے آیا ہوں''۔

''کیا یہ فضول معاملہ تمہارے لیے ذہنی پریشانی کا باعث ہے؟''

''ہرگز نہیں' میں بس آپ کی رائے جاننا چاہتا ہوں' یہ ایسا معاملہ نہیں تھا کہ میں آپ کے علاوہ کسی سے بات کرتا' اس صورتحال نے مجھے وقتی طور پر غصے میں مبتلا ضرور کیا تھا' میں شاکڈ بھی تھا اس کے علاوہ کچھ نہیں''۔ وہ بولا تھا۔

''شیث! تمہیں یاد ہوگا کہ تمہارے تمام سیشن کے بعد تفصیلی گفتگو میں' میں نے تم سے کہا تھا کہ کسی تھرڈ پرسن پر اندھا اعتماد کرنے کی کوشش مت کرنا' تمہارے حصار کے اندر جتنے لوگ ہیں وہ کافی ہیں' جس صورتحال نے تمہیں اشتعال میں مبتلا کیا' تم نے اس شخص کو جان سے مار دینے کا سوچا' تو مجھے یہ بتاؤ کہ ایسی نوبت ہی کیوں آئی؟ جس دور میں تم سانس لے رہے ہو اس میں ہر انسان کو پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے' تم خود ایک ایسے ادارے سے منسلک ہو جہاں ٹریٹمنٹ کیلئے تحفظ کیلئے آنے والے وکٹم میں لڑکوں کی تعداد زیادہ ہے' بطور تھراپسٹ میری عمر گزری ہے اس کام میں' جیسے جیسے شعور و آگہی میں اضافہ ہو رہا ہے یہ بات اب ڈھکی چھپی نہیں رہی ہے کہ جبری encounters کی لسٹ میں male victims کی تعداد قابل دید ہے' سمندر کی لہروں میں شاید اتنی طاقت نہ ہو جتنی طاقت مغرب سے آنے والی سیاہ ہولناک لہروں میں ہے' ہمارے معاشرے میں یہ مخصوص وبا کس حد تک پھیلی ہے اس کا اندازہ ان کیسز سے لگایا جاسکتا ہے جو سامنے ہیں جبکہ بے شمار تو منظر پر ہی نہیں آئے' کئی لوگ violence کو خاموشی سے سہہ گئے' اس وبا کو میں ذہنی بیماری کا نام ہی دوں گا جس کے بارے میں بات کرنے سے لوگ کتراتے ہیں' شرم محسوس کرتے ہیں حالانکہ یہ اپنی موجودگی کا احساس بڑی دلیری سے دلاتی ہے' یہ بیماری ایک غیر فطری کشش ہے' تمہارا وہ نام نہاد دوست بھی اسی بیماری کا شکار ہے اور بے راہ روی کے راستے پر چل رہا ہے لہٰذا تم اس کی قابل رحم حالت پر فوکس نہ رکھو' اس جیسے مریضوں کی کمی نہیں ہے یہاں۔ اب دوبارہ اس شخص سے سامنا ہو تو مکمل اگنور کرو' کسی بات کیلئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں' تم ایک نارمل انسان ہو سو اپنے تعلقات اپنے ہی جیسے مہذب انسانوں سے قائم رکھو''۔ ڈاکٹر منصور نے تفصیلی گفتگو کے ساتھ اسے تاکید کی تھی۔

''مجھے امید ہے کہ دوبارہ کبھی ایسا موقع آیا تو تم باآسانی سب فیس کرلو گے' اس کی دھمکیوں کی پرواہ تم مت کرنا فی الحال''۔

''اس کی دھمکیوں کی مجھے پرواہ بھی نہیں مگر میں نہیں چاہتا کہ میری فیملی کو میری وجہ سے کوئی شرمندگی اٹھانی پڑے''۔ وہ بولا تھا۔

''تمہاری یہ فکر بھی بے بنیاد ہے' تمہاری فیملی تم سے پہلے منہ توڑ جواب دینے والی ہے۔ زندگی میں ایسے کئی ناقابل برداشت حالات کا سامنا صرف تمہیں نہیں مختلف صورتوں میں سب کو ہی کرنا پڑتا ہے' بس خود کو مضبوط رکھو' تم درست راستے پر چل رہے ہو' اپنے ضمیر کی عدالت میں پاک دامن کے ساتھ موجود ہو یہ کافی ہے''۔ ڈاکٹر سمجھانے والے انداز میں بولے تھے۔

''جو کچھ تمہاری زندگی میں ہو چکا ہے اس کے بارے میں سوچنے یا فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں مگر جو کچھ ابھی زندگی میں نہیں ہوا اس کے بارے میں ضرور سوچو''۔

''جیسے کہ......؟'' شیث نے مسکراتی نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

''جیسے کہ تمہاری شادی' جس کے ذکر پر ہی تمہارے چہرے پر مسکراہٹ کے پھول کھل جاتے ہیں''۔ ان کے گھر کنے والے انداز پر وہ دھیرے سے ہنسا تھا۔

☆

لائٹس آف کرتیں وہ اس کی سمت آئی تھیں جو ٹی وی کی روشن اسکرین پر نظر جمائے صوفے میں دھنسی بیٹھی تھی۔ کچھ چونک کر اس نے سدرہ کو دیکھا تھا اور پھر بال سمیٹ کر دائیں شانے پر ڈالتی ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی تھی۔

''آج سردی کچھ بڑھ نہیں گئی؟'' سدرہ نے تائید چاہی تھی۔

''جی...... آپ سوئی نہیں اب تک؟'' اس نے پوچھا تھا۔

''بس ایسے ہی نیند نہیں آرہی تھی' بنی تمہارے پاس سونے کا کہہ گئی تھی کہاں ہے وہ؟''

''باہر ہے شیث کے پاس' ابھی بلاتی ہوں''۔ بند آنکھوں کے ساتھ اس نے کہا تھا۔

''کیا سوچ رہی ہو؟'' اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے وہ پوچھ رہی تھیں۔

''وہ ٹھیک نہیں ہے''۔ اس نے مدھم آواز میں کہا تھا۔

''تم اس سے بات کرنے کی کوشش کرو''۔ سدرہ نے کہا تھا۔

''وہ موقع ہی نہیں دیتا' کچھ سننے سمجھنے کے لیے راضی نظر نہیں آتا' یہاں تک کہ وہ میری طرف دیکھتا بھی نہیں ہے''۔ وہ نم آنکھوں کے ساتھ بولی تھی۔

''اس نے ایسا اجنبی برتاؤ کبھی نہیں اختیار کیا' میں اپنی ہر غلطی ہر گناہ مانتی ہوں مگر وہ مجھے معاف کرنے پر تیار نہیں''۔

''خود کو پریشان مت کرو' سب ٹھیک ہو جائے گا''۔ سدرہ نے تسلی دی تھی جبکہ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

''اس رات آپ نے میرے بارے میں اس سے کوئی بات کی تھی جو وہ بگڑ کے گھر سے نکل گیا تھا؟'' اس کے سوال پر سدرہ کو سمجھ نہیں آیا تھا کہ کیا جواب دیں۔

''آپ کچھ نہ بتائیں مگر میں جانتی ہوں وہ مجھ سے اتنا بدظن ہے کہ میرا ذکر تک سننا گوارا نہیں کیا ہوگا''۔ اس کی درست قیاس آرائی پر سدرہ نظر چرا گئی تھیں۔

''آپ اس کے سامنے نہ میرا ذکر کریں گی اور نہ ہی مجھے سپورٹ کریں گی' میں نہیں چاہتی کہ اس کی نظروں میں میری ذات بالکل ہی گر جائے''۔

''میں ایسا کچھ نہیں کر رہی سارہ! اور تم بھی غیر ضروری باتوں کے بارے میں سوچ کر خود کو ہلکان مت کرو' سب کچھ ٹھیک ہونے میں اگر کچھ وقت لگتا ہے تو اسے وقت دو' تم ہمیشہ ہر جگہ درست نہیں ہو سکتی ہو' سب لوگوں کو ایک ساتھ اپنی طرف سے خوش نہیں رکھ سکتیں۔ اگر تمہیں یہ احساس ہے کہ تمہاری وجہ سے وہ ٹوٹ گیا ہے تو تمہارا یہ احساس ہی تمہیں اس کی نظروں میں سرخرو کرے گا''۔ ان کے سمجھانے والے انداز پر وہ خاموشی سے سر ہلاتی ان کے پاس سے اٹھ گئی تھی۔

ٹی وی آف کرتے ہوئے وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی تھیں جو سوئی ہوئی بنی کو اٹھائے لاؤنج میں آرہا تھا۔

''یہ سارہ کے کمرے میں سونے کا کہہ گئی تھی۔ لاؤ مجھے دو لے جاتی ہوں''۔ سدرہ نے بنی کو لینا چاہا تھا۔

''میں لے جاتا ہوں' آپ جا کر اسے بتا دیں''۔ اس کی ہدایت پر وہ سارہ کے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھیں۔

"منی سو گئی ہے شیث آرہا ہے اسے لے کر"۔ سدرہ نے اسے اطلاع دی تھی۔ کمبل کھولتے ہوئے سارہ کی نظریں اس پر ہی تھیں جو کسی بھی جانب دیکھے بغیر بنی کو بیڈ پر لٹاتا واپس دروازے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

"سو جاؤ اب کچھ پڑھنے نہ بیٹھ جانا"۔ شیث کو باہر نکلنے کا راستہ دیتیں وہ سارہ کو ہدایت کرتیں دروازہ بند کر چکی تھیں۔

"شیث! لاک لگا دیے تم نے؟"

"جی ہاں"۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس نے جواب دیا تھا۔

"گڈ نائٹ"۔ سدرہ نے آواز لگائی تھی۔

"گڈ نائٹ"۔ وہ جواباً بولا تھا۔

"Love you"۔ کمرے کا رخ کرتے ہوئے سدرہ نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"Love you too"۔ اس کے مسکراتے لہجے پر وہ دھیرے سے ہنستی آگے بڑھ گئی تھیں۔

☆

"تم ان سے بات کرو مومو! مجھے بات کرتے ہوئے ڈر لگ رہا ہے"۔ سارہ نے التجا کی تھی۔

"اور میں جو کہہ رہی ہوں کہ بات تم کرو وہ بالکل نہیں ڈانٹیں گے ذرا سی مسکین شکل بنا لینا آخر تمہاری دوست کا معاملہ ہے اب آؤ وہ باہر موجود ہیں"۔ اس کا ہاتھ پکڑے مومو آگے بڑھی تھی اور اگلے ہی پل وسلنگ کے ذریعے شاہ رخ کو متوجہ کیا تھا جو سیڑھیاں اترتا نیچے ہی آرہا تھا۔

"شاہ رخ! مومو تمہیں سوری کہنا چاہتی ہے"۔ سارہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"مائی فٹ"۔ خونخوار انداز میں بولتا وہ گلاس ڈور کی طرف بڑھ گیا تھا۔

"میری جوتی بھی نہ کہے سوری"۔ مومو حلق کے بل چیخی تھی۔

برآمدے میں آکر اس نے کوفت کے ساتھ شمس کو دیکھا تھا جو عاطف کے ساتھ ہی کھڑے نظر آرہے تھے۔

"اب تو بالکل بھی بات نہیں ہوسکتی وہ بھی وہاں موجود ہیں"۔ وہ جھلائی تھی۔

"وہ کون؟" مومو نے شرارتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"تمہارے ناراض سیاں کے بھیا"۔ سارہ نے اسے گھورا تھا۔

"تو تمہارے سیاں کون سا واری صدقے ہیں تم پر تمہارے سامنے آتے ہی رخ موڑ کر نکل جاتے ہیں پتلی گلی سے"۔ مومو کے استہزائیہ لہجے پر وہ کلس کر اسے دھوکا جڑنا نہیں بھولی تھی۔

اپنی بات ادھوری چھوڑ کر وہ دونوں سارہ اور مومو کی طرف متوجہ ہوگئے تھے۔

"آپ کو آپی بلا رہی ہیں"۔ قریب آتے ہی وہ شمس سے مخاطب ہوئی تھی۔

"تو؟" انہوں نے حیرت سے مومو کے مسکراتے چہرے کو بھی دیکھا تھا۔

"تو جائیں وہ انتظار کر رہی ہیں"۔ وہ خفیف سا ہو کر بولی تھی۔

"غلام ہوں تمہاری بہن کا کہ اس کے حکم پر سارے کام چھوڑ کر اس کے پاس دوڑ کر چلا جاؤں"۔ ان کے گھر کنے والے انداز پر سارہ نے شرمندگی سے عاطف کے مسکراتے چہرے کو دیکھا تھا۔

"مجھے آپ سے بات کرنی ہے اس لیے یہاں آئی تھی"۔ اعتماد بحال کرتی وہ فوراً ہی عاطف سے مخاطب ہوئی تھی۔

"ایسی کیا بات ہے جو مجھے یہاں سے بھیجنا ضروری تھا؟" شمس بولے تھے۔

"میں وہی بات کرنے جا رہی ہوں اب آپ کی موجودگی میں"۔ اس کے زچ ہو جانے والے انداز پر شمس بمشکل مسکراہٹ روک سکے تھے۔

"آپ مجھے اور مومو کو پڑھانے کیلئے جو ٹائم دے رہے ہیں اس میں میری دوست کو بھی شامل کر لیں زینب کی بات کر رہی ہوں"۔ وہ جھجکتے ہوئے بولی تھی۔

"کیا...... دماغ ٹھیک ہے تمہارا؟ یہ رات میں گھر آتا ہے پھر تم دونوں کیلئے وقت نکالے گا اور اب اس میں یہ ایک اور احمق شامل ہو رہی ہے تباہ کر دو گی کیا اس بے چارے کو"۔ عاطف کے کچھ کہنے سے پہلے ہی شمس بول اٹھے تھے۔

"عاطف! اس کی باتوں میں آنے کی ضرورت نہیں ہے"۔

"بات مکمل ہوئی نہیں اور آپ نے سارا کام خراب کر دیا"۔ مومو جل کر بولی تھی۔

"چپ رہو تم"۔ مومو کو جھڑکتے ہوئے وہ وہاں سے چلے گئے تھے۔

"بس وہ کر گئے فیصلہ اب کچھ نہیں ہوسکتا"۔ سارہ کی التجائی نظروں پر عاطف بھی جان چھڑا کر جانا چاہ رہا تھا جب وہ سرعت سے راستے میں آئی تھی۔

"عاطف پلیز! وہ صرف ہمارے ساتھ ہی تو بیٹھے گی آپ سے کوئی سوال بھی نہیں کرے گی بس آپ اجازت دے دیں میں اس سے وعدہ کر چکی ہوں"۔

"ہرگز نہیں...... اس سے کہو کسی انسٹیٹیوٹ کو جوائن کرے میں گھر کو گھر ہی رہنے دینا چاہتا ہوں"۔ وہ قطعی لہجے میں بولا تھا۔

"دو سے تین ہو جائیں گے تو کیا فرق پڑ جائے گا عاطف بھائی! وہ کتنی امید لے کر آئی تھی"۔ مومو نے ناراضی سے کہا تھا۔

"اس دن زینب نے جو بے وقوفی کی تھی اس کیلئے وہ بہت شرمندہ ہے آپ سے معافی مانگنے کی بات کر رہی تھی آپ اسے......"

"اس بارے میں کوئی بات نہ کرو"۔ عاطف نے سنجیدگی سے اسے ٹوکا تھا۔

"جیسے آپ کی مرضی"۔ سارہ پھولے چہرے کے ساتھ بولی تھی۔

"ناراض کر دیا آپ نے آپ ایسے نہیں مانیں گے"۔ عاطف کو گھورتے ہوئے مومو نے آستینیں چڑھائی تھیں اور اگلے ہی پل گھٹنوں کے بل بیٹھتی اس کے پیروں سے لپٹ گئی تھی۔

"کیا کر رہی ہو تم؟" عاطف نے بوکھلا کر کہا تھا جبکہ کھلکھلا کر ہنستی سارہ کی نظریں سامنے اٹھی تھیں سب کے ساتھ شیث بھی اسی جانب متوجہ تھا اس کی سلگتی نظروں پر سارہ کے لبوں سے ہنسی معدوم ہوتی چلی گئی تھی۔

☆

سدرہ کی پکار پر وہ ٹی وی آف کرتی ان کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی جہاں شمس اپنے لیپ ٹاپ میں مصروف تھے جبکہ سدرہ ڈریسنگ کے سامنے بیٹھی تھیں۔

"کیا کہا تم نے عاطف سے وہ مان گیا؟" بالوں میں برش پھیرتے ہوتے انہوں نے آئینے میں اس کے عکس کو دیکھا تھا۔

''میں نے کیا کہنا تھا' موموبہ نے اپنے ہی طریقے سے انہیں منالیا''۔ بیڈ کے کنارے بیٹھتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

''میں نے منع بھی کیا تھا اسے''۔ شمس نے خشمگیں نظر سارہ پر ڈالی تھی۔

''صرف ایک ڈیڑھ گھنٹے کی تو بات ہوگی اور یہ سارا وقت بھی وہ ہمیں نہیں دیں گے' بمشکل آدھا گھنٹہ وہ ہمیں سمجھائیں گے باقی وقت تو ہم پریکٹس میں نکالیں گے''۔ وہ منمنائے لہجے میں بولی تھی۔

''اتنی دور سے روز رات آنے جانے میں اسے مسئلہ نہیں ہوگا؟ آگے پیچھے بھی کچھ سوچ لینے کی زحمت کرلیا کرو''۔ وہ مزید بولے تھے۔

''اس کا بھائی یہ ذمہ داری اٹھا رہا ہے اسے کوئی مسئلہ نہیں ہوگا' ویسے بھی اب زینب آنے کے لیے تیار ہے تو روک تو نہیں سکتی''۔

''اگر اسے آنے جانے میں کوئی پرابلم نہیں ہے تو ٹھیک ہے' مجھے تو بس عاطف کی فکر تھی' مروت میں ہی نہ مارا جائے''۔

''اب وہ ایسے بھی کوئی پہاڑ نہیں توڑ رہے''۔ کوفت سے بولتے ہوئے اس نے فوراً ہی زبان دانتوں تلے دبا کر شمس کو دیکھا تھا مگر وہ متوجہ نہیں ہوئے تھے۔ بیڈ سے اٹھتے ہوئے اس نے سوئی ہوئی ہنی اور شیری کو دیکھا تھا۔

''آپ شیری کو بھی اتنی جلدی سلا دیتی ہیں''۔ سدرہ سے کہتے ہوئے وہ بے اختیار سکون سے سوئے شیری پر جھک گئی تھی جو اس کے چھوتے ہی کسمسا اٹھا تھا' بدک کر پیچھے ہٹتی وہ دروازے کی سمت گئی تھی۔

''اب کہاں جا رہی ہو اسے جگا کر...... واپس آؤ''۔ شمس کی گھرکتی آواز پر وہ بمشکل ہنسی روکتی لاؤنج تک آئی تھی۔ اندر آتے شیث نے بس ایک حیران نظر اس کے سرخ ہوتے چہرے پر ڈالی تھی جبکہ وہ فوراً سنجیدہ ہوتی سرعت سے ٹیرس کی طرف گئی تھی۔

''شیث! تم نے وہ پلانٹس دیکھے جو خراب ہو گئے تھے؟'' جھجکتے انداز میں اس کے سوال پر وہ تیسرے اسٹیپ پر رکا تھا۔

''نہیں...... مجھے نہیں معلوم تھا کہ ابھی اور کیا کیا دیکھنا ہے مجھے''۔ ترش لہجے میں بول کر وہ رُکا نہیں تھا۔ اندر باہر پھیلتے ہولناک سناٹے میں گھری وہ وہیں اسٹیپس پر بیٹھ گئی تھی۔ کتنی محنت کی تھی اس نے' شان کی منتیں کر کے ان پلانٹس کے لیے دوائیاں' اسپرے اور پتا نہیں کون کون سی احتیاطی تدابیر ایکسپرٹ سے حاصل کی تھیں' پلانٹس کی حالت پر شان نے مایوس ہو کر اسے وقت برباد کرنے سے روکا تھا مگر وہ ایک موہوم سی امید کے ساتھ ڈٹی رہی تھی' صرف شیث کے چہرے پر خوشی دینے کیلئے' اسے معلوم تھا کہ ٹیرس پر موجود سارے ہی پلانٹس کتنے کمیاب اور اس کے فیورٹ ہیں۔

ٹیرس کی تیز روشنی میں ان پلانٹس کو دیکھا تھا' اس سے پہلے بھی ان پلانٹس میں بیدار ہوتی زندگی اس کی نظروں سے چھپی نہیں تھی' وہ سمجھ گیا تھا انہیں زندگی کا لمس مل رہا ہے اور وہ حیران نہیں تھا۔ بغور وہ پلانٹس کا جائزہ لے رہا تھا جس کا ایک ایک پتا اور پھول ملنے والی توجہ اور لگن کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

''کاش میرے مردہ ہوتے دل نے بھی ایک بار تمہیں بے چین کیا ہوتا' اس دل کے لیے بھی پریشان ہوتیں' تمہاری دھڑکنیں جسے روندنے سے پہلے تم نے ایک بار بھی نہ سوچا کہ اس کے ہر گوشے میں تمہارا ہی قیام تھا' قیام ہے ان کی کرچیوں میں بھی''۔ مدھم ہوا سے لہراتے سفید پھول کو چھوتے ہوئے اس نے سوچا تھا۔

⊰..........☆..........⊱

''کیسا بنا ہے فروٹ چاٹ؟'' فروٹ چاٹ کا باؤل شان کے ساتھ شیئر کرتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔

''زبردست''۔ شان نے ہاتھ روکے بغیر کہا تھا۔

''یہ شاہ رخ اتنا سنجیدہ کیوں ہوگیا ہے؟ موموسے ابھی تک ناراضی ختم نہیں ہوئی اس کی''۔ سارہ نے کہا تھا۔

''بہت اچھا کر رہا ہے' تھوڑا بہت تو سدھر ہی جائے گی' کل رات میں دو بجے اس نے کال کی تھی' میں جاگ گیا تو میں نے ہی ریسیو کرلی' اب اسے پتا ہی نہیں جس کے فون پر کال کی ہے وہ تو گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہا ہے''۔

''تم نے بتایا بھی نہیں''۔ سارہ نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

''اس نے موقع ہی نہیں دیا' میں نے بھی سوچا نیند خراب ہو ہی گئی ہے تو تھوڑا انجوائے کرلوں''۔

''کتنی بری بات ہے''۔ سارہ نے اس کے ہنستے چہرے کو دیکھا تھا۔

''ویسے کیا کہہ رہی تھی؟''

''پہلے تو ایسے معافی مانگتی رہی جیسے ادھار واپس مانگ رہی ہے مگر پھر میری مسلسل خاموشی پر وہی شکوے شکایتیں اور جذبات کے اظہار شروع ہو گئے' آخر کار مجھے کہنا پڑا شاہ رخ سو رہا ہے صبح دوبارہ کال کر کے اس کا دماغ کھانا''۔ شان کے مزید بتانے پر وہ بے ساختہ ہنستی چلی گئی۔

''ایسا بھڑکی ہے کہ میں نے سیل ہی آف کر دیا''۔

''لو...... اب خیر نہیں تمہاری' وہ خود آ گئی''۔ بمشکل ہنسی روکتے ہوئے اس نے شان کی توجہ دلائی تھی۔

''ذرا سی شرم ہے تو وہیں سے پلٹ جاؤ مجھ سے نظریں ملائے بغیر''۔ شان نے آواز لگائی تھی جبکہ وہ اسے گھورتی ہوئی دھڑ دھڑ سیڑھیاں پھلانگتی اوپر چلی گئی تھی۔

''یہ لڑکی مجھے بہت سوئٹ لگتی ہے' اس گھر کی ساری لڑکیوں سے الگ''۔ سارہ نے کہا تھا۔

''ابھی دیکھنا منہ سجائے واپس آئے گی' بتا ہی اوپر رہی ہے چھوٹے بھائی کے کمرے میں''۔ شان نے کہا تھا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اس نے ایک نظر کمپیوٹر اسکرین کی طرف متوجہ شاہ رخ پر ڈالی تھی اور پھر مرے مرے قدموں کے ساتھ شیث کی جانب گئی تھی جو اس وقت کہیں جانے کی تیاری کر رہا تھا۔

''میں نے سنا ہے آج کل تم لوگوں کو بہت عمدہ عمدہ خطابات سے نواز رہی ہو''۔ بالوں میں برش پھیرتے ہوئے اس نے مسکراتی نظر موموپر ڈالی تھی جبکہ وہ سلگ کر شاہ رخ کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

''کس خبیث انسان نے یہ جھوٹی افواہ اڑائی ہے؟ میرے سامنے لے کر آؤ اسے''۔ مخاطب وہ شیث سے ہی تھی۔

''موجود ہوں میں' میں خبیث ہوں تو منہ پر جھوٹ بولنے والا کیا کہلاتا ہے؟'' شاہ رخ بھڑک کر اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔

''میں نے غصے میں کچھ کہہ دیا تو وہ خطاب کیسے بن گیا' میں تو تمہاری اتنی حرکتیں برداشت کرتی ہوں تم نہیں کر سکتے''۔

''لو...... ایک جھوٹ سے دل نہیں بھرا تو مزید جھوٹ شروع ہو گئے''۔ شاہ رخ استہزائیہ انداز میں شیث سے مخاطب ہوا تھا جو اب بیڈ کے کنارے بیٹھا جوتے پہن رہا تھا۔

''بات سنو...... یہاں سے جاتے ہوئے اپنا منہ چھپا کر جانا''۔ اس کے خونخوار انداز پر مومو نے غصیلے انداز میں

اسے پیچھے دھکیلنا چاہا تھا مگر شاہ رخ کی ذرا سی ہی مزاحمت پر وہ خود ہی لڑکھڑاتی ہوئی پیچھے گئی تھی۔ شیث سرعت سے پکڑنے کے لیے اٹھا تھا مگر تب تک دیر ہو چکی تھی' بڑی زوردار آواز کے ساتھ موموکا سر ڈریسنگ کے کنارے سے ٹکرایا تھا' اس کی پیشانی سے بھل بھل بہتے خون نے شاہ رخ کو ساکت کر دیا تھا جبکہ اس کی چیخوں پر سارہ اور شان بھاگتے ہوئے کمرے میں آئے تھے۔

☆

علاوہ عاطف کے موموکے گھر کے سب ہی افراد سدرہ کے کمرے میں موجود موموکی دلجوئی میں لگے تھے جو واویلا مچاتی شیث پر غصہ ہو رہی تھی جو زبردستی اسے ہاسپٹل لے گیا اور تین اسٹیچز بھی لگوا لایا تھا جو کہ ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق مجبوراً لگوانے پڑے تھے۔ وہ بھی ان سب کے درمیان تھی جب شان کی اطلاع پر وہ اس کے ساتھ ہی باہر آ گئی تھی۔ آج اس کی پھپھو کی طرف سارے کزنز اور بھابیاں وغیرہ آؤٹنگ کیلئے نکل رہے تھے۔ سارہ پہلے ہی ثمس سے جانے کی اجازت لے چکی تھی مگر پھر موموکی وجہ سے اسے اپنا جانا ملتوی کرنا پڑا تھا۔ اب وہ سب واپسی میں اس سے خیریت دریافت کرنے رکے تھے اور اس کے لیے پارسل اور آئسکریم بھی لیتے آئے تھے۔

''سنو...... یہ تمہاری لاتعداد خوش اخلاق کزنز کس پر چلی گئیں؟ انہیں دیکھ کر دل میں ہوک سی اٹھی ہے کہ میں کتنا تنہا ہوں''۔ شان ٹھنڈی آہ کے ساتھ بولا تھا۔

''فکر مت کرو' تمہارے گھر کی بے شمار کزنز کافی ہیں تمہاری تنہائی دور کرنے کے لیے''۔ سارہ نے گھور کر اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھا تھا اور پھر کچھ چونک کر برآمدے کی سمت دیکھا تھا جہاں اسے شیث نظر آ رہا تھا۔

''گھر میں جگہ نہیں تھی جو گیٹ کے باہر جا کر مذاکرات شروع کر دیئے تھے؟'' ناگوار لہجے میں وہ شان سے ہی مخاطب تھا مگر سارہ کے قدم بھی یکلخت رُکے تھے۔

''میں کیا کرتا سارہ کی باتیں ختم نہیں ہو رہی تھیں' عاشر بھائی کے سامنے یہ سب کچھ بھول جاتی ہیں''۔ شان بڑی سنجیدگی سے سارہ کے ہوش اڑاتا شاپر بھی اس کے ہاتھ سے لیتا آگے بڑھ گیا تھا۔ دوسری جانب شیث کی ایک سرد نگاہ پر وہ خاموش نہیں رہ سکی تھی۔

''وہ سب یہاں سے گزر رہے تھے اگر میں ان سے بات کرنے کیلئے گیٹ تک چلی گئی تو یہ کوئی غیر اخلاقی حرکت تو نہیں ہے''۔ وہ کچھ ناگواری کے ساتھ بولی تھی۔

''میں نے یہ کب کہا ہے کہ یہ کوئی غیر اخلاقی حرکت ہے؟'' وہ حیرت سے بولا تھا۔

''تم نے جس طرح کہا کہ گھر میں جگہ نہیں اس سے تو مجھے کچھ ایسا ہی لگا ہے' اب میں کسی کو زبردستی گھسیٹ کر گھر کے اندر نہیں لا سکتی تھی' نہ ان کے پاس جانے سے انکار کر سکتی تھی''۔

''میں نے جو کہا اس کے لیے تم سے معذرت کرتا ہوں' میں یہ بھول کیسے گیا کہ میری حد کہاں تک ہے اور یہ کہ مجھے کوئی حق نہیں مداخلت کا''۔ تنے ہوئے چہرے کے ساتھ بولتا وہ رکا نہیں تھا جبکہ سارہ بھی سرخ چہرے کے ساتھ اس کی پشت سے نظر ہٹاتی گھر کے اندر چلی گئی تھی۔

☆

کچن میں آتے ہوئے اس نے حیرت سے شاہ رخ کو دیکھا تھا جو دوسرے دروازے سے اندر داخل ہو رہا تھا۔

''کہاں بھاگے ہوئے تھے تم تخریب کاری کے بعد سے؟'' وہ بے ساختہ ہنسی تھی اس کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھ کر۔

''وہ کیسی ہے اب' زیادہ گہری چوٹ تو نہیں آئی؟'' وہ پریشان انداز میں پوچھ رہا تھا۔

''اتنے زیادہ اسٹیچز آئے ہیں' کہیں چہرہ نہ بگڑ جائے بے چاری کا''۔ سارہ کے افسردہ لہجے پر وہ ایک ہی جست میں قریب آیا تھا۔

''ایسا نہیں ہو سکتا ورنہ میں خود کو کبھی معاف نہیں کروں گا''۔ وہ لرز ہی تو اٹھا تھا۔

''پاگل ہو گیا...... میں مذاق کر رہی تھی' صرف تین اسٹیچز آئے ہیں''۔ سارہ گھبرا گئی تھی اس کے شدید ردعمل پر۔

''تم سچ کہہ رہی ہو؟'' اس نے بے یقینی سے سارہ کو دیکھا تھا۔

''جا کر خود چیک کر لو اور اب چہرہ چھپانے کی ضرورت نہیں' تم نے جان بوجھ کر کچھ نہیں کیا' ویسے بھی کسی کو سچ معلوم نہیں' آپی نے سب کو یہی بتایا ہے کہ وہ خود گری تھی اور جنہیں معلوم ہے وہ میری طرح چپ ہیں مومو سمیت' اگر تم چاہتے ہو کہ میری زبان تمہارے بڑے بھیا کے سامنے بھی بند رہے تو جا کر مومو سے ایکسکیوز کرو اور اسے بھی معاف کر دو' کتنا آگے پیچھے پھری ہے وہ تمہارے''۔

''وہ تو میں جان بوجھ کے ایسا کر رہا تھا مگر میں اس وقت اس کے پاس نہیں جاؤں گا''۔ وہ خفت سے بولا تھا۔

''کیوں ڈرتے ہو سچ سامنے آ جانے پر؟ اتنا مشکل ہے اس کے بھائیوں کو بھگتنا''۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

''اس کے بھائیوں کی بات تو رہنے دو' یہاں تو اپنے ہی بھائی کافی ہیں دماغ کا فیوز اڑانے کے لیے''۔ وہ یقیناً شیث کی طرف سے دلبرداشتہ تھا جس نے دو چار سخت کھری کھری اسے سنائی تھیں۔

''اچھا اب اس کی بات کو دل سے لگا کر مت بیٹھو' تمہاری چہیتی کی تکلیف ہی اس سے برداشت نہیں ہوئی تھی جو غصے میں آیا تھا۔ میں نے مومو کو آج اپنے پاس ہی روک لیا ہے' چلو تم بھی میرے ساتھ اور فکر نہ کرو' اسٹیچز کے نشان اگر رہ بھی گئے تو بھی تمہیں اس کا چہرہ حسین ہی نظر آئے گا''۔

''اگر ابھی اس کے پاس کوئی نہیں ہے تو میں آ جاتا ہوں''۔ وہ بولا تھا۔

''تو پھر ابھی بیٹھے رہو' میرے کمرے میں ابھی تمہاری کچھ کزنز مومو کے ساتھ موجود ہیں''۔ سارہ نے کہا تھا۔

''جا کر ذرا بھابی کو بھیج دو' خود کھانا نہیں لوں گا بھوک لگ رہی ہے مجھے''۔

''بھابی تو خود تمہارا انتظار کر رہی ہیں' وہ اگر یہاں آ گئیں تو باتیں سنا سنا کر تمہارا معدہ بھر دیں گی' بیٹھو میں کھانا نکالتی ہوں''۔

''سارہ! باہر بڑے بھائی اور عاطف بھائی چائے کا انتظار کر رہے ہیں' جلدی تیار کر دو''۔ کچن میں آتے ہوئے شان نے اطلاع دی تھی۔

''تم یہاں چھپے بیٹھے ہو' مومو کے خطاب پر کھرے اتر کر''۔ شان کے طعنے پر وہ جل کر اپنی جگہ سے اٹھا تھا مگر شان الٹے قدموں باہر بھاگ گیا تھا۔

کھانا کھاتے ہوئے شاہ رخ نے اسے دیکھا تھا جو چائے بناتی اس سے باتیں بھی کر رہی تھی۔

''عاطف بھائی کافی فرینک ہو گئے ہیں تمہارے ساتھ' ورنہ چھوٹے بھائی کی طرح وہ بھی گھر میں کافی ریزرو رہے ہیں''۔ شاہ رخ نے یکدم ہی کہا تھا۔

''اگر وہ مجھ سے بات کر لیتے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ فرینک ہو گئے ہیں' اتنے دن گزر جانے کے بعد اب کہیں جا کر وہ مجھے بلا جھجک مخاطب کر لیتے ہیں تو اس کا سارا کریڈٹ مجھے جاتا ہے اور اس میں فائدہ بھی میرا

ہوا ہے' عنقریب وہ میرے اور موموکے ٹیچر کے عہدے پر فائز ہونے والے ہیں"۔ وہ مسکراتے ہوئے بتارہی تھی۔

''اکیڈمی آجاؤ' میرا بھی دل لگا رہے گا''۔ اس نے شرارتی نظروں سے سارہ کو دیکھا تھا۔

''اسی لیے نہیں آرہی''۔ سارہ نے اسے گھورا تھا۔

''اور پھر ٹھیک تو ہے گھر میں ہی وہ ہمیں ٹائم دے رہے ہیں کوئی مسئلہ بھی نہیں ہوگا' تمہارا کیا خیال ہے؟'' سارہ کے سوال پر وہ چند لمحوں کے لیے چپ ہوگیا تھا۔

''تم جانتی ہو کہ عاطف بھائی اور چھوٹے بھائی کے درمیان کچھ گڑبڑ تو ضرور ہے اب ایسے میں تم عاطف بھائی سے مستقل رابطے میں رہو گی تو...... میرا مطلب ہے کہ...... تم سمجھ سکتی ہو کہ میں کیا کہنا چاہ رہا ہوں''۔ شاہ رخ کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ کس طرح اسے سمجھائے کیونکہ جو کچھ وہ شیث کو لے کر محسوس کر رہا تھا اس کے بارے میں کنفرم بھی نہیں تھا۔

''دیکھو...... وہ اس گھر کے ہی فرد ہیں' شیث کی وجہ سے بھی وہ میرے لیے زیادہ قابل احترام ہیں' ان دونوں کے درمیان اگر کوئی کریش وقتی طور پر آتا ہے تو یہ ان کے آپس کا معاملہ ہے' ویسے بھی میں ان سے رابطے بڑھانے نہیں بلکہ ایک اچھے مقصد کیلئے کچھ سیکھنے ان کے پاس جارہی ہوں''۔ وہ سنجیدگی سے بولی تھی۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو مگر میں صرف یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ اس وقت جو صورتحال ہے اس میں تمہارا عاطف بھائی کی طرف جانا انہیں ناگوار گزر سکتا ہے' یہ میرا خیال ہے ہوسکتا ہے ایسا نہ ہو مگر تم دیکھ رہی ہو کہ چھوٹے بھائی جس موڈ میں رہنے لگے ہیں اس میں کوئی اندازہ قبل از وقت لگانا مشکل ہے''۔ شاہ رخ کے سنجیدہ لہجے پر وہ چند لمحوں کے لیے سوچ میں پڑ گئی تھی۔

''بھئی اب جسے جو اعتراض کرنا ہے کرتا رہے' مجھے اپنے جھگڑوں میں نہ گھسیٹے' اس گھر کے بڑوں سے میں نے اجازت لے لی ہے وہ کافی ہے''۔ وہ سر جھٹک کر بولی تھی۔

''کیا ہو جائے گا اگر تم جا کر چھوٹے بھائی سے بھی اس چیز کی اجازت لے لوگی' ہوسکتا ہے اسی بہانے ان کی ناراضگیاں بھی ختم ہو جائیں''۔ شاہ رخ کے مسکراتے لہجے پر وہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

☆

ڈریسنگ کے سامنے وہ اپنی بینڈیج درست کرتی چونک کر پلٹی تھی۔

''خبردار...... اندر مت آنا' چلے جاؤ یہاں سے''۔ وہ تنک کر شاہ رخ سے مخاطب ہوئی تھی جو شرمندہ چہرے کے ساتھ اب قریب آرہا تھا۔

''یہ مت کہنا کہ تم معافی مانگنے آئے ہو''۔ وہ اسے گھورتے ہوئے بولی تھی۔

''جب جانتی ہو تو دے دو معافی''۔ وہ چور لہجے میں بولا تھا۔

''اب تم یہ کہو گے کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔'' وہ نخوت سے بولی تھی۔

''یہ بھی اب کوئی کہنے کی بات ہے''۔ وہ لٹکے چہرے کے ساتھ بولا تھا۔

''تم جانتی ہو میرا ارادہ تمہیں تکلیف پہنچانے کا ہرگز بھی نہیں تھا''۔ دھیرے سے اس کی پیشانی پر لگی بینڈیج کو چھوتے ہوئے وہ بولا تھا۔

''مجھے کیا پتا' تم تو پہلے ہی مجھ سے ناراض اور غصے میں تھے' ایک ہی جھٹکے میں بدلہ لے گئے''۔ خفت کے ساتھ وہ اسے دیکھ رہی تھی جس کا ہاتھ پیشانی سے پھسلتا اب اس کے چہرے کے گرد آ ٹھہرا تھا۔

''یہی بات دوبارہ میری آنکھوں میں دیکھ کر کہو...... کیا میں اتنا گرا ہوا انسان ہوں؟ تمہیں تکلیف پہنچا کر کیا مجھے تسکین مل سکتی ہے؟'' وہ مدھم سوالیہ لہجے میں بولا تھا۔

وہ اپنی ہی دھن میں کمرے میں داخل ہوئی تھی لیکن اگلے ہی پل اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

''بدتمیز انسان! تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' سارہ دہل کر چیخی تھی۔

''ایک بیمار انسان کی عیادت کرنا' اسے تسلی دلاسا دینا کیا تہذیب کے دائرے سے باہر ہے جو تم مجھے بدتمیز کہہ رہی ہو''۔ الٹا وہ سارہ کو گھورتا غرایا تھا۔

''اگر باہر جا کر تم نے کسی سے میری شکایت کی تو یاد رکھنا دوبارہ یہاں آؤں گا اور نکلوں گا بھی نہیں' سمجھیں''۔ دنگ کھڑی سارہ کو مزید دھمکاتا وہ کمرے سے نکلا تھا۔ موموکو گھورتی ہوئی وہ بیڈ تک آئی تھی جو پہلے ہی کمبل میں جا گھسی تھی۔

''ویسے تو بڑے ہاتھ پیر چلتے ہیں' پرے نہیں دھکیل سکتی تھی اسے''۔ سارہ نے کھا جانے والے انداز میں اسے گھر کا تھا۔

''مجھ میں اتنی طاقت کہاں رہی ہے' اتنا خون ضائع ہو چکا ہے''۔ مسکراہٹ چھپائے وہ مسکین صورت بنائے بولی تھی جبکہ سارہ اسے گھورتی دروازے کی سمت چلی گئی تھی۔

''اب کہاں جارہی ہو؟ مجھے نیند آرہی ہے''۔ مومو نے پوچھا تھا۔

''اب تو کہیں نہیں جاسکتی تمہیں یہاں چھوڑ کر' کوئی بھروسہ نہیں ہے''۔ دروازہ بند کرتے ہوئے وہ بولی تھی اور پھر لائٹ آف کرتی بیڈ پر آئی تھی۔

''بخار تو ابھی کچھ کم ہے' اسٹیچز میں زیادہ تکلیف تو نہیں ہورہی؟'' اس کی کلائی پکڑے وہ تشویش سے بولی تھی۔

''اس کے لمس میں ایسی مسیحائی تھی کہ ساری تکلیف سرور میں بدل گئی''۔ مومو کے سنجیدہ لہجے پر وہ حیرت سے اسے دیکھتی بے ساختہ ہنسی تھی۔

''اللہ کے لیے مومو! یہ رومینٹک ڈائیلاگ تم پر بالکل نہیں جچ رہے''۔ وہ بمشکل ہنسی روکتی بولی تھی۔

''ہاں تمہیں تو بس ایک ہی انسان رومینٹک ہوتا اچھا لگتا ہوگا''۔ کہنیوں کے بل دراز ہوتے ہوئے مومو نے اسے گھورا تھا۔

''تم بچپن سے اس کے قریب رہی ہو' سچ بتاؤ اسے دیکھ کر کہیں سے لگتا ہے کہ وہ رومینٹک ہوسکتا ہے؟'' سارہ نے خشمگیں انداز میں کہا تھا۔

''اب ایسا بھی نہیں ہے' ہوسکتا ہے انہوں نے سارا رومانس شادی کے بعد کے لیے سنبھال رکھا ہو' ویسے بھی وہ بہت گہری چیز ہیں''۔

''تمہیں یہ کیسے معلوم؟'' سارہ نے ابرو چڑھائی تھیں۔

''یہ کیا کم ہے ان کی گہرائی کا اندازہ لگانے کے لیے کہ انہوں نے ایک طویل عرصے تک اپنے اور تمہارے تعلق کی بھنک تک کسی کو لگنے نہیں دی اور آج تک زبان سے قبول نہیں کیا ہمارے سامنے''۔

''دل کی خبر تو مجھے ہے ناں' با آواز بلند اظہار کی اس سے توقع مت رکھنا' کبھی نہیں بتائے گا''۔ سارہ بولی تھی۔

''تمہارے علاوہ صرف عاطف بھائی ایک ایسے انسان ہیں جو ان کے دل میں جھانک سکتے ہیں' مگر مجھے یقین ہے کہ انہوں نے تمہارے متعلق عاطف بھائی کو بھی کچھ نہیں بتایا ہے ورنہ وہ میرے سامنے ضرور اس بات کا ذکر کرتے

کیونکہ مجھے ہی وہ تمہارے قریب زیادہ دیکھتے ہیں"۔ موموں نے کہا تھا۔

"میرے متعلق وہ کھل کر کسی سے بات نہیں کرتا' یقیناً عاطف بھی ناواقف ہیں حالانکہ مجھے کچھ حیرت ہے کہ عاطف اس کے بہت قریبی دوست ہیں"۔ سارہ نے کہا تھا۔

"مگر جب بھی عاطف بھائی کو معلوم ہوا وہ بہت ناراض تو ہوں گے مگر حیران بھی کیونکہ ہمارے گھر میں عاطف بھائی اور چھوٹے بھائی ہی لڑکیوں سے دور بھاگنے والے بندے ہیں"۔ موموں نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"سارہ! میں عاطف بھائی کیلئے ایسی لڑکی ڈھونڈوں گی جو بالکل تمہارے جیسی ہوگی"۔

"رحم کرو ان پر' شیث جیسا اسٹیمنا وہ کہاں سے لائیں گے"۔ سارہ نے کہا تھا۔

"ہے ان کے پاس چھوٹے بھائی جیسا اسٹیمنا' اسی لیے تو کہہ رہی ہوں' وہ دونوں ایک جیسی فطرت کے مالک ہیں' عادتیں بھی ایک جیسی ہیں' کام بھی ایک جیسے' تمہیں پتا ہے وہ دونوں ایک ایسے ادارے سے منسلک ہیں جہاں ہر قسم کے violence کے شکار افراد کو تحفظ دیا جاتا ہے' انہیں اس قابل کیا جاتا ہے کہ وہ نئے سرے سے اپنی زندگی کا آغاز کریں"۔ موموں نے بتایا تھا۔

"ہاں..... شیث نے ایک بار اس ٹاپک پر مختصر سی بات کی تھی' تفصیل سے نہ اس نے کچھ بتایا اور نہ ہی مجھے پوچھنے کا موقع ملا"۔ سارہ نے کہا تھا۔

"ویسے کسی حد تک مہران بھائی بھی ان دونوں کے ساتھ شامل ہیں"۔ موموں نے اپنے تایازاد کا ذکر کیا تھا جن کا تعلق کرائم کنٹرول کی کسی برانچ سے تھا۔

"اچھی بات ہے اگر یہ لوگ اپنے وقت اور پاور کو انسانیت کی بھلائی کیلئے استعمال کر رہے ہیں' ویسے تمہارے یہ تایا اور ان کے بیٹے جن محکموں سے وابستہ ہیں ان سے جان جاتی ہے میری"۔ سارہ نے جھرجھری لے کر کہا تھا۔

"وہ کون سا گھر میں اسلحہ لے کر گھومتے ہیں جو تم ڈرتی ہو"۔ موموں نے حیرت سے کہا تھا۔

"بلکہ ان کی پوسٹ کی وجہ سے ہم سب خود کو بہت محفوظ اور مضبوط تصور کرتے ہیں"۔ موموں نے فخر سے کہا تھا۔

"اب سوجانا چاہیے"۔ سارہ نے یاد دلایا تھا۔

"ہاں..... سو جاؤ ہوسکتا ہے ناراضی کے باوجود وہ خواب میں آجائیں"۔ موموں کے کہنے پر اس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ آنکھیں موند لی تھیں۔ کیا بتاتی اسے کہ وہ جیسے خواب میں بھی نہ آنے کی قسم کھائے بیٹھا ہے' مگر خیر یہ وقتی دوری بھی تعلق کو مزید مضبوط کرتی درمیان سے نکل ہی جائے گی۔ اس نے پھر دل کو تسلی دی تھی۔

☆

پرسکوت خاموشی میں یکدم ہی ہولناک چیخ و پکار کی آوازیں ابھری تھیں جو بلند ہوتی چلی جارہی تھیں' بھیانک شیطانی آوازیں جو اس کے وجود کو فضا میں اچھالتیں بھڑکتی آگ کے گرد چکر کاٹ رہی تھیں۔ اسے اپنے وجود میں دہکتی سلاخیں اترتی محسوس ہو رہی تھیں۔ گہری نیند میں اس کے چہرے پر خوف و اذیت کا پسینہ پھوٹ پڑا تھا' آوازیں بڑھتی جارہی تھیں اور ان کے درمیان دل دہلا دینے والی کراہیں۔ اسے اپنا وجود کانٹوں پر کھنچتا محسوس ہو رہا تھا' ناقابل برداشت شکنجے میں وہ بے بس تھا۔

اس کے بکھرے وجود میں جیسے طوفان اٹھنے لگے تھے' شدید بے چینی میں اس نے سر دائیں جانب پٹخا تھا' بہت سارے درندے اسے اپنے وحشی جبڑوں میں دبائے بھنبھوڑ رہے تھے۔ اذیت ہی اذیت تھی' آکسیجن کم سے کم ہوتی جا رہی تھی' اس کا وجود پر ملبہ گرتا جارہا تھا اور دردناک چیخیں۔ اس کا وجود سر سے پیر تک عرق آلود ہو چکا تھا' ہوا میں معلق

اس کا وجود کسی سخت چیز سے ٹکرایا تھا اور پھر ہر سمت سکوت طاری ہوگیا تھا جس میں سانس لینا ناممکن ہو رہا تھا' اسے معلوم تھا موت اسے اپنے تاریک شکنجے میں جکڑنے آرہی ہے۔ گھٹی گھٹی اذیت ناک کراہوں کے درمیان اس کا لرزتا ہاتھ بے خبر سوئے شاہ رخ کے بازو سے ٹکرایا تھا' سخت کھردری زمین پر اب اسے ایک آہٹ سنائی دے رہی تھی مگر یہ موت کی آہٹ تو نہیں تھی' یہ تو نرم قدموں کی چاپ تھی جو اس کی معدوم ہوتی دھڑکنوں کو زندگی کی طرف بلا رہی تھی۔ بازو پر بڑھتی گرفت نے شاہ رخ کی نیند توڑ ڈالی تھی' اس کا لرزتا ہاتھ پکڑے وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا تھا۔ پسینے میں تر بتر شیث کی بند آنکھوں اور چہرے کی اذیت پر ایک پل کو تو شاہ رخ کو کچھ سمجھ ہی نہیں آیا تھا مگر اگلے ہی پل اس نے شیث کو پکارتے ہوئے اس کے شانے کو ہلایا تھا۔

اسے اپنے پھوڑے کی طرح دکھتے وجود کے اردگرد ایک زندگی سے بھرپور لمس محسوس ہو رہا تھا' کانوں میں اترتی کسی کی گرم سانسوں کی تپش اذیت کے سمندر سے کھینچ رہی تھی' اپنی رکتی دھڑکنوں کی دھمک سنائی بھی دے رہی تھی اور وہ.....

"آپ کو کیا ہوا ہے؟" اس بار بلند آواز میں شاہ رخ نے اسے جھنجھوڑ ڈالا تھا۔

"سارہ....." یکدم ہی لبوں سے پھوٹتی کراہ کے ساتھ ہی اس نے آنکھیں کھولی تھیں اور اگلے ہی پل خود پر جھکے شاہ رخ کو دھکیلتا وہ اٹھا تھا مگر اس کے وحشت ناک انداز پر شاہ رخ نے سرعت سے اسے بازوؤں میں جکڑ لیا تھا۔ شاہ رخ کے شانے میں چہرہ چھپائے وہ اس طرح گہرے گہرے سانس بھر رہا تھا جیسے میلوں دور سے بھاگتا ہوا آیا ہے۔ شاہ رخ اس کی اس کیفیت پر بہت زیادہ پریشان تھا مگر خاموشی اور تحمل کے ساتھ اس کے نارمل ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ شیث کے پسینے میں بھیگے بالوں پر چہرہ ٹکائے وہ خود بھی ساکت بیٹھا تھا مگر سن سکتا تھا' دو تین بار اس نے بہت مدھم آواز میں سارہ کا نام لیا تھا۔

"سارہ یہیں ہے' آپ چاہتے ہو کہ میں اسے یہاں بلاؤں؟" شاہ رخ نے نرم لہجے میں سوال کیا تھا۔

"نہیں..... وہ نہیں ہے یہاں....." اس کے شانے میں چہرہ چھپائے وہ کسی بچے کی طرح بولا تھا۔

"اسے نیند میں ہی اٹھا کر یہاں لاؤں گا تب یقین آجائے گا؟" شاہ رخ نے مسکراتی آواز میں اسے بھی ہلکا پھلکا کرنے کی کوشش کی تھی۔

"وہ اس وقت یہاں آئی تو پھر اس پر کوئی الزام لگ جائے گا اور وہ ایک بار پھر مجھے....." اس کی بہت مدھم آواز بمشکل شاہ رخ سن سکا تھا۔

چند منٹ کے بعد وہ چہرے پر ہاتھ پھیرتا پیچھے ہٹ گیا تھا جبکہ تشویش زدہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے شاہ رخ نے لائٹ آن کی تھی اور پانی کا گلاس تھامے واپس اس کی طرف آیا تھا جو اپنے بھیگے بالوں میں ہاتھ پھیرتا پسینے میں شرابور شرٹ کا جائزہ لے رہا تھا۔

"کیا ہوا تھا مجھے؟" دنگ لہجے میں وہ شاہ رخ سے پوچھ رہا تھا۔

"آپ شاید کوئی خواب دیکھ رہے تھے' آپ کی حالت دیکھ کر میں خود پریشان ہوگیا تھا"۔ شاہ رخ کے جواب پر وہ چند لمحوں تک خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتا رہا تھا اور پھر خاموشی سے پانی کے گھونٹ بھرنے لگا تھا' جبکہ شاہ رخ بغور اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا جہاں کسی قسم کا کوئی تاثر نہیں تھا۔

"تم سوجاؤ' کچھ گھٹن محسوس ہو رہی ہے ابھی آتا ہوں"۔ خالی گلاس شاہ رخ کے حوالے کرتا وہ اس سے نظر ملائے بغیر ٹیرس کی سمت بڑھ گیا تھا۔

ٹیرس کی باؤنڈری پر ہاتھ جماتے ہوئے اس نے گہری سانس لی تھی' بھیگے وجود سے ٹکراتی سرد ہوا بھی اندر بھڑکتی آگ کو بجھانے میں ناکام رہی تھی۔ یہ کیسا اذیت ناک انکشاف تھا' وہ قریب تھی تو سب کچھ کتنا پرسکون تھا اور اب جبکہ وہ قریب ہو کر بھی خود کو دور کر چکی ہے تو ماضی نے اسے تنہا دیکھ کر کس طرح آ دبوچا ہے۔ وہ چاہ کر بھی اسے نہیں بتا سکتا تھا کہ وہ اس کی کتنی اہم ضرورت بن چکی ہے اور یہ کہ اس کے بغیر وہ کتنا مفلس اور لاچار ہو رہا ہے۔

☆

گیٹ کے اردگرد منڈلاتی وہ بار بار اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال رہی تھی۔ آج پہلی کلاس میں وہ وقت پر نہ پہنچ کر غلط امپریشن نہیں ڈالنا چاہ رہی تھی مگر زینب کی آمد کا کچھ اتا پتا نہیں تھا اوپر سے عاطف بھی گھر واپس آ چکا تھا اور موموکی تازہ ترین اطلاع کے مطابق اس وقت کھانا تناول کر رہا تھا جبکہ مومو پہلے ہی عاطف کی اسٹڈی میں پہنچی فون پر فون کھڑکا رہی تھی۔

''کب آؤ گی زینب! میں انتظار میں سوکھ رہا ہوں''۔ شاہل نے ہنستے ہوئے اسے چھیڑا تھا جبکہ وہ نوٹ بک اسے دے مارنے میں ناکام رہی تھی کیونکہ وہ سرعت سے گیٹ کے باہر تھا۔ شکر تھا کہ چند لمحوں بعد زینب کا چہرہ گیٹ کے اندر نمودار ہوا تھا۔

سیاہ نیٹ کے اسکارف کو اچھی طرح سر اور چہرے کے گرد لپیٹے وہ پریشان اور ہونق دکھائی دے رہی تھی' پہلی وجہ تو سارہ کی زبردستی یہاں آ کر کلاس لینے کی اور دوسری وجہ وہ شخص جس نے کلاس لینی تھی۔

زینب کا ہاتھ پکڑے وہ دبے قدموں عاطف کے کمرے سے گزرتی اسٹڈی روم میں داخل ہو گئی تھی جہاں موموکمپیوٹر آن کیے چیئرز بھی قطار سے رکھے ان کا انتظار کر رہی تھی۔ تینوں کی ہی آواز بند ہوئی تھی جب عاطف نے اسٹڈی میں قدم رکھا تھا۔ جھکے سر کے ساتھ زینب نے سامنے سے گزرتی سیاہ اسٹک کو دیکھا تھا۔ سارہ کے سلام کا جواب دیتا وہ کمپیوٹر کے دوسری جانب رکھی واحد چیئر پر بیٹھ گیا تھا جبکہ اس کی بہت زیادہ سنجیدگی نے سارہ کو کچھ جزبز کر دیا تھا۔ کن انکھیوں سے اس نے ساتھ بیٹھی زینب کو دیکھا تھا جس کا سر جھکتا ہی چلا جا رہا تھا۔ پہلی کلاس ظاہر ہے کہ کمپیوٹر سے تعارف کی کلاس تھی جتنی سنجیدگی اور توجہ کے ساتھ وہ ٹھہرے لہجے میں بول رہا تھا سارہ کو صرف اپنا پتا تھا کہ وہ اسے بہت توجہ سے سن بھی رہی ہے اور سمجھ بھی رہی ہے۔ کچھ دیر بعد عاطف نے کچھ ڈیفینیشن اور پوائنٹ نوٹ ڈاؤن کرنے کے لیے کہا تو ان سب نے اپنی نوٹ بکس کھول لی تھیں۔ کمپیوٹر اسکرین پر نظر جمائے وہ ڈکٹیٹ کر رہا تھا جب سیل فون کی چنگھاڑ نے سلسلے کو توڑا تھا اور پہلی بار اسے زینب کے مزید فق ہوتے چہرے کی طرف دیکھنا پڑا تھا۔ بری طرح گڑبڑائے انداز میں جب تک اس نے اپنا بیگ کھولا سیل فون گونگا ہو گیا تھا۔ شرمندگی سے بے حال ہوتی وہ نظر نہیں اٹھا سکی تھی جبکہ سارہ مسکراہٹ چھپائے دوبارہ عاطف کی طرف متوجہ ہو گئی تھی جس نے بغیر کوئی تنبیہ کیے سلسلہ وہیں سے جوڑا تھا جہاں سے ٹوٹ گیا تھا۔ ابھی کچھ ہی وقت گزرا تھا جب دوبارہ زینب کے سیل نے سب کچھ ڈسٹرب کر دیا تھا' زینب کے تو ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو گئے تھے' اس کے حرکت میں آنے سے پہلے ہی سارہ جو خود بری طرح شرمندہ ہو رہی تھی تیزی سے زینب کے بیگ سے سیل نکال کر کال ریسیو کی تھی۔

''ایک گھنٹے بعد اسے لینے آ جانا' خبردار جو دوبارہ ڈسٹرب کیا تم نے''۔ زینب کے بھائی کو گھرک کر اس نے سرعت سے سیل مکمل ہی آف کر دیا تھا۔

''اگلی بار سیل آف کر کے یہاں قدم رکھیں تو زیادہ بہتر ہے' یہ مینرز میں بھی شامل ہے''۔ عاطف نے بہت

سنجیدگی کے ساتھ اتنا ہی کہا تھا جو شرمندہ کرنے کے لیے ایکسٹرا ڈوز ثابت ہوا تھا' پھر وہ جب تک سامنے رہا سارہ کو یہی فکر رہی کہ زینب پتا نہیں سانس لے بھی رہی ہے یا نہیں۔

☆

برآمدے میں آتے ہوئے شمس نے حیرت سے سارہ کو دیکھا تھا جو عاطف کے ساتھ ہی کھڑی آج ہونے والی کلاس کے ہی کسی ٹاپک پر بات کر رہی تھی۔

''کتنا بولتی ہو تم' کتنے سوال کرتی ہو؟ عاطف تو تمہیں پڑھانے کی ذمہ داری لے کر ہی پچھتا رہا ہو گا''۔ شمس کے گھر کنے پر عاطف نے مسکراتے ہوئے اس کے شرمندہ چہرے کو دیکھا تھا۔

''عاطف! ابھی بھی وقت ہے جان چھڑا لو ورنہ یہ تمہارے دماغ میں کچھ نہیں چھوڑے گی' اپنے تجربے کی روشنی میں تمہیں مشورہ دے رہا ہوں''۔ شمس کے سنجیدہ انداز پر عاطف نے بے ساختہ ہنستے ہوئے سارہ کو دیکھا تھا۔

باہر ہی آتے شیث نے سامنے عاطف کے ساتھ موجود سارہ کو بھی دیکھا تھا اور اگلے ہی پل سپاٹ چہرے کے ساتھ آگے بڑھ گیا تھا۔

''تم کہیں باہر جا رہے ہو شیث؟'' سب کچھ بھلائے عاطف نے اسے مخاطب کر لیا تھا مگر وہ ان سنی کرتا آگے بڑھتا چلا گیا تھا۔

''شیث......'' شمس کی پکار میں تنبیہ بھی تھی جس پر اسے رکنا پڑا تھا۔

''عاطف نے کچھ پوچھا ہے تم سے''۔ شمس نے کہا تھا جو اس نے ایک اچٹتی نظر لاتعلق نظر آنے کی کوشش کرتی سارہ پر ڈالی تھی۔

''کیا پوچھا ہے؟ میں نے سنا نہیں''۔ اس کے سرد لہجے پر عاطف کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے' سوال دہرانے کے بجائے وہ سارہ سے مخاطب ہوا تھا۔

''سارہ! ایک کپ چائے مل سکتی ہے؟''

''جی''۔ سارہ نے چونک کر پہلے اسے اور پھر غیر ارادی طور پر شیث کی سمت دیکھا تھا جو سلگتی نظروں کے ساتھ رخ پھیرتا آگے بڑھ گیا تھا۔

''میں اب اس سے کوئی بات ہی نہیں کروں گا' اس کا رویہ دن بدن میرے ساتھ خراب ہوتا جا رہا ہے' میں نہیں چاہتا کہ میں اس سے کوئی سخت بات کروں اور ہمارے جھگڑے پر گھر میں ہر طرف چہ میگوئیاں شروع ہو جائیں''۔ اندر جاتے ہوئے وہ سن سکتی تھی عاطف بہت دلگرفتہ انداز میں شمس سے مخاطب تھا۔

☆

لاؤنج میں دیوار گیر آئینے کے سامنے کھڑی وہ بہت توجہ کے ساتھ اپنے لباس کا جائزہ لے رہی تھی۔ سیاہ رنگ چوڑی دار پائجامہ کے ساتھ خوب گھیردار لیس دار فراک نما شرٹ دیدہ زیب اور خوش رنگ ریشم کی ایمبرائیڈری سے بھری ہوئی تھی۔ یہ لباس شیث نے اپنے ٹرپ پر سوات سے اس کے لیے لیا تھا' اس خوبصورت لباس کے ساتھ اس نے باقی تمام تحائف بھی بہت سنبھال کر رکھ لیے تھے مگر اب پچھلے کچھ دنوں سے وہ ان تحائف میں سے کوئی نہ کوئی چیز ضرور استعمال کرنے لگی تھی اس امید پر کہ شاید وہ یہ دیکھ کر کچھ اس کی جانب مائل ہو جائے لیکن اب تک یہ امید صرف امید ہی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے مومو نے آ کر خوشخبری دی تھی کہ عاطف ان دونوں کو باہر کھانے پر لے جانے کے لیے راضی ہو گیا ہے' آج چھٹی کا دن تھا اس لیے مومو' عاطف کی گھر [illegible] موجودگی کا فائدہ اٹھانا چاہتی تھی اور کامیاب بھی

ہوگئی تھی۔

''سارہ جی! خیریت تو ہے؟'' لاؤنج میں آتے شان نے شرارتی نظروں سے اسے دیکھا تھا جو آئینے کے سامنے سے ہٹتی تیزی سے اس کے قریب گئی تھی۔

''شان! میں کیسی لگ رہی ہوں؟'' اس کے عجلت بھرے انداز پر شان نے حیرت کے ساتھ کچھ مشکوک نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''پہلے مجھے یقین دلاؤ کہ تم چھوٹے بھائی سے دستبردار ہو چکی ہو''۔

''بکومت''۔ سارہ نے ایک تھپڑ اس کے بازو پر رسید کیا تھا۔

''شرافت سے بتاؤ کیسی لگ رہی ہوں؟''

''میں نہیں بتا رہا''۔ وہ ڈھٹائی سے بولتا آگے بڑھنا چاہتا تھا جب سارہ نے اسے پکڑ کے واپس سامنے کیا تھا۔

''کتنے بے حس ہو' خاموش تماشائی بنے ہوئے ہو' یہ نہیں ہوا کہ مجھے تھوڑی سی سپورٹ دے دو''۔ سارہ نے شکایتی نظروں سے قریب آتے شاہ رخ کو بھی دیکھا تھا۔

''تمہیں کیا ہوا؟ تم کیوں کشمیر کی کلی بنی گھوم رہی ہو؟'' شاہ رخ نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا تھا جو چہرہ سجائے اسے گھور رہی تھی۔

''بس بس' میں سمجھ رہا ہوں یعنی تم چھوٹے بھائی کی توجہ کا حلوہ کھانے کے لیے ہمیں چمچہ بنانا چاہتی ہو''۔ شاہ رخ بڑی دور کی کوڑی لایا تھا۔

''اسے کوئی دورے اٹھتے ہیں کیا؟ کسی فوبیا کا شکار ہے یہ جو اوٹ پٹانگ بولتا ہے''۔ حیرت و ناگواری کے ساتھ وہ شان سے پوچھ رہی تھی جو بے ساختہ ہنسا تھا۔

''یار! اس کا گلہ درست ہے' وقت پر یہ ہمارے کام آجاتی ہے ہمیں یاد رکھنا چاہیے''۔ شان کا دل پسیج گیا تھا۔

''اس کے گلے ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دو' یہ تو ہم جانتے ہیں کہ ان کا ہاتھ کتنا بھاری ہے' جن تیوروں کے ساتھ وہ اب رہتے ہیں اس میں وہ ہمیں دو ہاتھ تو جڑ سکتے ہیں مگر منہ نہیں لگائیں گے''۔ شاہ رخ نے تلس کر کہا تھا۔

''سارہ! تم مایوس مت ہو' میں تمہارے لیے چھوٹے بھائی کا تشدد بھی برداشت کرلوں گا''۔ شان نے اسے تسلی دی تھی۔

''پھر تو بس تشدد ہی ہوگا' تم اس کی مرہم پٹی کے لیے تیار رہنا''۔ شاہ رخ کے مضحکہ اڑانے پر وہ ناگواری سے ان دونوں کو گھورتی سدرہ کی تلاش میں کمرے میں آئی تھی جہاں وہ نظر نہیں آئی تھیں' رُکے بغیر وہ اسٹڈی کے کھلے دروازے کی سمت بڑھی تھی' دوسری جانب وہ بھی کچھ عجلت میں تھا سو دروازے پر ہونے والا تصادم ٹھیک ٹھاک قسم کا تھا۔ لڑکھڑا کر وہ فوراً سنبھلی تھی جبکہ ایک خاموش نظر اس پر ڈال کر ہاتھ سے گر جانے والی فائل کی طرف متوجہ ہوا تھا' شدید گڑبڑاہٹ میں مبتلا سارہ بھی پہلے فائل اٹھانے کیلئے تیزی سے جھکی تھی جب ایک اور حادثہ رونما ہوا تھا' باقاعدہ آواز کے ساتھ دونوں کے سر آپس میں ٹکرا گئے تھے۔ ایک کراہ کے ساتھ سارہ نے اپنا سر پکڑا تھا دماغ ہل کر رہ گیا تھا' آنکھوں کے سامنے چھایا اندھیرا چھٹا تو اس نے دیکھا وہ کمرے سے باہر جا رہا تھا۔

''چھوٹے بھائی! رُکو''۔ لاؤنج میں آتی مومو نے اس کا راستہ روکا تھا۔

''عاطف بھائی مجھے اور سارہ کو باہر کھانے پر لے جا رہے ہیں اور آپ چل رہے ہو ہمارے ساتھ''۔ مومو کے

قطعی لہجے پر شیث نے ایک ناگوار نگاہ شاہ رخ پر ڈالی تھی جو صوفے پر نیم دراز زبردستی کھانسنا شروع کر چکا تھا۔

''نہیں...... میں نہیں جا سکتا''۔ سنجیدگی سے اس نے انکار کیا تھا۔

''مجھے کوئی انکار نہیں سننا' میں عاطف بھائی سے کہہ کر آئی ہوں کہ آپ کو بھی ساتھ لاؤں گی''۔ وہ بضد تھی۔

''چلے جاؤ شیث! عاطف انتظار کر رہا ہوگا''۔ سدرہ اسی وقت سارہ کے ساتھ وہاں آئی تھیں مگر سب سن چکی تھیں۔

''جن کا جانا ضروری ہے وہ جا رہے ہیں' اتنا کافی ہے''۔ پلٹ کر دیکھے بغیر وہ سرد لہجے میں بولا تھا اور تیز قدموں کے ساتھ سیڑھیاں چڑھتا گیا تھا۔

''پتا نہیں یہ چھوٹے بھائی کیوں میرے بھائی سے فرنٹ ہوئے بیٹھے ہیں''۔ مومو پیر پٹخ کر بولی تھی۔

''بات سنو...... خبردار جو میرے بھائی کے بارے میں کچھ غلط کہا''۔ شاہ رخ بیٹھے بیٹھے للکار رہا تھا۔

''یہ ازیل تمہارا بھائی ہے اسی لیے تو برداشت کر رہی ہوں میرے محبوب''۔ مومو کے خونخوار انداز پر سارہ نے کھلکھلا کر ہنستے ہوئے شاہ رخ کو دیکھا تھا جو سدرہ کے گھورنے پر کشن چہرے پر رکھ رہا تھا۔

''تم کیا کھڑی انجوائے کر رہی ہو' اب چلو''۔ بگڑے انداز میں سارہ کا ہاتھ کھینچتی وہ گئی تھی۔

''میری بیٹی کو بھی لے کر جانا ساتھ' باہر شمس کے پاس ہے''۔ سدرہ تاکید کرتی پیچھے گئی تھیں۔

☆

سبک خرام قدموں سے سڑک کے کنارے چلتے ہوئے وہ چونک کر اپنے عقب میں متوجہ ہوا تھا جہاں شان ہلکا سا دوڑتے ہوئے اس کے قریب آ گیا تھا۔

''تم کہاں جا رہے ہو؟'' اس نے پوچھا تھا۔

''جہاں آپ جا رہے ہیں؟'' شان نے کہا تھا۔

''میں تو بس واک کے لیے نکلا تھا''۔ شان کے کندھوں کے گرد بازو رکھتا وہ دوبارہ آگے بڑھنے لگا تھا۔

''میں آپ سے سارہ کے بارے میں بات کرنا چاہ رہا تھا''۔ کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد شان نے جھجکتے ہوئے اس کے چہرے پر پھیلتی سنجیدگی کو دیکھا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ دنیا میں اگر کوئی ایسا ہے جس کی غلطیاں یا برائیاں آپ کو نظر نہیں آ سکتیں تو وہ صرف اور صرف سارہ ہی ہوسکتی ہے''۔ شان کے سنجیدہ لہجے پر وہ بس خاموشی سے سامنے دیکھ رہا تھا۔

''شاید وہ بھی اس چیز کی توقع آپ سے نہیں رکھتی ہوگی کہ اس کی کسی بات کو لے کر آپ اس طرح اس سے لاتعلق ہو جائیں گے۔ ذاتی طور پر مجھے بھی یہ ٹھیک نہیں لگ رہا کہ اس کی کسی غلطی کو لے کر آپ اس سے قطع تعلق کرلیں''۔

''اس نے کوئی غلطی نہیں کی ہے' یہ میں نے اسے بھی بتا دیا تھا' اس نے صرف سچ کا آئینہ مجھے دکھایا ہے اور اس آئینے میں اپنا چہرہ دیکھنے کے بعد مجھے احساس ہوا ہے کہ مجھے ان تمام محبتوں سے کچھ فاصلے پر چلے جانا چاہیے' جن کیلئے میری ذات شرمندگی کا باعث ہے' وہ محبتیں جنہیں میں آنکھیں بند کر کے سمیٹتا رہا ہوں مگر بدلے میں ان کو سوائے ذلت کے اور کچھ نہ دے سکا''۔ اس کا لہجہ تلخ تھا۔

(جاری ہے)

☆

انعم خان

قسط نمبر 10

مکمل ناول

اس دل میں بس ہو تم

محبت اس کے دل کی دھڑکن بن کر سانسوں کی روانی قائم رکھے ہوئے تھی پھر کب تک وہ شکوے شکایت کرتا رہتا' اسے حقیقت کو قبول کرنا پڑا۔ وہ بے بسی کی انتہا کو پہنچا مگر دل سے مستبشرہ جمال کو نکال نہ سکا' اس کے ساتھ گزارے لمحوں کی یاد سے چھٹکارا نہ پا سکا۔ پھر کیسے اس کے خلاف کچھ سنتا......؟ یہ علی آیان حسن گیلانی کی سچائی تھی۔ اس کی ذات کی اصلیت تھی کہ وہ اپنی محبت کو بھولنے سے انکاری تھا۔

''مجھے انکل آنٹی سے بات کرنی چاہیے' تم سے بحث فضول ہے'' عمر نے فیصلہ کیا۔

''نہیں تم ماما اور ڈیڈ کو کچھ نہیں بتاؤ گے'' وہ بے یقین ہوا۔

''انہیں تمہارے لیے بتانا ضروری ہے'' عمر نے اب اُسے سمجھانے کا ارادہ ترک کیا کہ کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ محبت میں اندھا ہو چکا تھا جو نا ٹک کا حصہ بن کر بھی ناٹک میں رہنے کا خواہشمند بنا بیٹھا تھا۔

''تمہیں میری قسم عمر! تم انہیں کچھ نہیں بتاؤ گے' میں انہیں کوئی دکھ نہیں دینا چاہتا'' اس نے عمر کو بلیک میل کرنا چاہا۔ اس کا ہاتھ اپنے سر پر رکھ کر قسم دی۔ اُس نے بیزار مگر عجب نظروں سے علی کو دیکھا۔

''ساری زندگی یونہی ایک کیفیت میں مقید ہو کر گزارنا مشکل ہے علی! اگر تم کوئی بات سمجھنا نہیں چاہتے۔ ایک فریب اس لڑکی نے تمہیں دیا ہے' دوسرا فریب تم خود کو اپنی سوچ سے دے رہے ہو' جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ تم سے جڑا ہر رشتہ تمہارے لیے فکر مند ہے اور تم صرف اس لڑکی کے لیے...... جو کچی نیند کے ادھورے خواب سے زیادہ اب



تمہارے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ کب تک درد کی دلدل میں خود کو اتارو گے' پلیز آزاد کرو اپنے ذہن ودل کو محبت کے خول سے اور حقیقت کو قبول کر کے جینا سیکھو ورنہ یہ نہ ہو کہ اپنی زندگی سے بھی تنگ ہونے لگو''۔ عمر نے نہایت سنجیدگی سے نرم لب ولہجہ اختیار کرتے ہوئے دوستانہ مگر مخلصانہ انداز میں کہا۔

جواباً علی بظاہر کچھ نہ بولا البتہ دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا اور کچھ دیر بعد اس کی طرف سے نکل کر گاڑی میں آ بیٹھا۔ گاڑی اسٹارٹ کرنے سے پہلے علی نے لمبی مگر یاسیت بھری سانس خارج کی۔

''زندگی کا گھیرا تو اسی لمحے مجھ پر تنگ پڑنے لگا تھا میرے دوست جب مستبشرہ نے مجھے تشنہ راہیں سونپ کر الوداع کہا تھا''۔ اور عمر سے دل ہی دل میں مخاطب بے بسی سے سوچنے لگا۔

☆

آج سارا دن وہ بہت تھک گئی تھی۔ اسکول میں کام بھی بہت زیادہ تھا۔ گھر آ کر بھی دوپہر کو نہیں سوئی کہ احسان کا فون آیا ہوا تھا' کافی دیر تک اس سے باتیں کرتی رہی' اس کا فون بند ہوا تو اماں سے اِدھر اُدھر کی باتیں کیں' پھر چائے پی کر بابا جان سے فرمائش کی کہ وہ اپنا اسکول دیکھنا چاہتی ہے' جسے انہوں نے فوراً پورا کیا اور اسے اسکول کی طرف لے گئے۔ اسکول زیر تعمیر تھا' کافی سارے ورکرز کام میں لگے تھے' کام کی رفتار بھی خاصی تیز تھی۔

''بابا جان! اور کتنا عرصہ لگے گا کام ختم ہونے میں؟''

''تقریباً دو ڈھائی مہینے''۔ انہوں نے مختصراً بتایا۔

پھر کچھ دیر وہاں کا جائزہ لینے کے بعد وہ گھر واپس آئی تو مغرب کا وقت ہو چکا تھا۔ نماز پڑھ کر ٹی وی کے سامنے بیٹھی اور جتنی دیر بیٹھی سارا وقت چینل سرچنگ میں لگایا کہ ٹی وی دیکھنا خاص پسند نہ تھا۔ آٹھ بجے کے قریب اماں نے اسے کھانے کے لیے بلایا تو ڈائننگ ٹیبل کی طرف گئی۔ تھوڑا بہت کھایا پھر کھانے سے فراغت کے بعد 10 بجے کے قریب کمرے میں گئی۔ جسم تھکن سے چور ہو رہا تھا' آنکھیں بھی نیند سے بوجھل تھیں۔ بیڈ پر جانے سے پہلے الماری کی طرف گئی' صبح اسکول کے لیے ڈریس سلیکٹ کیا' لائٹ آف کی پھر بستر پر آ لیٹی۔

''آج نیند خوب مزے کی آئے گی''۔ آنکھیں موندنے سے پہلے وہ محض بڑبڑائی تھی کہ جس دن بھی دن کو نہیں سوتی تھی رات میں اسے بھرپور پرسکون نیند ملتی تھی۔

اس نے آنکھیں موند کر اوپر بازو رکھا اور ذہن سے تمام خیالات نکالے البتہ خلاف معمول آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے کے باوجود اس کا ذہن مکمل طور پر جاگا ہوا تھا۔ اگلے کئی لمحے اس نے اپنے تئیں سونے کی بھرپور کوشش کی' مگر بری طرح ناکام رہی' کروٹ پر کروٹ بدلتی رہی' تھکاوٹ کے باوجود نیند نہ آنے پر اسے خاصی حیرانگی ہوئی' پندرہ بیس منٹ یونہی گزرے کہ یکدم اسے گھبراہٹ سی ہونے لگی' عجب بے چینی نے اس کے گرد پڑاؤ ڈالا' ذہن ماؤف وساکت سا ہونے لگا۔ وہ تنگ آ کر اٹھ بیٹھی۔

دل پر اکتاہٹ سی طاری ہونے لگی تھی۔ اس نے سرعت سے اٹھ کر لائٹ آن کی مگر بے اثر...... آنکھیں اندھیرے میں ڈوبی محسوس ہوئیں' ذہن ودل پر ہنوز بے قراری سی چھائی تھی۔ اس نے سائیڈ ٹیبل پر پڑا گلاس اٹھا کر پانی پیا تو حلق میں کڑواہٹ محسوس ہوئی۔

''کیا ہے......؟'' اگلے آدھے گھنٹے میں وہ اپنی کیفیت سے تنگ آئی تو جھنجھلا کر بولی۔

اچھے خاصے موسم میں وحشت کا احساس ہوا تو اٹھ کر کھڑکی کے پٹ وا کیے۔ کھلے بالوں کو پونی میں مقید کیا اور پھر سے بستر پر آ لیٹی مگر نیند کا نام ونشان تک نہ ملا۔ مزید ایک گھنٹہ کروٹ بدلنے میں گزارا' ایسا اس کے ساتھ پہلی بار ہو رہا

تھا' جسم بے سکونی سے ٹوٹنے لگا تھا' تھکن مزید بڑھ گئی تھی' اعصاب تنے ہوئے محسوس ہو رہے تھے' خالی ذہن اور بھاری آنکھیں اسے اکتاہٹ کا شکار کرنے لگے' لائٹ آن ہی تھی' مزید گھنٹہ اس نے یونہی گزارا تب کہیں جا کر نیند کی دیوی اس پر مہربان ہوئی تو اسے اس اچانک کی عجب کیفیت سے قرار نصیب ہوا۔

اگلی صبح کا سورج طلوع ہوا تو ہر سو اجالا پھیلا۔ رات اس نے کھڑکی کے پٹ کھلے چھوڑے تھے جن سے اب سورج کی کرنیں بنا کسی رکاوٹ کے کمرے میں داخل ہو کر مسلسل اس کے چہرے سے ٹکرا رہی تھیں۔ اس نے چندھیائی آنکھوں پر ہاتھ رکھا اور چند ثانیوں بعد ہلکی سی انگڑائی لے کر اٹھ بیٹھی۔ رات دیر سے سوئی تھی اور خاصی تھک کر سوئی تھی سو طبیعت میں بیٹھتے ہی بوجھل پن کا احساس جاگا مگر ہمت کر کے اٹھی اور منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارے' شاور لیا اور قدرے فریش سے تاثرات محسوس کیے۔ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بال سلجھائے اور ناشتے کی غرض سے باہر نکلی۔

''مستبشرہ بیٹی! طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟'' زہرہ بیگم نے اس کے بیٹھتے ہی پوچھا۔ رات بے آرامی کی وجہ سے اس کے چہرے پر بے سکونی کے اثرات نمایاں تھے۔

''جی اماں!'' وہ تھکے سے لہجے میں بولی۔

''لگتا ہے رات کو ٹھیک سے نیند نہیں آئی تھی؟'' انہوں نے اپنا قیاس لگایا جو بالکل درست تھا۔

''جی اماں! پتہ نہیں کیوں نہیں آئی حالانکہ میں کل دن کے وقت بھی نہیں سوئی تھی' بہت گھبراہٹ ہو رہی تھی اب بھی تھکن باقی ہے''۔ وہ آہستگی سے بتانے لگی' آواز تک میں سستی تھی۔

''ایسا ہوتا ہے کبھی کبھار' بہت زیادہ تھکن بھی جسم کو بے سکون اور دماغ کو بوجھل کر دیتی ہے''۔ انہوں نے ناشتہ اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ پھر لاڈ سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور سلسلہ کلام جاری رکھا۔

''اسی لیے کہتی ہوں اپنا خیال رکھا کرو' کم کام کیا کرو' بے آرامی سے چہرے پر کشش اور نور بالکل نہیں رہتا''۔

''اماں! صرف آج رات نیند نہیں آئی''۔ وہ ہنسی کہ اماں کو تو بہانہ چاہیے تھا اسے کام سے روکنے کا۔

''ہاں پر اپنا خیال رکھنے میں کیا قباحت ہے اور یوں کرو کہ ابھی ناشتے کے بعد جا کر تھوڑا آرام کر لو' آج اسکول جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے''۔ زہرہ شاہ نے بڑے لاڈ سے حکم دیا۔

ویسے بھی وہ مستبشرہ کے اچھے خاصے جسم کو کانٹے سے تشبیہ دیتی تھیں۔ اس کے آرام کا خاص خیال رکھتی تھیں' اور اس کا اسکول جانا تو انہیں بالکل اچھا نہیں لگتا تھا کہ خوامخواہ کی مصروفیات میں وہ خود کو مکمل اگنور کر رہی تھی' اور آج تو ان کے پاس اسے روکنے کی معقول وجہ تھی۔

''نہیں اماں! آرام واپس آ کر کروں گی وہ بھی ڈھیر سارا' چھٹی نہیں کر سکتی کہ بچوں کا کافی کورس رہتا ہے''۔ مستبشرہ نے فوراً نفی میں سر ہلایا ساتھ ہی چائے کا سپ لیا۔

''اچھا ٹھیک ہے''۔ زہرہ شاہ نے ناچاہتے ہوئے بھی اثبات میں کہا کہ وہ ہرگز بھی نہ رکتی' انہیں منا ہی لیتی' پھر بحث کا کیا فائدہ۔

''تھینک یو اماں! یو آر سو گریٹ''۔ وہ خوشی سے بولی اور چائے ختم کرنے کے بعد اسکول کی تیاری کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆

فلک نے انگلش کی بک اٹھائی' کھولی اور پڑھنا شروع کی۔

مشارب نے اسے بہت کہا کہ "لاؤ بک میں تیاری کرواتا ہوں" مگر وہ نہ مانی کہ اس مرتبہ خود ہی تیاری کرکے پیپر دے گی کیونکہ جب وہ مشارب کے ساتھ ہوتی تھی تب اسے صرف باتیں یاد رہتی تھیں۔ پچھلی بار بھی پڑھائی کے نام پر وہ اس کے ساتھ گھنٹوں باتیں کیا کرتی تھی اور جب باتیں کرکے تھک سی جاتی تب بیزاری سے کتاب بند کیے کمرے میں آتی اور لمبی تان کر سو جاتی تھی جس کے نتیجے میں سخت سزا وہ بھگت رہی تھی۔ جبکہ اس مرتبہ تو معاملہ ہی الگ تھا۔

پہلے دوستی میں باتیں تھیں اب کی بار محبت اپنی جڑیں مضبوط کرنے میں اسی کی ذات میں مگن رہنے لگی تھی۔ وہ سامنے ہوتا تو فلک جذبات و احساسات کی شدت و چاشنی میں ڈوبی مشارب میں محو رہتی۔ فیس ٹو فیس باتیں کرتی اور اس سے بھی جی نہیں بھرتا تو تصورات میں اس کے سنگ ننگے پاؤں گلاب کی پتیوں پر ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے الفت کی منزل پانے نکل پڑتی۔ دل کے مندر میں اسے دیوتا بنائے اس کی پرستش میں مصروف رہتی' ہر احساس میں اسے محسوس کرتی۔

ایسے میں پھر بھلا پڑھائی خاک ہونی تھی۔ سو یہاں نادان' لاابالی سی فلک شاہ نے خاصی سمجھداری سے کام لیتے ہوئے خود ہی پڑھنے کا فیصلہ کیا۔ ڈائجسٹ پڑھنا اور نیٹ یوز کرنا تو اس نے اسی وقت ہی چھوڑ دیا تھا جب اندر کا موسم خوشگواریت میں بدل گیا تھا پھر دل کی مصروفیت اتنی بڑھی کہ بس دل کی ہی ہو کر رہ گئی تھی۔ اگلے ہفتے اس کا پیپر تھا سو فہمیدہ بیگم نے کسی چھوٹے سے کام کیلئے بھی اسے آواز نہ دی کہ ایک ہی طرف دھیان رکھے۔ اس وقت بھی وہ مشارب کی طرف سے ہو کر آئی تھی اور اب کتاب کھولے پڑھنے اور یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسے ہر صورت میں مشارب کے معیار پر پورا اترنا تھا۔ اس کی پسند کے مطابق ڈھلنا تھا۔ اپنے دل کی خاطر' اپنی محبت کے لیے' اسے مشارب شاہ کا ساتھ مقصود تھا۔

☆

"علی......!" ناشتے سے فراغت کے بعد وہ اٹھ کر جانے لگا تھا جبھی ساجدہ بیگم نے کافی غور و خوض کے بعد اسے پکارا تھا اور وہ جو مجبوراً خود پر سے ان کا شک ہٹانے کے لیے ناشتے کی فارمیلٹی نبھانے ان دونوں کے ساتھ بیٹھا تھا آواز پر قدم روک کر خود کو کمپوز کرتا ماں کی طرف دیکھنے لگا۔

"جی مما......؟"

"بیٹھو یہاں"۔ انہوں نے چیئر کی طرف اشارہ کیا۔

"مما! مجھے عمر کی طرف جانا ہے"۔ وہ فرار چاہتا تھا سو وہیں کھڑے کھڑے بولا۔

"پہلے تم یہاں آؤ...... بیٹھو ادھر"۔ ساجدہ گیلانی کا لب و لہجہ آج پہلے سا نہیں تھا۔ اس نے چونک کر ماں کی طرف دیکھا' ان کے لب و لہجے پر غور کرنا چاہا' کچھ سمجھ نہ آیا۔

"مما! مجھے اس سے ضروری کام ہے"۔ اس نے فوراً عذر پیش کیا۔ دل میں کوئی بات سننے کی سکت ہی نہیں تھی' عجب تکلیف اسے مسلسل بے چینی میں گھیرے تھی۔

"مجھے بھی تم سے ضروری بات کرنی ہے' تم میری بات سنو گے کہ نہیں"۔ اب کے وہ سخت ہوئیں' انداز میں تحکم تھا۔

"مما......!" وہ الجھن کا شکار نظر آیا۔

"علی! دو منٹ کے لیے سن لو ماں کی بات' ادھر آؤ شاباش' پھر چلے جانا بات سننے کے بعد"۔ حسن گیلانی نے

مداخلت کی' اسے آہستگی سے کہا۔ وہ بھاری قدموں کے ساتھ واپس اپنی جگہ پر آ بیٹھا اور خاموش مگر سوالیہ نظروں سے ساجدہ گیلانی کو دیکھا۔

"اب بتاؤ کیا بات ہے؟" انہوں نے سنجیدگی سے استفسار کیا اور یہ استفسار محض اوپری نہیں تھا' انہوں نے علی کی یونیورسٹی آف ہونے کے بعد سے اس میں آئی تبدیلی و بے چینی کو محسوس کیا تھا۔ اس متعلق شوہر سے بھی بات کی' دونوں نے کل تک بغور علی کے ہر ہر عمل کو نوٹ کیا اور رات کو فیصلہ کیا کہ صبح پوچھیں گے سب وجہ...... سو ناشتے کے دوران بھی علی آیان پر کڑی نظر رکھی اور اس وقت وہ ماں باپ کی عدالت میں جوابدہی کیلئے آ چکا تھا۔

"کون سی بات؟" علی نے سرعت سے اپنی بات کو چھپائے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ لایا۔

"بنو مت علی!" انہوں نے اسے ڈپٹا کہ آج کوئی بہانہ نہیں سننے والے تھے دونوں۔

"مجھے کیا ضرورت ہے بننے کی جب کوئی بات ہے ہی نہیں"۔ وہ قیاس لگا بیٹھا تھا کہ بری طرح پھنسنے والا ہے مگر اپنے تئیں "سب ٹھیک ہے" ظاہر کرنا چاہا۔

"تم ابھی ہماری نظر میں اتنے بڑے نہیں ہوئے کہ ہمیں اپنی باتوں سے ٹال سکو' تمہاری چالاکیاں ہمارے تجربے کے سامنے کچھ بھی نہیں ہیں"۔ حسن گیلانی خاصی سنجیدگی سے بولے۔

"اور تم اس بھول سے نکل آؤ آیان کہ تمہارے ہر روز کے بہانے سے ہم مطمئن ہیں' بالکل بھی نہیں۔ بے آرامی کا بہانہ' فلم دیکھنے کا جواز' سوجی آنکھیں' الجھا چہرہ' بے ترتیب بال' بڑھی ہوئی شیو' ہر وقت کی بے دھیانی' بے چینی' کھانے کے نام پر دو لقمے...... کیا سمجھیں ہم؟ ان سب باتوں کا مطلب کیا ہے؟" ساجدہ بیگم بھی حد درجہ سیریس تھیں۔ علی آیان کی کوئی ٹال مٹول آج برداشت نہیں کرنے والی تھیں' یہ وہ ان کے رویئے سے محسوس کر چکا تھا۔

"آپ کو مجھ پر شک ہے؟" مگر وہ اوپری دل سے گویا ہوا۔

"تم نے ان دنوں اپنے حلئے سے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی"۔

"آپ جانتے ہیں ڈیڈ! میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا"۔ وہ باپ سے گویا ہوا۔

"اب یہی تمہارا جھوٹ ہے"۔ جس پر ساجدہ گیلانی کا غصہ دیدنی تھا۔

"پلیز مما......!" وہ اکتایا۔

"تم کیا سمجھتے ہو علی! تمہیں بے چین دیکھ کر میں آرام سے رہ سکتی ہوں' نہیں ناں...... اس دن تم عمر سے ملنے کا کہہ کر گئے تھے مگر میں نے اسے شام کو فون کرکے پوچھا تو تمہارے جھوٹ کی سچائی سامنے آ گئی۔ کہاں گئے تھے اس دن جبکہ تمہاری طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی"۔ اپنے اکلوتے بیٹے کے جھوٹ کا پردہ فاش کرتے ہوئے آخر میں وہ لہجے میں نرمی کا عنصر لائیں۔ علی نے اپنے پکڑے جانے پر شرمندگی سے نظریں جھکائیں تھیں۔

"بیٹا! ہم تمہارے اپنے ہیں' ہم آن ہری اپ' اگر کوئی مسئلہ یا پریشانی ہے تو ہمیں بتاؤ مل بیٹھ کر سلجھاؤ نکالتے ہیں"۔ حسن گیلانی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے دوستانہ لہجے میں اس سے جاننا چاہا۔

علی کی حالت نے انہیں پہلے دن سے ہی شک میں ڈالا تھا مگر وہ دونوں اس وقت چپ ہو گئے تھے کہ علی ہمیشہ کی طرح خود ان سے سب شیئر کرے گا لیکن وہ خاموش رہا۔ خاموشی سے زیادہ افسردگی میں ڈوبا نظر آیا' جس کے پیش نظر انہوں نے عمر سے بھی رابطہ کیا مگر عمر کو علی نے کچھ نہ بتانے کی اپنی جگہ قسم دے رکھی تھی سو وہ جانتے بوجھتے انجان بن گیا تھا۔

"آپ لوگ میرا یقین کیوں نہیں کرتے؟ کوئی بات یا مسئلہ نہیں ہے۔ کیا میں سیریس نہیں ہو سکتا اور اگر آپ میرا

یقین نہیں کر سکتے تو عمر سے پوچھ لیں تب آپ کو اطمینان ہو جائے گا''۔ اب وہ جھنجھلا اٹھا تھا۔

اتنی ہمت نہیں تھی اس کے اندر کہ خود پر گزرا ستم زبان پر لا کر مزید کرب کا شکار ہوتا مگر آج وہ دونوں جانے انجانے میں اس کے زخم ہرے کیے اُن پر گویا نمک چھڑک رہے تھے۔

''عمر سے کیوں پوچھوں؟ تم آج مجھے اطمینان دلاؤ' کھاؤ میرے سر کی قسم اور کہو کہ تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہے' تمہاری مسکراہٹ پر سنجیدگی کسی خاص وجہ سے نہیں ہے۔ رکھو میرے سر پر ہاتھ اور کھاؤ قسم' پھر نہیں پوچھوں گی میں تم سے کوئی سوال''۔ بیٹے کی بات پر ساجدہ گیلانی کی ممتا تڑپ اٹھی تھی' ہذیانی انداز میں اس پر چلائیں' اس کا ہاتھ تھام کر اپنے سر پر رکھا' اس لمحے علی آیان حسن گیلانی جیسے مجبور ہوا تھا' بے بس ہونے لگا تھا۔

''میں کیسے کہہ دوں مما! کہ آپ کا بیٹا اب جینا نہیں چاہتا' مجھ پر جو گزری کیسے بیان کروں وہ سب جسے سن کر نہ آپ کو قرار ملے گا نہ مجھے راحت۔ اپنے دل کی کہانی' دکھ کیسے لاؤں زبان پر''۔ بھری ہوئی آنکھوں' بھرائی ہوئی کپکپائی آواز میں کہتا بالآخر وہ ٹوٹ گیا۔ ضبط کے تمام بندھن اس کے دامن سے چھوٹ گئے۔ دکھ... کی تصویر بنا وہ اُن دونوں کو بھی پل بھر میں تاسف و یاسیت میں ڈال گیا تھا۔ بیٹے کے بکھرنے پر اُن دونوں کی آنکھیں آپس میں ٹکراتی سوالیہ سی رہ گئی تھیں۔

☆

صبح ناشتے کے بعد بھی پورے گھر میں گہما گہمی کا سماں تھا۔

کلثوم پھپھو اور مراد ایک آدھ گھنٹے میں واپسی کیلئے نکلنے والے تھے اور ناشتے کے بعد ہی انہوں نے سعید احمد سے شادی کی تاریخ مانگ لی تھی۔ وہ بھی دو مہینے سے پہلے کی۔ سب ہی حیران ہوئے تھے۔

''اتنی جلدی سب کیسے ممکن ہے؟'' سعید صاحب نے کہا۔

''کیوں نہیں ممکن؟'' جب وہ پوچھنے لگیں۔

''آپا! اتنی جلدی تو مشکل ہے' ہماری تو ذرا بھی تیاری نہیں ہے''۔ نفیسہ بیگم کو تیاری کی فکر نے گھیرا۔ گھر میں دو بیٹیاں تھیں' جہیز تو ساتھ ہی ساتھ بنا لیا تھا مگر اس کے علاوہ بھی شادی کیلئے فوراً سے تیاری بالکل نہ تھی۔

''کوئی مشکل نہیں ہے اور تیاری کا کیا ہے ہونے کو تو ایک ہفتے میں ہو جاتی ہے اور ویسے بھی ہمیں صرف ہماری بچی چاہیے' جہیز کی کوئی ضرورت نہیں''۔ کلثوم بیگم صاف بولیں۔ جواباً کوئی کچھ نہ بولا' کسی کو اعتراض نہ تھا۔

خاندان کے تمام افراد ہی وہاں موجود تھے سو وہیں سب کی مشاورت سے دو ماہ کے اندر ہی کی تاریخ رکھ دی گئی۔ چٹ منگنی سے جہاں سب حیران و خوش ہوئے تھے وہیں پٹ بیاہ کی خبر سب کے چہروں پر مسکراہٹ لائی۔ تمام بزرگ افراد مطمئن تھے اور لڑکیاں خبر سنتے ہی شادی سے متعلق پلاننگ کیلئے سر جوڑ کر بیٹھ گئیں کہ جہیز کی تیاری اور بری سے زیادہ ان کے ملبوسات کی فکر زیادہ اہم تھی۔ ہر لڑکی سوچ میں ڈوبی تو تمام خواتین ان کی فطرتی پریشانی و جلد بازی پر مسکرانے لگیں۔ کلثوم بیگم' مراد نے سب باتیں کر چکی تھیں اور اب شادی سے متعلق چند ضروری باتیں سب بڑے طے کر رہے تھے۔

مہ روش تک بھی یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پہنچی تو وہ بے یقین سی کمرے میں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ سب اتنی جلدی اور اچانک طے پائے گا یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

''کیا سوچا جا رہا ہے؟'' وہ بے خیالی میں کھڑی تھی جب سب سے نظر بچا کر مراد اس کے کمرے میں آیا تھا اور آتے ہی اس کو کھوید دیکھ کر اس کے کان کے قریب بولا تو وہ ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی۔

''کچھ خاص نہیں''۔ کہتے ہی دو قدم آگے ہوئی کہ مراد اس کے بالکل قریب کھڑا تھا۔

''اچھا پر میرے خیال میں تو اب تمہیں خاص ہی سوچنا چاہیے''۔ وہ متبسم لہجے میں شوخی سے بولا۔

''کیا مطلب؟''

''بھئی اب جلد ہی ہماری شادی ہونے والی ہے' اچھا اچھا سوچا کرو''۔

''ہاں پر آپ کو نہیں لگتا کہ شادی کا فیصلہ بہت جلدی لیا گیا ہے''۔ وہ بولی۔

''کیوں تمہیں اعتراض ہے؟'' مراد سنجیدہ ہوا' استفسار کیا۔

''ابو ای کا فیصلہ ہے' میرے اعتراض کی تو بات نہیں ہے' بس میں چاہتی ہوں کہ اتنا وقت تو ہوتا کہ ہم ایک دوسرے کو جان سکتے''۔ اس نے وجہ بتائی۔ مراد سن کر مسکرایا۔

''جاننا تو ان دو ماہ میں بھی جا سکتا ہے' ہم روزانہ فون پر بات کریں گے''۔ ساتھ ہی حل پیش کیا پھر مزید اضافہ کیا۔

''جانتی ہو جلدی شادی کیلئے امی سے میں نے ہی کہا ہے' ورنہ ان کا ارادہ ایک ڈیڑھ سال بعد کا تھا''۔ اسے بتانے لگا۔

''آپ نے کیوں کہا؟'' مہ روش نے بے ساختہ پوچھا۔ ویسے بھی مراد سے بات چیت اور بہت سی ملاقاتوں اور خصوصاً منگنی کے بعد اس کی جھجک بھی کم ہوئی تھی۔

''کیونکہ یہ دل اب تم سے زیادہ دور نہیں رہنا چاہتا''۔ مراد نے اپنے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے چاہت سے بھرپور لہجے میں جواب دیا۔ مہ روش کے چہرے پر مسکراہٹ اتری۔ اب تو مراد سے اسے ایسے جملے سننے کی عادت سی پڑتی جا رہی تھی۔

''میرے لیے تمہارے ساتھ کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ اپنی ذات کی قدر میرے دل سے پوچھو تو محبت کا لفظ بھی چھوٹا لگے گا''۔ مراد منصور نے بات جاری رکھتے ہوئے اسے ایک مرتبہ پھر اپنی محبت پر یقین دلایا۔

''میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ آپ مجھ سے یہ سب کہہ سکتے ہیں' مجھ سے کیا بلکہ کسی سے بھی کہہ سکتے ہوں گے''۔ ماہی دل سے یقین کرتی آہستہ مگر کھنکتے لہجے میں بولی۔

''اچھا کیوں؟'' اس نے جاننے میں دلچسپی ظاہر کی۔

''اس لیے کہ آپ جیسے سنجیدہ بندے کے بارے میں جاننا' کچھ کہنا یا ایسا کچھ سننے کی توقع نہیں کی جا سکتی ہے''۔ وہ صاف بولی کہ خود بھی اس متعلق اس کا دھیان کبھی نہیں گیا تھا۔

''کیوں کیا سنجیدہ رہنے کا یہ مطلب ہے کہ بندے کے سینے میں دل نہیں یا وہ جذبات سے عاری ہے''۔ سن کر وہ محظوظ ہوا۔ پُرشوق نگاہوں سے اس کی آنکھوں میں جھانک کر پوچھنے لگا۔

''پہلے تو ایسا ہی لگتا تھا مگر آپ سے ملاقات کے بعد اب ایسا بالکل نہیں لگتا۔ میں جان چکی ہوں کہ آپ کے سینے میں دل ہے' دل میں جذبات ہیں اور وہ جذبات صرف میرے لیے ہیں''۔ ماہی مبہم سے لہجے میں بولی۔

''اور ان جذبات پر میں نے آج تک سنجیدگی کا لبادہ اس لیے اوڑھے رکھا کہ ایک دن پوری ایمانداری سے انہیں تمہیں سونپ کر تمہیں پاؤں گا اور وہ دن آج کا دن ہے' میری تمام محبتیں تم پر نثار ہونا چاہتی ہیں مہ روش..... ! تم میرے دل میں بسی ہو' میری ذات تم بن نامکمل ہے''۔ مراد اپنی تمام تر شدت سے کہتا حرف حرف مہکاتا اس کے کان میں محبت کا رس گھولنے لگا۔ آگے بڑھ کر دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ تھاما اور اگلے ہی لمحے اپنے لب اس کی پیشانی

پرکھ کر اسے ساتھ لگا گیا۔

اس پُرسحر لمحے میں مہ روش کا دل عجب سُریلی لے پر دھڑکا تھا، جبھی جسم نے کوئی مزاحمت نہ کی۔

''میں اس دن کا شدت سے انتظار کروں گا جب تم تمام حقوق سمیت میری دسترس میں آؤ گی''۔ مراد منصور نے آہستگی سے اسے خود سے دور کیا ساتھ ہی مسکراتی نظر اس پر ڈالے کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بہت دیر بعد تک ماہی کے لب اپنائیت و محبت کے احساس سے مسکراتے رہے تھے۔

کچھ دیر بعد کلثوم پھپھو، مراد منصور سب سے ملتے اجازت لے کر روانہ ہوئے۔ شاہدہ پھپھو اور ریحانہ خالہ بھی اپنے اپنے بچوں کے ساتھ چلی گئیں کہ اب تو شادی کی تیاری بھی کرنی تھی اور تیاری کیلئے دو ماہ کا عرصہ بہت کم تھا۔ نفیسہ بیگم اور سعید احمد بھی ان سب کے جانے کے بعد اسی متعلق باتیں کر رہے تھے۔ وقار آفس کیلئے نکل چکا تھا، پریشے کچن سمیٹنے چل دی تھی۔

☆

''مما! میں ٹوٹ گیا ہوں، اب نہیں سمیٹ سکتا خود کو''۔ ایک ایک لفظ کی گہرائی میں کرب بے شمار تھا۔ لرزتے ہونٹ کپکپا کر رہ گئے تھے۔

''سنبھلنا بہت مشکل ہے، میں بکھر گیا ہوں، اندر باہر سب ایک سا ہے۔ میں کتنا خوبصورت سمجھتا تھا زندگی کو مگر زندگی بہت گندی لگنے لگی ہے، ہر سانس محض تڑپاتی ہے...... میرا دل پھٹ جائے گا''۔ آج وہ ضبط کھو بیٹھا تھا۔ کسی معصوم بچے کی طرح ماں باپ کے سامنے دل کا غم بیان کرتا بلک اٹھا۔

''علی......!'' ساجدہ گیلانی منہ کھولے دم سادھے رہ گئیں، بیٹے کے لہجے و بات نے گویا ان پر سکتہ طاری کر دیا تھا، اس کا ساکت ہاتھ اپنے لرزتے ہاتھ میں لیا۔

''کیوں مما! میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔ بے یقین، غمزدہ، متوارم سا۔ تقدیر کے لکھے پر یقین کر کے بھی اپنے نصیب کا رونا، تکلیف دہ اصلیت کو قبول کرنا بہت کٹھن تھا۔ وہ کیا جواب دیتیں، خاموش رہیں۔ ساجدہ گیلانی کی حالت دیکھنے لائق تھی۔

''کم آن علی بی بریو...... یوں ہمت نہ ہارو، آرام سے مجھے سب بتاؤ، اس سب کی وجہ کیا ہے''۔ حسن گیلانی نے ضبط سے کام لیتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''مستبشرہ!'' بڑی دقتوں سے اس نے نام لبوں پر لاتے ہوئے انکشاف کیا، اپنی حالت زار کی وجہ بتائی۔

''وہاٹ؟'' جو یقیناً ان دونوں کیلئے ناقابل یقین تھی۔

''مگر بیٹا! تم تو......'' ساجدہ گیلانی نے بات ادھوری چھوڑی کہ نام لینے کے بعد بیٹے کی بھیگی آنکھیں الجھن پیدا کر گئیں۔

''مستبشرہ کیسے علی! تم تو اس سے محبت کرتے ہو؟'' حسن گیلانی بھی متعجب سے تھے۔

''ہاں پر وہ مجھ سے محبت نہیں کرتی تھی''۔ ٹوٹی آواز میں اس نے ماں باپ پر ایک اور ناقابل یقین انکشاف کیا۔

''تم نے تو کہا تھا کہ تم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو پھر وہ رشتے کی بات یقیناً تم نے اُس کی رضامندی کے بغیر نہیں کی تھی''۔ ساجدہ گیلانی شاکڈ تھیں، متعجب سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''نہیں مما! وہ مجھ سے محبت نہیں کرتی تھی، بہت خودغرض تھی وہ، اس نے میرے جذبات کے ساتھ مذاق کیا، میری محبت کی توہین کی، وہ کہتی ہے اسے محبت پر یقین نہیں ہے۔ اس نے محض ٹائم پاس کیلئے مجھے اپنی جھوٹی محبت کا یقین دلایا، مجھے فریب دیا، میری آنکھوں سے سارے خواب نوچ لیے، میری زندگی کو بے مقصد بنا کر اس نے اپنی راہیں جدا کر لیں۔ پل پل جینا مشکل ہے، میرے لیے اب سانس لینا موت کے درد سے کم نہیں ہے''۔ یہ وہ علی آیان حسن گیلانی تو بالکل نہ تھا جو کبھی زندگی کی حسین رنگینیوں سے دل آباد رکھتا، ہنستا مسکراتا، خوش رہتا۔ جس نے کبھی دکھ درد دیکھا نہ تکلیف و اذیت کی بات کی تھی مگر اس لمحے وہ کرب و الم کی تڑپتی تصویر بنا اُن دونوں کو بھی لمحے میں غم سے نڈھال کر گیا۔ کچھ بھی بولنے کی صلاحیت کھو کر اسے دلاسہ، تسلی یا ہمدردی کے دو بول بولنے سے قاصر تھے۔

''میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟ میں نے اللہ سے شکوے کیے، محبت سے گلہ کیا، مستبشرہ سے نفرت شدید نفرت کرنی چاہی، خود کو سنبھالنا چاہا مگر میں کیا کروں مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا، نہ دل کو قرار ملا نہ اسے بھول سکا۔ اس سے جتنی نفرت کرنا چاہتا ہوں وہ اور شدت سے یاد آتی ہے۔ دل محبت کا تقاضا نبھا رہا ہے، اس سنگدل بے وفا سے وفا کرنا چاہتا ہے''۔ لمحہ لمحہ علی بے بسی کی دلدل میں اترے جا رہا تھا۔

ساجدہ گیلانی نے متورم آنکھوں سے شوہر کو دیکھا جو اکلوتے بیٹے کی بے بسی پر بے بس اس کے غم میں شریک تھے۔

''میں سنبھل نہیں پا رہا، حقیقت کو قبول کر کے یقین نہیں آ رہا۔ مجھ میں کیا کمی یا میری محبت میں کھوٹ تھی جو وہ میرے جذبات کی تضحیک کرتی۔ کیا میری آنکھوں میں اس نے صرف اپنا عکس نہیں دیکھا؟ میں نے اسے زندگی کہا اور اس نے مجھے زندہ رہنے کے قابل بھی نہ چھوڑا، کیسے جیوں گا میں اس کے بغیر...... اس کی یاد دل کو بیقرار کرتی ہے، میرا دماغ اس کی بے وفائی اور فریب کو سوچ کر پھٹنے لگتا ہے، میں پاگل ہو جاؤں گا مما......! اس کا خیال مجھے پاگل کر دے گا''۔ وہ ہذیانی انداز میں بول رہا تھا۔

ہر لفظ بے چین تھا، ہر تاثر میں اضطراب جھلک رہا تھا۔ اس کے جذبات گویا چیخ چیخ کر فنا ہوئے جا رہے تھے۔ مستبشرہ سے آخری ملاقات کا اثر لیے ابھی تک تباہ حال، سے اپنی بے قراری پر کراہ رہے تھے۔ اس لمحے اگر مستبشرہ جمال وہاں ہوتی تو یقیناً ایک لمحے کے لیے سوچتی ضرور۔

کیا اس کا فیصلہ درست تھا؟ محبت کو محبت کے ناٹک سے ختم کرنے کی سوچ دانشمندانہ تھی؟ کیا واقعی میں اس کے فیصلے و سوچ نے علی آیان حسن گیلانی کو محبت کی راہوں سے واپس لے لیا تھا؟ کیا وہ یہ دیکھ کر اب بھی اپنے فیصلے پر مطمئن، اپنی سوچ کے درست ہونے کا اظہار کر سکتی کہ اس کے عمل و فعل نے علی کو واپسی کے بجائے محبت کی نہج سے اس بری طرح پٹخا تھا کہ وہ سنبھل نہ سکا۔ علی جیسا محبت میں اس کے پیار میں جذباتی، سچا، بے لوث شخص کس اذیت سے گزر رہا ہے۔ اس کا اندازہ کرنے کے بعد وہ اپنے فیصلے کی صداقت کا نغمہ گاتی؟ نہیں ہرگز نہیں......؟ اس نے جس مقصد کے تحت بھی فیصلہ کیا تھا اگر اس سے ہٹ کر اس وقت وہ علی کو دیکھ لیتی تو یقیناً اپنے کیے پر پچھتاتی۔

جھوٹی محبت پیار کا ناٹک خاک سچی محبت کو نفرت میں بدل سکتا ہے، مگر آہ افسوس...... اپنی اپنی سوچ، اپنا اپنا فیصلہ، اپنے جذبات اور ہر ایک کا اپنا نظریہ، جسے اپنے اپنے انداز میں رنگ دے کر بھی بعض اوقات سب کچھ سوچ کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ مستبشرہ جمال کا یہ کھیل بازی الٹ گیا تھا۔

علی حقیقت و فسانے کی الجھن میں نہیں پڑا۔ اس کا دل برباد ہوا تھا۔ اصل رونا تو اس کا تھا، اتنی گہری چوٹ کھانے کے باوجود بھی اس کے قدم پیچھے نہیں مڑے تھے، بلکہ اپنی جگہ پر مضبوطی سے منجمد تھے۔ صدمے سے نڈھال بھی لاکھ کوشش، گلے شکوے اس کے دل میں ابھی تک مستبشرہ جمال کے خلاف نفرت کا بیج نہ بو سکے۔

''مما! وہ بہت اچھی تھی پھر اس نے ایسا کیوں کیا، میں نے کتنا اسے روکا پر وہ نہیں رُکی، اپنی محبت کی بھیک مانگی مگر

وہ چلی گئی مجھے خالی ہاتھ چھوڑ کر میں اندر سے مر گیا ہوں مگر وہ میری نس نس میں ابھی تک زندہ ہے مجھے مار کر وہ خود زندہ ہے۔'' علی آیان کی آواز تک بھیگی ہوئی تھی۔

اور وہ دونوں اس لمحے ایسی کیفیت کا شکار تھے کہ چاہ کر بھی اسے حوصلہ نہیں دے پا رہے تھے۔ تسلی کے دو بول ان کے کپکپاتے ہونٹوں سے ادا نہیں ہوئے تھے۔ یہ زندگی میں ان کی سب سے بڑی کڑی گھڑی تھی' بیٹے کی شکستہ حالت ان کے صبر کا کڑا امتحان لینے سامنے تھی۔

ساجدہ گیلانی نے آگے بڑھ کر اسے ساتھ لگایا تو وہ کسی معصوم بچے کی طرح اپنے درد پر ضبط ہارے رونے لگا۔ ان دونوں کو اپنے تمام سوالات اور بیٹے کے ظاہری روپ میں بدلاؤ گریز سے متعلق تمام جوابات مل چکے تھے۔ حسن گیلانی نے اٹھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا جبکہ ساجدہ گیلانی بیٹے کے ساتھ برابر رو رہی تھیں۔

☆

رات کے تقریباً ڈھائی بج رہے تھے جب وہ بیڈ سے اتر کر صوفے پر آ کر بیٹھی تھی۔ کمرہ لائٹ آن ہونے کی وجہ سے روشن تھا مگر اس کا دماغ اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ کروٹ پر کروٹ بدلنے سے اعصاب شل ہونے کو تھے۔ انجانی وحشت کمرے کی خاموش فضا میں مسلسل گھٹن بڑھا رہی تھی۔

آج مسلسل تیسری رات تھی جب شدید نیند و تھکن کے باوجود بھی وہ اتنی دیر تک جاگ رہی تھی۔ جاگ کیا رہی تھی......؟ اسے نیند ہی نہیں آ رہی تھی اور یہی بات اسے محو حیرت کیے تھی جو وہ رات کے ڈھائی بجے صوفے پر بیٹھی سوچنے پر مجبور تھی اور نیند نہ آنے کی وجہ اخذ کرنے کی سعی میں جہاں بری طرح ناکام ہو رہی تھی وہیں دل میں جڑیں پھیلاتی وحشت و الجھن اسے متعجب کیے جا رہی تھی۔ ایک دن کی ہی یہ بات ہوتی تو وہ یقیناً اسے فراموش کر چکی ہوتی مگر آج مسلسل تیسری رات اور مسلسل ایک سی کیفیت وہ نظر انداز نہ کر پائی۔ دن کے وقت وہ بالکل ٹھیک اور نارمل سی رہتی مگر جیسے سونے کیلئے لیٹتی تو نیند گویا کھلی آنکھوں میں محدود سی ہو کر رہ جاتی۔ مگر وہ انجان تھی۔ سوچنے کی کوشش میں وجہ معلوم کرنے میں ناکام رہی تھی۔

ایک ایک لمحہ اس کے اعصاب و خیالات پر بھاری گزر رہا تھا لیکن جب دیوار گیر گھڑی نے تین کا ہندسہ عبور کیا تو مبشرہ جمال مجبوراً پھر سے جا کر لائٹ آف کرتی بیڈ پر لیٹی تھی۔

دیر سے سونے کے باوجود بھی اس نے دونوں دن اسکول سے چھٹی نہیں کی تھی کہ آج کل اسکول میں کام بھی بہت زیادہ تھا اور بچوں کا کورس بھی کمپلیٹ کروانا باقی تھا' سو کل کی چھٹی کا بھی اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

''اللہ جی......رحم۔'' منہ تکیے میں دینے سے پہلے وہ اتنا ہی بولی پھر اس کے بعد اگلے کچھ ہی لمحوں میں ہوش و حواس سے غافل ہو چکی تھی۔

☆

''یار! قسم سے تم ساری کی ساری بہت بے وفا دوستیں ہو۔'' سلام دعا' حال احوال پوچھنے و بتانے کے بعد ذرعدن اپنے مخصوص لہجے میں قدرے طنزیہ بولی۔

''کیوں کیا ہوا؟'' ماہی نے حیرت کا مظاہرہ کیا۔

''کچھ بہت خاص نہیں بٹ یار! بندہ چار سالہ دوستی کی خاطر ہی سہی شرم کر لیتا ہے۔ یونیورسٹی آف ہوئے مہینے سے اوپر ہو گیا ہے مگر تم تینوں میں سے کسی ایک نے زحمت نہ کی کہ کال کر لے۔ آنکھیں پھیر کے یوں بھولیں جیسے چار سال بھی مجبوراً اکتاہٹ میں گزارے ہوں......ویری سیڈ!'' وہ خوب حساب لینے کے موڈ میں تھی۔

''ایسی بات نہیں ہے' اور اگر ہم نے کال نہیں کی تو تم نے بھی تو نہیں کی' جانے آج کیسے خیال آ گیا تم کو؟'' ماہی نے فوراً سے اسے گرفت میں لینا چاہا۔

''جیسے بھی آیا مگر آیا تو ہے ناں......تم لوگوں کو تو تب تک نہ آنے والا تھا جب تک میں خود رابطہ نہ کرتی۔ قسم سے یقین نہیں آ رہا کہ اتنی جلدی بھول جاؤ گی تم سب ایک دوسرے کو۔'' وہ حیرانگی ظاہر کرنے لگی۔

''پر میں وثوق سے کہہ سکتی ہوں ہم چاروں میں سے کوئی کسی کو نہیں بھولا' بس وقت اور مصروفیات بہانہ بنائے جاتی ہے۔'' ماہی جواباً بولی۔

''بالکل اور ایک بات تو تمہیں بتائی ہی نہیں۔'' عدن نے دوستانہ گلے شکوے سائیڈ پر رکھتے ہوئے یاد آنے پر کہا' ساتھ ہی موبائل دوسرے کان سے لگایا۔

''کون سی بات؟''

''معطر کی شادی ہو گئی ہے۔'' عدن نے خوشگوار آواز میں حیران کن انکشاف کیا۔

''واٹ......معطر کی شادی......کب ہوئی؟'' ماہی متعجب ہوئی' چونک کر پوچھا۔

''ہاں جی معطر کی شادی۔'' عدن نے گویا اسے یقین دلایا۔

''اس نے ہمیں انوائٹ نہیں کیا؟''

''اس لیے نہیں کیا کہ اسے انوائٹ کرنے کا وقت ہی نہیں ملا بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ اسے خود کے سوچنے کا بھی وقت نہیں ملا۔'' عدن بتا رہی تھی۔

''مطلب؟'' ماہی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔

''مطلب یہ کہ یونیورسٹی آف ہونے کے بعد جب وہ گھر پہنچی تو اسے مطلع کیا گیا کہ کل اس کی رخصتی ہے کیونکہ شایان کی دادی کو سیریس ہارٹ اٹیک ہوا تھا اور انہوں نے ہوش میں آتے ہی اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اپنی زندگی میں بلکہ آناً فاناً اپنے پوتے کا گھر بستا دیکھنا چاہتی ہیں' ان کی خواہش کا احترام کیا گیا اور دونوں طرف دو دن میں جتنی تیاری ہو سکتی تھی کی گئی اور جب معطر ہوش میں آتے ہی سنبھلی تب تک شایان کا نام اس کے نام کے ساتھ جڑ چکا تھا۔ اس دن میں نے اس سے فون پر بات کی تھی' ہمیں نہ بتانے و بلانے پر وہ شرمندہ بھی تھی مگر آج کل وہ اپنے مسٹر کے ساتھ ہنی مون منانے گئی ہوئی ہے۔'' ذرعدن نے خاصی تفصیل سے اسے بتایا۔

''واؤ سو انٹرسٹنگ۔'' مہ روش ذہن میں معطر کی شادی کی تمام ڈرامائی صورتحال لا کر لطف اندوز ہوئی تو خوشگواریت سے بولی۔

''معطر خوش تو تھی ناں؟'' پھر عدن سے پوچھنے لگی۔

''ہاں بہت زیادہ۔'' اس نے بتایا۔

''اور دادی کیسی ہیں اب اُن کی؟''

''اور شایان کی دادی معطر کو پوتے کی دلہن بنانے کے بعد ماشاءاللہ اب بالکل ٹھیک ہیں۔''

''اچھا میں بھی تمہیں ایک بات بتاؤں؟'' ماہی' معطر کے لیے دل سے خوش و دعا گو تھی۔ اچانک کی شادی پر انوائٹ نہ کرنے پر ذرا بھی خفگی دل میں لائے بغیر استفہامیہ بولی۔

''ہاں بتاؤ۔''

''میری بھی انگیجمنٹ ہو گئی ہے۔'' آہستگی سے اس کے گوش گزار کیا۔

"واٹ......" سنتے ہی دُرِعدن چونکے بنا نہ رہ سکی۔

"کب ہوئی؟"

"لاہور واپس آنے کے ایک ہفتے بعد" مختصراً بتایا۔

"کس سے؟" اس نے برجستہ پوچھا۔

"مراد منصور سے"۔ نام بتاتے ہوئے وہ مسکرائی۔

"یہ جناب آپ کے کون ہوتے ہیں؟"

"کلثوم پھپھو کے بیٹے ہیں" مختصراً بتایا۔

"اوکے بٹ لو یا ارینج ہوئی ہے اور اتنی جلدی کیسے ہوگئی' تم نے کبھی اس متعلق ذکر بھی نہیں کیا تھا"۔ دُرِعدن اپنی عادت سے مجبور ایک ایک بات پوچھ رہی تھی۔

"ذکر اس لیے نہیں کیا کہ ذہن میں یہ بات تھی ہی نہیں اور مکمل ارینج ہونے کے علاوہ لو بھی کہہ سکتے ہیں"۔ وہ موڈ میں سرشاری سے بولی' مراد کے ذکر کے بعد ہونٹوں پر مسلسل مسکراہٹ نے احاطہ کرلیا تھا۔

"لو کیسے؟" جبکہ وہ حیران ہوئی' ساتھ بات جاری رکھی۔

"تم نے کبھی بتایا نہیں کہ تم کسی سے محبت کرتی ہو؟"

"پہلے نہیں کرتی تھی بٹ پیپرز سے پہلے مراد دو دفعہ یونیورسٹی آئے تھے' تب نہ مجھے محسوس ہوا نہ انہوں نے احساس دلایا' سو تم میں سے کسی کو نہ بتایا مگر لاہور آنے کے بعد میں نے ان کیلئے اپنے دل میں محبت محسوس کی اور جب انہوں نے بھی اقرار کیا تو میں نے ان کا ہاتھ تھام لیا' بس پھر ہوگئی انگیجمنٹ"۔ مہ روش نے تفصیل سے تمام ماجرا اس کے گوش گزار کیا۔

"واؤ گریٹ!" عدن' معطر کی اچانک شادی کی خبر کے بعد ماہی کی انگیجمنٹ پر خوش ہوئی تھی۔

"اور مصروفیت اتنی تھی کہ تم میں سے کسی کو کال نہ کرسکی"۔ مہ روش نے جبھی وجہ بتائی۔

"کوئی بات نہیں"۔

"تھینکس اور آج کل تم یقین کرو ایک لمحے کی فراغت نہیں' روزانہ بازار کا چکر لگتا ہے' شاپنگ ختم ہونے کو نہیں آ رہی' شادی میں ڈیڑھ ماہ باقی ہے"۔

"واٹ ڈیڑھ ماہ بعد تمہاری شادی ہے"۔ عدن نے سنتے ہی حیرت کا مظاہرہ کیا۔

"ہاں پھپھو کی خواہش پر شادی جلدی ہو رہی ہے"۔

"او نو!" عدن نے مدھم آواز میں ری ایکٹ کیا۔ مہ روش نے اس کی آواز میں مایوسی کی جھلک محسوس کی۔

"کیوں کیا ہوا؟" جبھی استفسار کیا۔

"مطلب اب تم میری شادی پر نہیں آسکتیں' کتنی خوش تھی میں کہ تم سب آؤ گی"۔ عدن روہانسی سی بولی۔

"تمہاری بھی شادی ہو رہی ہے"۔

"ہاں جی اور اگلے ماہ کے اینڈ میں ہو رہی ہے"۔ اس کا موڈ آف ہو چکا تھا۔

"افوہ...... بٹ یار عدن! اب کیا ہوسکتا ہے"۔ ماہی کچھ خاص کہنے سے قاصر تھی سو اتنا ہی بولی تھی' البتہ اسے بھی افسوس ہوا تھا کہ وہ نہیں جاسکے گی۔

"کچھ بھی نہیں' بس خوشی ادھوری رہے گی۔ معطر صاحبہ شایان میں بزی ہوں گی...... تم اپنے پیا کے دیس سدھار رہی ہو

گی اور مستبشرہ جمال...... اس کی تو ہر بات ہی نرالی ہوتی ہے' ایک تو اس نے نمبر چینج کرلیا تھا اور دوسرا ابھی تک تینوں میں سے کسی کو بھی فون نہیں کیا' جانے کن جھمیلوں میں پڑی ہے جو اتنی زحمت بھی نہ ہوئی کہ اپنا نیا نمبر ہی دے دیتی۔ یار! یوں تو کوئی نہیں کرتا"۔ دُرِعدن نے خاصی ناراضگی کا اظہار کیا۔ مستبشرہ پر اُسے ان دونوں سے زیادہ اب غصہ آ رہا تھا۔

"ہاں کم از کم اسے نمبر تو دینا چاہیے تھا"۔ ماہی اس کی بات سے متفق تھی۔

"اس سے رابطہ ہو تو میں پوچھ لوں گی اس سے اور اگر اُس نے تمہیں کال کی تو مجھے ضرور اس کا کانٹیکٹ نمبر دینا"۔

"ہاں ضرور"۔ ماہی نے مثبت جواب کے ساتھ بات جاری رکھی۔

"پھر تم شادی کے بعد اسلام آباد ہی رہو گی؟"

"نہیں کراچی ہی جائیں گے' عامر کی ساری فیملی وہیں ہے اور پھر......" عدن تمام گلے شکووں کے بعد اب اپنی باتوں کی طرف آ گئی تھی۔ مہ روش کو کافی دنوں بعد اس سے بات کرکے خوشگواریت کا احساس ہوا تھا۔

☆

"فلک!" مشارب نے اس کے پیچھے آکر کوئی چوتھی مرتبہ اسے پکارا تھا۔

"کیا ہے؟" وہ چائے کا آخری سپ لیتی اٹھ کھڑی ہوئی ساتھ ہی اسے دیکھا۔

"یار! اور کتنا ٹائم لوگی' ابھی تک تمہاری تیاری مکمل نہیں ہوئی' تمہیں بتایا بھی تھا کہ آج میری ضروری میٹنگ ہے"۔ وہ جلدی میں تھا تیزی سے بولا۔

"ہاں بس ناشتہ کرلیا ہے' کمرے میں سے پرس وغیرہ لینا ہے اور جانے سے پہلے دو منٹ کیلئے مستبشرہ سے بات کرنی ہے فون پر"۔ جبکہ فلک نے خاصے تحمل سے جواب دیا یہ جاننے کے باوجود کہ مشارب کو واقعی آج جلدی جانا ہے۔ وہ تو اسے کالج لے جانے کیلئے بھی مشکل سے راضی ہوا تھا۔

"اس وقت بات ضروری ہے؟" مشارب نے تنگ آکر اسے گھورا۔

"ہاں ضروری ہے اور پلیز صرف دو منٹ' جب تک تم گاڑی اسٹارٹ کرو میں مستبشرہ سے بات کرکے آتی ہوں"۔ وہ فوراً کہتے ہی فون کی طرف لپکی' مشارب بھی باہر نکل گیا تھا۔

فلک نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیا' دوسری ہی بیل پر وہاں سے کال ریسیو کرلی گئی تھی۔ فلک نے چھوٹتے ہی بڑے ادب سے سلام پیش کیا۔

"وعلیکم السلام! آج صبح صبح کیسے یاد کرلیا؟" وہ محو حیرت ہوئی البتہ خوشگواری کا مظاہرہ کیا۔

"ابھی پیپر کے لیے نکلنے والی تھی سوچا جانے سے قبل تم سے بیسٹ وشز لے لوں"۔

"سو سویٹ...... اینڈ وش یو ویری بیسٹ آف لک"۔ مستبشرہ کو اس کی یہی ادائیں اور خود سے محبت اچھی لگتی تھی' فوراً اسے وش کیا۔

"تھینک یو سو مچ!"

"اچھا تیاری کیسی ہے؟"

"پچھلی بار سے تھوڑی اچھی ہے"۔ وہ بتانے لگی' مستبشرہ مسکرائی۔

"چلو اچھا ہے' اطمینان سے پیپر دینا' اس مرتبہ رزلٹ اچھا آنا چاہیے' ٹریٹ میری طرف سے ہوگئی ڈن"۔

مستبشرہ نے کہتے ہوئے بات فائنل کرلی۔

''ڈن ...... اچھا مستبشرہ! میں واپس آ کر تمہیں کال کروں گی' مشارب ہارن مارے جارہا ہے' پہلے ہی دیر ہوگئی ہے''۔ فلک نے ڈن کرتے ہوئے فوراً سے کہا کہ ہارن کی مسلسل آواز اسے مشارب کی جلد بازی یاد دلا رہی تھی۔

''او کے ...... میں بھی بس اسکول کیلئے نکلنے والی ہوں' واپس آ کر بتانا پیپر کے متعلق' تب تک اللہ حافظ''۔ مستبشرہ نے الوداعی کلمات ادا کیے۔

''اللہ حافظ''۔ فلک اجازت لیتی ریسیور رکھ کر سرعت سے پلٹی کہ مبادا مشارب بازو چڑھائے اندر نہ آ جائے مگر اسے اپنے قدم روکنے پڑے' سامنے فہمیدہ بیگم تھیں۔

''اللہ تعالیٰ تمہیں ہر امتحان میں کامیاب کرے''۔ وہ دعائیہ کہتیں پڑھ پڑھ کر اس پر پھونک رہی تھیں۔

''تھینکس امی! بٹ باقی بعد میں' ابھی دیر ہو رہی ہے' مشارب گاڑی میں میرا انتظار کر رہا ہے''۔ ماں کی محبت پر مشکور و مسرور وہ بولی۔

''اچھا اچھا جاؤ' میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں''۔ انہوں نے فلک کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے اجازت دی تو وہ بھاگنے کے سے انداز میں کمرے میں گئی' پرس اور فائل اٹھائی اور انہی قدموں پر واپس پلٹی' باہر نکل کر لمبے لمبے قدم لیے اور فرنٹ ڈور کھول کر گاڑی میں بیٹھنے لگی۔

''تم اگر ایک منٹ بھی مزید لگاتیں تو میں تمہیں چھوڑ کر جانے والا تھا''۔ اس کے بیٹھتے ہی مشارب بولا تھا۔

''کیوں؟'' فلک جان بوجھ کر انجان بنی۔ نہایت معصومیت سے پوچھا' آنکھوں میں شرارت تھی محض اسے چڑانے کے لیے' ویسے بھی مشارب کی بات کا اثر وہ کم ہی لیتی تھی۔

''بی سیریس فلک! ہر وقت مذاق کا نہیں ہوتا''۔ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے وہ خاصی سنجیدگی سے بولا ساتھ ہی اسے گھورا۔

''اچھا جی''۔ مشارب کے انداز پر فلک نے بمشکل ہنسی روکی۔

''پلیز فلک!'' وہ آج قطعاً بھی مذاق کے موڈ میں نہیں تھا۔

''یہ تمہیں آج اتنا غصہ کس بات پر آ رہا ہے''۔ وہ بھی آخر الجھی۔

''تمہاری غیر ذمے داری و لاپرواہی پر' رات کو میں نے تمہیں کہا تھا کہ آٹھ بجے سے پہلے نکلیں گے تم تیار رہنا مگر نہیں' نہ تم وقت پر تیار ہوئی نہ میرے کام کی پرواہ کی''۔ اب کے نرم لہجے میں مشارب نے قدرے اسے سخت بات سنائی تو وہ فوراً سے منہ بنا گئی۔

''پلیز آج کے دن تو کوئی لیکچر نہ دو' ایک تو پیپر کی ٹینشن دوسرا یہ......'' اکتاہٹ آمیز لہجے میں بولی۔

''یہ سب تمہاری بہتری کیلئے ہے''۔ اس نے اپنی بات پر زور دیا۔ گاڑی مین روڈ پر فل اسپیڈ سے دوڑے جا رہی تھی۔

''او کے مان لیا''۔ فلک نے فوراً ہتھیار ڈالے' انداز ایسا تھا کہ مشارب کی سنجیدگی رفع ہوئی البتہ وہ بولا نہ تھا۔

''مشارب شاہ!'' کوئی سیکنڈ بھر کیلئے گاڑی کی فضا میں خاموشی رہی ہوگی جب دوبارہ فلک نے اسے پکارا تھا۔

''کہو میرے سکون کی دشمن!'' وہ نارمل ہو چکا تھا۔ اس کے مخصوص انداز میں پکارنے پر اپنے مخصوص الفاظ دہراتا سامنے دیکھنے لگا۔

''کیا واقعی تمہیں میری فکر ہے؟'' فلک نے سنجیدگی سے پوچھا۔ مشارب نے سرسری اسے گردن گھما کر دیکھا پھر نظریں سامنے مرکوز کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''کیا مطلب؟''

''تم صرف ہماری دوستی کی وجہ سے مجھے بہترین دیکھنا چاہتے ہو یا میری لائف واقعی میں پرفیکٹ چاہتے ہو؟'' دل کی بات اس کی زبان پر تھی۔

''میں تمہاری لائف پرفیکٹ دیکھنا چاہتا ہوں' تمہیں سب سے بیسٹ دیکھنا چاہتا ہوں''۔ وہ صاف دل سے بولا۔

''کیوں؟'' اس نے دلچسپی سے استفسار کیا۔

''کیوں مطلب کیا؟ تم میری دوست ہو' مجھے اچھی لگتی ہو''۔ حیرانگی سے سیدھا سپاٹ سا جواب دیا۔

''اگر تمہارے کہنے پر میں پرفیکٹ بن جاؤں تو تم خوش ہو گے''۔ فلک پُرشوق انداز میں پوچھنے لگی لہجہ مگر سرسری و نارمل تھا تا کہ اسے ابھی شک نہ ہو۔

''بہت زیادہ''۔ مختصراً مگر بھرپور جواب دیتا وہ گاڑی ایک سائیڈ پر روکنے لگا۔

''پھر خوش ہو جاؤ میں بہت جلد تمہیں بہت زیادہ خوش کرنے کی بھرپور کوشش کروں گی''۔ وہ فائل و پرس اٹھاتی نیچے اترنے سے پہلے ایک ادا سے بولی' مشارب نے مسکراتی نگاہ سے اسے دیکھا۔

''تمہاری کوشش کی کامیابی کا میں منتظر رہوں گا''۔ ساتھ ہی اسے سراہا۔

''میں تمہارا انتظار رائیگاں نہیں جانے دوں گی''۔ کچھ بہت خاص محسوس کرتی وہ بولی۔ پندرہ بیس منٹ میں اس کا پیپر اسٹارٹ ہونے والا تھا' ذہن و دل مشارب سے باتوں کے بعد مطمئن تھا' پیپر کی کوئی ٹینشن باقی نہ تھی اب۔

''فلک!'' وہ جانے لگی تو مشارب نے اسے پکارا۔

''ہوں''۔ سوالیہ اسے دیکھا۔

''Good Luck''۔

''تھینکس!'' مسکراتی آواز میں کہتی انبساط کے جگنو سمیٹتی وہ کالج گیٹ عبور کر گئی۔

مشارب شاہ نے اس کے نظروں سے اوجھل ہوتے ہی گاڑی زن سے آگے بڑھا دی تھی۔

☆

دل کا غبار نکلنے کے بعد بھی وہ سنبھل نہیں سکا تھا' حزن و ملال کی کیفیت اب بھی اس پر طاری تھی' دماغ بوجھل تو دل مسلسل بے قرار تھا' جسم بھی پچھلے ایک ہفتے سے شدید بخار میں تپ رہا تھا' اس وقت بھی وہ دواؤں کے زیر اثر سو رہا تھا۔ ساجدہ گیلانی اس کے سرہانے فکرمند سی بیٹھی تھیں۔ ڈاکٹر نے علی کو اسٹریس سے دور رکھنے کی ہدایت کی تھی مگر وہ ہوش سنبھال ہی نہیں پا رہا تھا' دل پر ضرب کاری لگی تھی' صدمے سے نکلنا اس کے لیے قطعاً آسان نہیں تھا۔

''ساجدہ! تم بھی تھوڑا آرام کرلو جب تک علی سو رہا ہے' ایک ہفتے میں تمہاری حالت اس سے زیادہ خراب ہوگئی ہے''۔ حسن گیلانی نے آہستگی سے انہیں کہا تھا جو دھیرے دھیرے علی کے بالوں میں بڑے لاڈ سے انگلیاں پھیر رہی تھیں۔

''مجھ سے میرے بیٹے کی بے بسی دیکھی نہیں جا رہی حسن! دیکھیں تو کتنا کمزور ہو گیا ہے علی''۔ جبکہ انہیں اپنی بالکل پرواہ نہیں تھی۔

''اللہ سب بہتر کرے گا' بس تم دعا کرو''۔ جواباً وہ اتنا ہی کہہ سکے۔

''میرا تو ہر عضو دعا بن گیا ہے' میرا بیٹا کتنی تکلیف سے گزر رہا ہے پھر میں کیسے پرسکون رہوں؟ کب میں نے اِسے اس حالت میں دیکھا تھا جو اَب دیکھوں' کتنا بے حال ہو گیا ہے میرا بچہ''۔ ضبط کے باوجود کہتے ہوئے وہ رو دی تھیں۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا' ابھی اس کا زخم تازہ ہے' اثر زیادہ متاثر کر رہا ہے مگر تم تو نہ روؤ' تم نے علی کو سمجھانا ہے' اس کا درد مندمل کرنے میں حوصلے سے کام لینا ہے''۔ حسن گیلانی اپنی جگہ افسردہ مگر انہیں آہستگی سے سمجھا رہے تھے۔ اکلوتے بیٹے کی حالت برداشت کرنا دونوں کیلئے بہت صبر آزما مرحلہ تھا۔

''ہاں مگر یہ ٹھیک کیوں نہیں ہو رہا' ایک ہفتے سے کمرے میں بند' بخار میں نڈھال پڑا ہے''۔ اُن کی ممتا تڑپ رہی تھی۔

''کچھ وقت لگے گا پھر ٹھیک ہو جائے گا سب' ڈاکٹر بھی کہہ رہا تھا کہ ذہنی دباؤ سے نجات ملنے میں کچھ وقت درکار ہو گا پھر سنبھل جائے گا اور ساجدہ! ذرا ہمت سے کام لو' اس کے سامنے رونا مت''۔

''مجھے ڈر لگتا ہے حسن!'' وہ خوفزدہ سی تھیں۔

''اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے؟'' حسن گیلانی نے آواز علی کے آرام و نیند کی وجہ سے دھیمی ہی رکھی ہوئی تھی۔

''کہیں یہ خود کو روگ ہی نہ لگا لے''۔

''کچھ نہیں ہوتا' سب ٹھیک ہو جائے گا''۔ جواباً وہ اتنا ہی کہہ سکے۔

''کب ہو گا سب ٹھیک؟ ایک لڑکی کیلئے کیا حالت بنالی ہے اس نے' دنیا اُسی پر تو ختم نہیں تھی''۔ انہوں نے مستبشرہ جمال کی ذات کو بیچ میں گھسیٹا۔ آواز لب و لہجے میں اس کیلئے خود بخود تلخی و تنفر کا عنصر شامل ہو چکا تھا۔ حسن گیلانی اب کے خاموش رہے۔

''اگر میرے بیٹے کو کچھ ہوا تو میں اُس لڑکی کو نہیں چھوڑوں گی' ابھی بھی اگر مجھے اس کا ایڈریس مل جائے تو میں اسے اپنے بیٹے کے سامنے لا کھڑا کروں' میرے بس میں ہو تو میں اُسے اس کے کیے کی بدترین سزا دوں۔ بس دعا کریں کہ علی ٹھیک ہو جائے ورنہ میری بد دعا میں اس لڑکی کی زندگی میں تباہی نہ لا دیں''۔

حسن گیلانی جانتے تھے کہ وہ محض مجبوراً کسی کے لیے بھی ایسے کلمات ادا کر رہی ہیں ورنہ کبھی انہوں نے کسی کیلئے ایک لفظ بھی غلط نہیں کہا تھا۔ علی میں اُن کی زندگی تھی اور وہی زندگی اب انہیں بد دعائیں اور انتقامی کلمات زبان سے ادا کرنے پر مجبور کر گئی تھی۔

''علی انشاء اللہ ٹھیک ہو گا' ہمیں اب کسی سے کوئی لینا دینا نہیں ہے' اس کی زندگی سے ٹھہرا ہوا یہ لمحہ گزر جائے گا اور ہمیں اپنی محبت سے اُس کو زندگی کا احساس دلانا ہے''۔ حسن گیلانی پُر وثوق لہجے میں انہیں بھی یقین دلاتے عزم سے بولے۔ انہوں نے آنسو صاف کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

''چلو اٹھو تم بھی تھوڑا آرام کر لو' علی کے اٹھنے کے بعد آ جانا''۔ شوہر کے کہنے پر وہ خاموشی سے اٹھنے لگیں۔

☆

''پیپر کیسا ہوا؟'' شام کو مستبشرہ نے خود ہی فلک کو کال کی تھی۔

''بہت اچھا''۔ وہ بتا رہی تھی۔ آواز میں خوشی و اطمینان کے تاثرات تھے۔

''آسان تھا یا مشکل؟''

''مشکل مگر بہت آسان...... سارے سوالات آتے تھے اور میں نے کیے بھی سارے''۔ وہ مسکرا مسکرا کر بتائے جا رہی تھی۔

''تو اس کا مطلب ہے امید اچھے کی رکھنی چاہیے''۔

''ہاں جی بالکل اور ساتھ میں ٹریٹ کی تیاری بھی' اب تو ٹریٹ پکی سمجھو اپنی طرف سے'' اس مرتبہ فلک شاہ اپنی طرف سب کے منہ بند کرنے کا پکا بندوبست کر آئی ہے' بلکہ یقین کرو پیپر کے بعد ری چیکنگ کرتے ہوئے مجھے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب میں نے لکھا ہے' ایسے لگ رہا تھا جیسے کسی Toper کا پیپر ہو''۔ فلک کا انداز بتا رہا تھا کہ اسے ابھی تک خود پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

''واؤ گریٹ''۔ مستبشرہ نے اسے سراہا اور بات جاری رکھی۔

''ایسی تیاری کر کے اگر پہلے جاتیں تو زیادہ اچھا ہوتا''۔

''ہاں بٹ قسمت میں ای کی سختیاں اور ذمے داریاں بھی تو لکھی تھیں''۔ وہ ہنسی۔

''رزلٹ کے بعد گھر میں رہنے کا ارادہ ہے اب بھی یا آگے پڑھو گی''۔ مستبشرہ اس کے ساتھ مسکراتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''پہلے تو بالکل ارادہ نہیں تھا' نہ دل مان رہا تھا مگر اب سوچ رہی ہوں ارادہ بدل لوں''۔ وہ پُر سوچ انداز میں بولی۔

''کیوں؟''

''کیونکہ مشارب کو پڑھی لکھی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں''۔ مستبشرہ کے استفسار پر وہ بے اختیار کہہ گئی۔ البتہ اس بے اختیاری پر اس کا دل شاد تھا۔

''تو تم یہ سب مشارب کیلئے کر رہی ہو؟'' مستبشرہ اس کی آواز پر یکدم مسکرائی کہ گویا بات اس کی پکڑ میں آنے والی تھی۔ ویسے بھی مشارب اور فلک ایک ساتھ اسے پرفیکٹ لگتے تھے۔

فلک نے مستبشرہ کی بات پر لب بھینچے کہ دل کی چوری پکڑی نہ جائے۔ وہ ابھی کسی کو بھی اس متعلق بتانے کا ارادہ نہیں رکھتی تھی حتیٰ کہ مشارب تک کو وہ اپنے دل کی بات و بدلتے جذبات بتا نہیں پا رہی تھی۔

''بتاؤ ناں؟'' فلک کی خاموشی پر اسے اپنا قیاس درست ہوتا دکھائی دیا۔

''نہیں ہماری دوستی کیلئے''۔ وہ جھٹ بولی پھر اسے کچھ بھی پوچھنے کا موقع دیئے بنا اپنی بات جاری رکھی۔

''احسان کا فون آتا ہے؟''

''ہاں ہفتے میں ایک دو دفعہ آ جاتا ہے''۔

''اب آئے تو اسے میری طرف سے پیغام دینا کہ وہاں جا کر اپنی چھوٹی بہن کو بھول گئے ہو۔ یاد ہے جب اس کے جانے سے پہلے تم آئی تھیں تو اس نے میری کتنی شکایت لگائی تھی کہ میں صرف نام کی بہن ہوں تو میرا شکوہ بھی اسے دینا کہ وہ بھی صرف نام کا بھائی ہے' ایک کال تک نہیں کی آ جانے کے بعد''۔ فلک نے بھرپور گلہ کیا۔

''ہاں واقعی! یہ تو غلط بات ہے' اس کا فون آئے تو میں خبر لوں گی اس کی''۔ مستبشرہ نے اسے حق بجانب سمجھا' پھر کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد فون رکھ کر کمرے میں چلی آئی اور حیرت انگیز طور پر کمرے میں آتے ہی کمرے کی مخصوص خاموش فضا میں اس کا دم گھٹنا تھا۔ اول تو وہ رُکی پھر آگے بڑھ کر کھڑکی کے پٹ کھولنے لگی۔ لان کا منظر سامنے تھا۔

(جاری ہے)

☆

سعدیہ خان آفریدی

افسانہ

محبت کا جادو

آج دل چاہا یہ آئینہ توڑ دوں‘ آج پھر رشتے والی ایک رشتہ لے کر اماں کے پاس آئی تھی میں 23 سال کی عمر سے آج 33 سال کی ہونے کو آئی تھی یہ لوگ میری نمائش کرنے کے لئے آتے رہے تھے‘ 10 سال کا ایک



طویل عرصہ میں کسی کو بھی اپنے چاند جیسے بیٹے کے لئے بہو کسی کو چاند سے بھائی کے لئے بھابی...... میں کسی کو پسند نہیں آئی‘ ہر بار اماں کے کہنے پر میں تیار ہو جاتی۔

’’بیٹا! اچھے لوگ لگ رہے ہیں ارے رضیہ کی خالہ نے یہ رشتہ لگایا ہے جا بیٹا! تیار ہو جا‘ وہ اپنا جامنی والا سوٹ پہن لینا اس میں تو بڑی پیاری لگتی ہے‘‘۔

’’ارے میری پیاری ماں! آپ مجھے ماں کی آنکھ سے دیکھتی ہیں‘‘۔ فائزہ نے سوچا لیکن یہ رشتے والے تو مجھے گائے بکری کی طرح دیکھتے ہیں‘ لڑکی کے بال لمبے ہونے چاہئے لڑکی کا قد چھوٹا کیوں ہے......؟ ناک کیوں پھیلی ہے......؟ ناک نقش ایسے کیوں ہیں......؟ ارے لوگوں اللہ سے ڈرو اللہ پاک کی بنائی ہوئی مخلوق میں تم اتنے نقص نکال رہے ہو۔

آج کے دور کا اہم مسئلہ فائزہ بے چاری کے ساتھ بھی تھا اس کا رشتہ نہیں لگ رہا تھا وہ اس وجہ سے سخت چڑچڑی اور بدمزاج ہو گئی تھی اس کی امید‘ ارمان‘ خواب‘ جذبات سب ماند پڑ گئے تھے‘ جب وہ تیار ہوتی کتنی آس سے کتنی امید سے اپنی آنکھوں میں کاجل لگاتی‘ پیارے پیارے سپنے کاجل کے ساتھ اس کی آنکھوں میں در آتے‘ ایک پیارا سا گھر آنگن اس میں پیا کا انتظار...... ہر عورت کا ایک پیارا سا خواب جو گڑیا کھیلنے کی عمر سے وہ دیکھنا شروع کر دیتی ہے‘ 23 سال کی عمر میں فائزہ نے یہ خواب دیکھے جب وہ ایک معصوم سی سادہ مزاج اور پیارے اخلاق کی لڑکی ہوا کرتی تھی‘ لیکن 33 سال کی عمر میں جب وہ رشتوں والیوں کے سامنے نمائش کر کے تھک گئی تو اس کے اندر خواب ٹوٹنے کا عمل شروع ہو گیا وہ اچھے اخلاق سے بداخلاق‘ بدمزاج اور بدتمیز ہو گئی۔ کبھی کسی کے خواب ٹوٹے ہوں تو انسان کو اندازہ ہوتا ہے وہ درد کیسا ہوتا ہے‘ فائزہ جب کسی نئے شادی شدہ جوڑے کو دیکھتی تو اس کا دل چاہتا دونوں کو ہاتھ پکڑ کر الگ کر دے‘ اس نئے جوڑے کی ہنسی اسے زہر سے بھی زیادہ بری لگتی‘ خاندان کی کسی تقریب میں وہ نہیں جاتی وہاں

’’دیکھو اس لڑکی کی عمر کی میری بیٹی ہے اس کے چار بچے ہیں اور یہ بے چاری ابھی تک کنواری ہے‘‘۔ فائزہ کا کبھی کبھی دل چاہتا دنیا کو آگ لگا دے‘ یہاں اسے خوشی نہیں ملی تو کسی کو حق نہیں خوش رہنے کا۔

فائزہ کی تین چھوٹی بہن اور 5 چھوٹے بھائی تھے جن کا ایک زمانے میں فائزہ بہت خیال رکھتی تھی اور انہیں بہت پیار دیتی تھی لیکن اب ایسا نہیں تھا۔

’’میں نے بول دیا ہے اماں! جب تک باجی کی شادی نہیں ہوتی کسی کی نہیں ہوگی‘‘۔ فائزہ کے چھوٹے بھائی نے اماں سے بولا۔

’’اماں! باجی سے یہ برداشت نہیں ہوگا‘ اماں جب آپ نے چھوٹی صنوبر کا رشتہ لگایا تو باجی کی حالت نہیں دیکھی تھی کیسی ہو گئی تھیں وہ‘ ان کے ہاتھ پاؤں مڑ گئے تھے آنکھیں غصے میں لال ہو گئی تھیں‘ ہم سب ڈر گئے تھے نا اماں! آپ انہیں میرے ساتھ نفسیاتی ہاسپٹل لے کر گئیں‘ صنوبر کا رشتہ لگنے پر ہی ان کی یہ حالت ہوئی تھی نا اماں......؟‘‘

فائزہ کے لاڈلے بھائی ناظم نے اماں سے کہا جسے فائزہ نے اپنی کمائی سے پڑھایا صنوبر بھی فائزہ کی طرح عام شکل صورت کی تھی وہ اپنی بڑی بہن کی نمائش دیکھ چکی تھی اس نے بھی رشتے اور شادی کے لئے اماں کو صاف انکار کر دیا تھا۔

’’جب ہمارا سلیقہ‘ ہماری تعلیم‘ ہمارا قرینہ‘ کوئی نہیں دیکھتا تو باجی کی طرح میں اب نمائش نہیں لگاؤں گی جو ہمارے ڈرائنگ روم میں یہ رشتے لانے والے لگاتے ہیں‘‘۔ فائزہ اور صنوبر کی شادی نہیں ہوئی تو اب اس گھر میں اور کسی کی شادی نہیں ہوگی فائزہ اور صنوبر کے پانچ بھائیوں کی بھی نہیں یہ ان دونوں بہنوں نے اپنے منہ سے بولا تھا طے کیا تھا جس پر فائزہ کے سب سے چھوٹے بھائی عاطف نے سوچا یہ کہاں کا انصاف ہے۔

☆

فائزہ کے سب سے چھوٹے بھائی عاطف نے اپنے گھر کی ریت توڑ دی...

نکاح کے تین بول میں وہ جادو ہے' جو کسی اور بندھن میں نہیں' انسان کی ذات مکمل ہوجاتی ہے نکاح آدمی کو ہر طرح کے گناہ سے بچاتا ہے شادی فطری تقاضوں کو پورا کرتی ہے' لگتا ہے دل کے اندر کی ساری کھڑکیاں کھل گئی ہو ہمارے اطراف میں روشنی ہی روشنی بکھر گئی ہو۔

جب سے عاطف میری زندگی میں آیا ہے زندگی میں ہر طرف اجالا ہی اجالا ہوگیا ہے میری شادی بھی 30 سال کی عمر میں ہوئی میں بھی اس دور سے گزری جن سے لڑکیاں گزرتی ہیں جب ان کے رشتے آتے تھے' دل میرا بھی ٹوٹا' نمائش میری بھی لگی' لیکن میں ناامید نہیں ہوئی مجھ جیسی گناہ گار بندی نے اللہ پاک سے شکوہ بھی کیا' لیکن ہم انسان نہیں جانتے جو ہمارا رب جانتا ہے وہ اللہ پاک تو اپنے بندوں سے ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرتا ہے' پھر وہ اپنے بندوں کو کیسے دکھ دے سکتا ہے کیسے ناامید کرسکتا ہے جب ہی تو اللہ نے مجھے عاطف جیسا شوہر دیا' پیار کرنے والا محبت کرنے والا' مجھے زندگی کی ہر سہولت دینے والا میری زندگی کی ہر خواہش پورا کرنے والا اللہ اسے نظر بد سے بچائے' اور میرے شوہر کو زندگی کی ہر خوشی عطا کرے' آمین' اب میں سوچتی ہوں کہ اللہ پاک سے اور کیا دعا مانگوں' عاطف کو میرا ہمسفر بنا کر اللہ پاک نے میری ہر دعا پوری کردی۔

میں نے صرف جیون ساتھی ہمسفر پیار کرنے والا مانگا تھا صرف محبت پیار' میں نے اللہ سے گاڑی' بنگلہ اور نوکر چاکر نہیں مانگے تھے آج بھی ہم ایک چھوٹے سے کرائے کے دو کمرے کے گھر میں رہتے ہیں حالانکہ شادی سے پہلے میں 3 سو گز کے گھر میں رہتی تھی جو میرے والدین کا تھا ہر جدید سہولت سے آراستہ لیکن میرے نخرے نہیں تھے مجھے صرف اچھا خوش اخلاق اور پیار کرنے والا شوہر چاہئے تھا باقی سب چیزیں آنی جانی ہیں جو مجھے کبھی نہ کبھی مل ہی جانی ہے آج کل کی لڑکیوں کی شادی کی وجہ ناکامی' کچھ لڑکے والوں کو حسین چاند چہرہ لڑکی چاہئے کچھ لڑکی کے اپنے نخرے لڑکا نہیں بنگلہ گاڑی جائیداد کے ساتھ چاہئے۔ میری زندگی کا دکھ اور بھی بہت سے گھروں کا المیہ ہے بلکہ ہمارے معاشرے کا المیہ ہے ایک لڑکی جب بیاہ کر دوسرے گھر آتی ہے تو جہاں اس سے بہت سے رشتے بچھڑتے ہیں وہاں اس کو نئے رشتے ملتے بھی ہیں نند کا رشتہ' دیور کا رشتہ' ساس کا رشتہ' ماں کا پیار وہ ساس میں تلاش کرنا چاہتی ہے' نند کے رشتے میں وہ بہن کا پیار تلاش کرنا چاہتی ہے' دیور میں وہ بھائی جیسا پیار چاہتی ہے اور باپ کا پیار ظاہر وہ اپنے شوہر کے باپ میں تلاش کرتی ہے میں ثوبیہ اس معاملے میں بہت بدنصیب ہوں میرے سب ہوتے ہوئے بھی کوئی نہیں' میرے شوہر عاطف جو کہ فائزہ کے سب سے چھوٹے بھائی ہیں ان کی بہن فائزہ نے اعلان کردیا تھا اگر اس کی شادی نہیں ہوپائی تو اس گھر میں کسی کی نہیں ہوگی میرے سارے جیٹھ بہت شریف ہیں وہ اپنی بہن کا بہت احترام عزت کرتے ہیں' ان کو ماں کا درجہ دیتے ہیں ان کی بات سے انکار نہیں کرسکتے' میری ساس بہت بیمار ہیں وہ بے چاری اپنی دونوں بیٹیوں فائزہ اور صنوبر کے رحم کرم پر ہیں وہ اپنی بیٹیوں کی وجہ سے اپنے پانچ بیٹوں کو بوڑھا ہوتے دیکھ رہی ہیں ہر ماں کی طرح اپنے بیٹوں کا سہرا سجانے کا ارمان ان کے دل میں ہی رہے گا' لیکن یہ کہاں کا انصاف ہے بیٹی کی شادی اگر کسی مجبوری میں نہ ہوپائی تو کسی بیٹے کی نہ ہو یہ ایک گھر کی نہیں ہر گھر کی کہانی ہے۔

عاطف نے کہا تھا یہ کہاں کا انصاف ہے بیٹی کی شادی نہ ہو تو بیٹا ساری زندگی کنوارہ رہے' عاطف اپنے گھر میں حق بات پر لڑتے ہیں اور تھوڑے سے ضدی ہیں اور انہوں نے مجھ سے شادی کی' بہنوں کی بے جا ضد کے لئے وہ اپنی زندگی کیوں برباد کریں' جب بہنوں کو بھی ہر رشتے میں خامی نظر آتی کچھ رشتے انہیں پسند نہیں کرتے کچھ اچھے رشتے وہ خود سے ٹھکرا دیتیں اپنے نخروں کی وجہ سے۔

عاطف نے سنت نبوی پر عمل کرتے ہوئے شادی کی' سارے رشتے داروں نے شرکت کی' نہیں شریک ہوئے تو عاطف کے گھر والے کیا خون کے رشتے سے بڑھ کر کوئی ہے کوئی نہیں۔

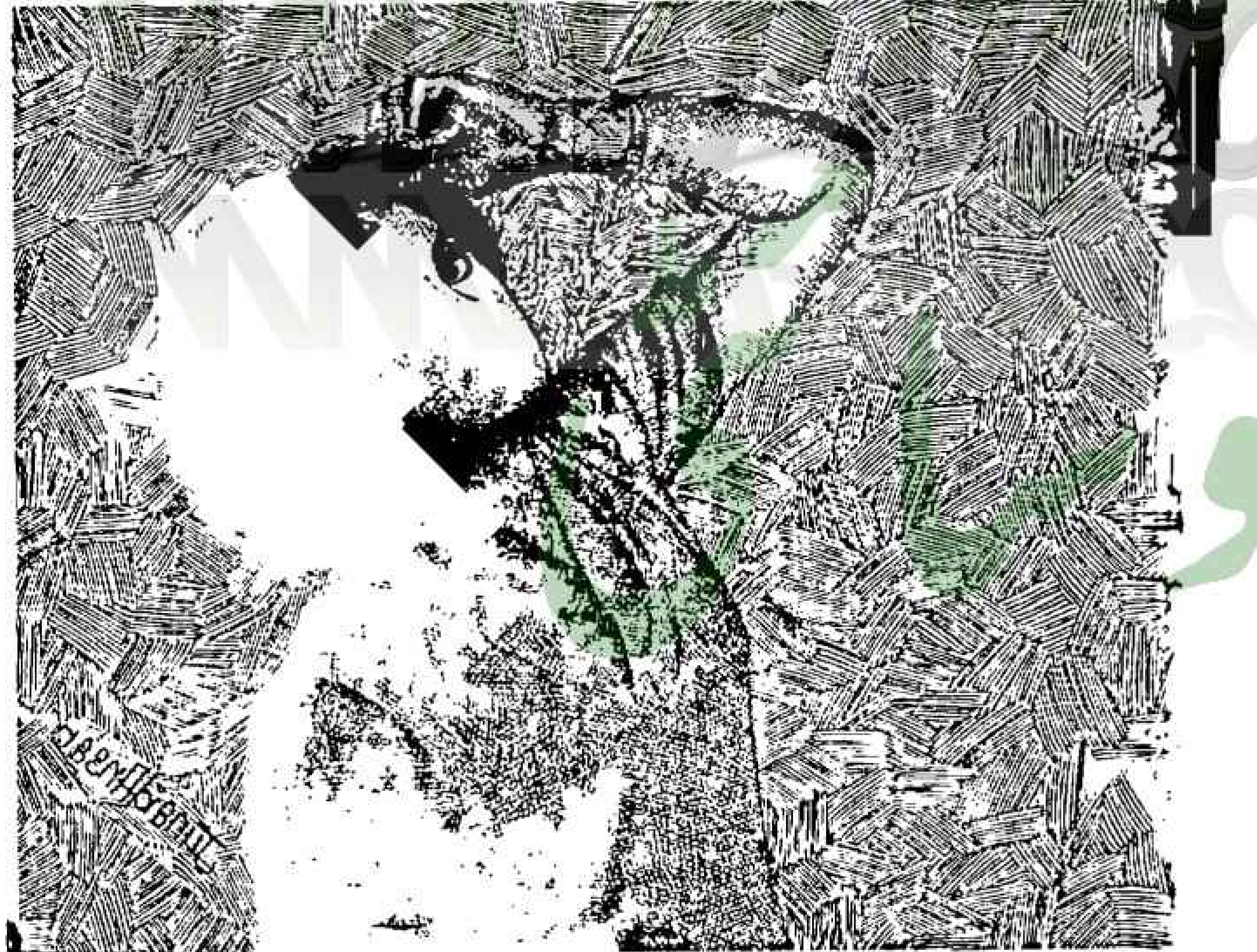
جب میرے 24 سالہ بھائی کی شادی تھی تو میں خوشی سے دیوانی ہورہی تھی میرا پیارا بھائی جواد دولہا بنا کتنا پیارا لگ رہا تھا' 50 بار تو میں نے اپنی آنکھوں ہی آنکھوں میں اس کی نظر اتاری سب مجھ سے کہہ رہے تھے۔

''ثوبیہ! کتنا ناچوں گی''۔ نیلی نیلی آنکھوں والا یہ میرا بھائی جیسے میں نے اپنی گود میں کھلایا تھا وہ مجھ سے اگر ذرا سا ناراض ہوجاتا تو کتنا پریشان ہوجاتی کہ جواد مجھ سے بات کیوں نہیں کررہا وہ اگر ذرا غصے میں مجھے کچھ بول دیتا میکے سے گھر آکر کتنا روتی آنسو تو لگتا میری آنکھوں سے رکتے نہیں کیسے اس کی پسند کی چیزیں پکا پکا کر لے جاتی کہ میرا بھائی مجھ سے دوبارہ بولنا شروع کردے' ذرا سی اس کی ناراضگی برداشت نہیں ہوتی' مدت سے یہ ہی ارمان بھیا میرا دولہا بنے گا یہ ارمان تھا میرا' دولہا بنا میرا بھائی لگ بھی تو کتنا پیارا تھا اس پر یہ شیروانی کیسے جچ رہی تھی یہ تھے ارمان میرے۔ میرے بھائی کی شادی کا دن میرے لئے سب سے بڑی خوشی کا دن تھا کیونکہ میرا خمار محبت سے بھرا ہے دل کے ہر گوشے میں اپنوں کے لئے محبت ہے دو دن سے زیادہ میں کسی اپنے سے ناراض نہیں ہوسکتی' مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔ کیوں ہو مجھ سے ناراض قصور میرا ہو یا اس کا معافی میں مانگ لیتی تھی' کیوں محبت ہی سب کچھ ہے اور اپنے خون سے کیا ناراضگی' اپنے ماں بھائی سے کیا ناراضگی؟ بھائی اور بہن تو ایک ہی وجود کے دو حصے ہیں ایک ہی ماں کی اولاد۔

لیکن ایک فائزہ ہے وہ کیسی بہن ہے جو اپنے بھائیوں کو بوڑھا کررہی ہے کیونکہ اس کی شادی نہیں ہوپائی تو کسی کی نہ ہو۔ یہ ایک گھر کی کہانی نہیں بہت سے گھروں کی کہانی ہے۔ عاطف میں اور میری دو سالہ بیٹی نمرا صرف فائزہ کی وجہ سے' ہم ان رشتوں سے دور ہیں میری بیٹی نمرا نے اپنی دادی کو نہیں دیکھا سب کے ہوتے ہوئے ہمارا کوئی نہیں' کیونکہ دادی تایا' پھوپھی نمرا کو دیکھنا پسند نہیں کرتیں کیونکہ عاطف نے نکاح کرکے ان کی بہنوں کے نزدیک گناہ کیا تھا میں اپنے شوہر کا دکھ جانتی ہوں عید پر بقر عید پر سب رشتے دار ایک دوسرے سے ملتے ہیں محبت کا دن ہوتا ہے وہ اس دن تو غیر بھی ناراضگیاں بھلا کر گلے ملتے ہیں میرے شوہر اپنے گھر والوں سے دور بیٹھے ہوتے ہیں لوگ کہتے ہیں یہ رشتہ کھٹا میٹھا ہوتا ہے آج کل کی لڑکیاں سسرال والوں سے دور رہنا چاہتی ہیں لیکن ثوبیہ طلب گار ہے ترسی ہوئی ہے ان رشتوں کی محبتوں کی۔

کتنی مشکل سے پالا ہے میں نے اپنی بیٹی نمرا کو اگر اس کی دادی ساتھ ہوتیں تو مجھے اور عاطف کو سمجھاتیں ہماری تو پہلی اولاد ہے' غیروں سے تو درخواست کرنا پڑتی ہے اور اپنوں سے فخر اور مان سے کہا جاتا ہے' غیر ہمیشہ غیر ہی ہوتے ہیں ان سے کتنا دل لگائے دل نہیں لگتا' اپنوں کی محبت کا احساس ہی حسین ہوتا ہے۔

میں آپ سے سوال کرتی ہوں کون قصوروار ہے عاطف کی اور میری کہانی میں؟ یہ میری اور عاطف کی نہیں بہت سے گھروں کی کہانی ہے یہ معاشرے کا المیہ ہے اگر گھر میں بہنوں کی شادیاں نہیں ہوپاتیں تو پھر بھائیوں کی بھی نہ ہو یہ کس جگہ کا اصول ہے؟ کہاں کا انصاف ہے؟ کتنی ہی اور بہت سی لڑکیوں کو میں جانتی ہوں میرے محلے میں رہتی ہیں میرے ساتھ اسکول میں پڑھاتی ہیں ہر علاقے ہر جگہ پائی جاتی ہیں جو نہیں چاہتی ان کے دل کے اندر کا حسد' جلن برداشت نہیں کرپاتا۔ وہ لڑکیاں کہتی ہیں اگر ہم دلہن نہیں بن سکیں تو کوئی لڑکی ہمارے بھائی کی دلہن بن کر ہمارے گھر نہیں آئے' اپنے ہی بھائی کی زندگی اپنی حسد و جلن میں برباد کردیتی ہیں' لڑکیوں کی شادی نہ ہونے کی بہت سی وجوہات ہیں لیکن ان لڑکیوں کی وجہ سے ان کے بھائیوں کی شادی نہیں ہوپاتی لڑکیاں اپنے ٹھکرائے جانے کا انتقام اپنے بھائیوں سے لیتی ہیں ان کی شادی نہ کروا کے۔ خدارا محبت سے ان لڑکیوں سے کہنا ہے محبت کو آگے بڑھایئے اپنی بوڑھی ماں کو خوشیاں دیں' خدارا محبت کریں محبت تو وہ جادو ہے جو معاشرے کو سنوار سکتی ہے صرف محبت۔



ریما نور رضوان

افسانہ

موبائل

تم سے دوری کا احساس جب ستانے لگا
تیرے ساتھ گزرا ہر لمحہ یاد آنے لگا
جب کبھی تمہیں بھلانے کی کوشش کی
تو دل کے اور بھی پاس آنے لگا

اریشہ نے میگزین سے شعر پڑھا تھا اسے بے حد اچھا لگا تو فوراً لکھ کر شیراز کو Send کردیا اور مسرور سی ہوکر اس کے reply کا wait کرنے لگی تھی۔ شیراز اپنے سیل پر باتوں میں مگن تھا۔ پچھلے ہفتے ہی ایک نئی لڑکی سے سیٹنگ کی تھی۔ شیراز ایک اچھے پڑھے لکھے گھرانے کا آوارہ صفت لڑکا تھا جس کا کام صرف یہی تھا' آج اس لڑکی سے تو کل کسی اور لڑکی سے چکر چلاتا اور دل بھر جانے پر نئے افیئر چلالیتا۔

اریشہ کو آدھے گھنٹے سے زیادہ انتظار کی زحمت اٹھانی پڑی تھی۔

''او میرے خدا! میرے شیراز کو ایک ہفتے سے کیا ہو گیا ہے جو مجھے سوتے میں بھی reply دیئے بغیر نہیں رہتا تھا اب مجھے کتنا wait کرواتا ہے۔ محبت میں بدلاؤ میں برداشت نہیں کرسکتی' شیراز میں جو تبدیلی آرہی ہے ان سب کی وجہ میں ضرور دریافت کروں گی''۔ اریشہ کا ذہن اسی کشمکش میں الجھا ہوا تھا' وہ بہت ڈپریسڈ تھی۔

⟡..........☆..........⟡

''ہیلو...... ڈیئر!'' اریشہ نے رات کے ڈیڑھ بجے شیراز کو کال کی تھی۔ سارا دن بلی کی مانند کمرے میں یہاں سے وہاں چکر کاٹتی رہی تھی لیکن شیراز کوئی رسپانس نہیں دے رہا تھا اور نہ ہی کال نہ کوئی میسج آیا تھا۔ اب اس نے خود کال کی تھی۔

''ہاں! میں بول رہی ہوں'۔ اریشہ سنجیدگی سے بولی تھی۔

''اوہ میری جان اریشہ! کیسی ہو ڈارلنگ؟'' شیراز مکاری میں مسکراہٹ شامل کرکے بولا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں' تم بتاؤ آج کل کہاں غائب رہتے ہو' میرے کسی میسج کا کوئی reply نہیں دیتے ہو' آخر کیوں؟'' اریشہ اجنبیت سے پُر لہجے میں بولی تھی۔

''اوہ یار! میں آج بہت بزی تھا۔ بڑے بھائی نے مجھے اپنے کام میں الجھا لیا تھا' وہ سائیڈ بزنس کررہے ہیں' سارا سیٹ اَپ وہ میرے لئے کروا رہے ہیں تو کیا اب میں ان کی ہیلپ نہیں کرواؤں۔ یار اس سے تو ہمارا future ہی safe رہے گا' try to understand me''۔ شیراز نے فلرٹ کرنے میں نجانے کتنی ڈگریاں حاصل کر رکھی تھیں۔ بڑی جلدی اپنی دوغلی جھوٹی باتوں میں الجھا کر واپس اپنی طرف راغب کرلیا تھا اور پھر دونوں باتوں میں لگے رہے تھے اور رات ڈھلتی رہی تھی۔

⟡..........☆..........⟡

اریشہ اپنا فیورٹ گانا سن رہی تھی' پھر خیال آیا کہ شیراز کو ٹائپ کرکے send کرتی ہوں اور کردیا مگر جواب ندارد تھا۔ دو گھنٹے بعد شیراز کا جواب آیا تھا۔

''پلیز مجھے پریشان نہیں کرو''۔ اریشہ بے یقین نظروں سے موبائل کی سطروں میں الجھی ہوئی تھی۔ خود سے مخاطب تھی۔

''مجھے یقین نہیں آرہا' شیراز نے یہ ورڈز میرے لیے استعمال کیے ہیں''۔ بہت ڈس ہارٹ ہوکر کال کرنے لگی تھی' شیراز نے بےزار ہوکر کال ریسیو کی تھی۔

''ہیلو! جی بولیے......؟'' انتہائی بیزار کن لہجہ تھا شیراز کا۔

''شیراز! میں اریشہ......'' اریشہ سنجیدگی اور بے بسی سے بولی تھی۔

''پلیز اریشہ! خدا کے واسطے میرا پیچھا چھوڑ دو''۔ شیراز بالکل رُوڈ ہوچکا تھا۔

''شیراز! ہم ایک دوسرے سے پیار کرتے ہیں' تم یہ کس طرح کس لہجے میں مجھ سے بات کررہے ہو' آخر ہو کیا گیا ہے تمہیں؟'' اریشہ دکھ آمیز لہجے میں بولی۔

''کون سی محبت' کہاں کی محبت؟ میں محض وقت گزاری کے لیے تم جیسی لڑکیوں سے بات کرتا ہوں اور جب دل بھر جاتا ہے تو ٹشو پیپر کی مانند ڈسٹ بن میں ڈال کر جان چھڑا لیتا ہوں' تم تو گلے ہی پڑ گئیں۔ تم جیسی بے حیا' بے شرم لڑکی سے کون محبت کرے گا جو ایک نامحرم سے دن رات باتیں کرتی ہے' تم جیسی لڑکیوں سے دل بہلایا جاتا ہے گھر کی عزت نہیں بنایا جاتا''۔ شیراز زہر خند لہجے میں کہہ کر کال کاٹ چکا تھا۔

اریشہ اپنا آپ بمشکل سنبھالتی کاؤچ پر بیٹھی تھی۔

''ایک لڑکے نے میری ذات کی دھجیاں بکھیر دیں اور میں کچھ بھی نہ کرسکی' میں نے خود ہی تو اسے یہ اختیار دیا تھا کہ وہ میری زندگی سے کھیلے اور تماشہ بنا کر چلا جائے' میں نے ہی غلطیاں کیں' میں نے خود اپنی عزت اپنے قدموں تلے روند دی''۔ اریشہ کا دماغ کہہ رہا تھا۔ اریشہ نے غصے میں سیل فون دیوار پر مارا تھا جو دو چار حصوں میں تقسیم ہوکر زمین بوس ہوچکا تھا بالکل اریشہ کی ذات کی طرح۔

⟡..........☆..........⟡

سباس گل

قسط نمبر 10

سلسلے وار ناول

اعتبارِ عشق



''تم سے یہ ساری بکواس کس نے کی؟''
''مجھ سے کس نے کہنا تھا' میں بھی عقل رکھتی ہوں''۔ کنول نے تپ کر کہا۔



''عقل تو تم اپنی والدہ محترمہ کے پاس رکھ آئی ہو' اتنا بڑا الزام اتنی بڑی بات تم نے عینی کے پاکیزہ کردار پر دھر دی شرم آنی چاہیے تمہیں''۔ نفیس نے بہت مشکل سے اپنے غصے کو کنٹرول کرتے ہوئے سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں کہا تو وہ سلگ کر بولیں۔

''شرم مجھے آنی چاہیے یا عینی کو جس کی کوکھ میں ناجائز بچہ پل رہا ہے''۔

''وہ بچہ جائز ہے''۔ نفیس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

''آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ بچہ جائز ہے؟'' کنول نے سلگ کر پوچھا۔

''کیونکہ میں اس بچے کا باپ ہوں''۔ نفیس نے یہ انکشاف کرکے کنول کا سارا اجال اور پلان مٹی میں ملا دیا۔

کنول کو نفیس کی بات سن کر بے حد حیرانی ہوئی۔

''کیا...... مگر...... عینی تو آپ سے......''

''ناراض تھی' لیکن تمہارے جانے کے بعد بلکہ یہاں سے میکے جانے کے بعد وہ میری بیماری اور تکلیف کو محسوس کرتے ہوئے میرے لئے پریشان ہو کر میرے پاس چلی آئی تھی۔ اس نے مجھ سے اپنے رویئے کی معافی بھی مانگ لی تھی۔ عینی نے مجھے اس وقت سنبھالا جب تم میری بیماری دیکھتے ہوئے بھی مجھے چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔ بہت دکھ ہوا تھا مجھے تمہارے رویئے سے لیکن عینی کے آجانے سے میرا دکھ جاتا رہا اور اس سارے عرصے میں وہ میرے ساتھ رہی ہے۔ وہ مجھ سے بہت محبت کرتی ہے اور عینی کی کوکھ میں پلنے والا بچہ ہماری محبتوں اور قربتوں کا امین ہے۔ تمہارے آنے سے ایک دن پہلے ہی وہ میکے گئی تھی' میں آفس جاتے وقت بھی اسے میکے چھوڑ دیتا تھا' واپسی پر ساتھ لے آتا تھا۔ میں نے تمہیں سب سچ سچ بتایا ہے اور میں چھپاؤں بھی کیوں؟ عینی میری بیوی ہے اس سے ازدواجی تعلق استوار کرنا میرا حق ہے کوئی جرم یا گناہ نہیں' تم نے اس معصوم کو نجانے کیا کچھ کہا ہوگا' اتنی گری ہوئی بات آخر تمہارے ذہن میں آئی بھی کیسے؟'' نفیس نے تمام تر حقائق انہیں بتانے کے بعد ان کا سکون غارت کرنے کے بعد پوچھا۔

''میں سمجھی تھی کہ وہ ہمارے جانے کے بعد یہاں آئی ہی نہیں تب سے ہی میکے میں ہے مگر شکر ہے اللہ کا کہ میرا منصوبہ کامیاب ہوگیا' میں جیسا چاہتی تھی ویسا ہوگیا۔ تھینکس گاڈ! میں بہت خوش ہوں''۔ کنول کو جب اپنی بے عزتی ہوتی دکھائی دینے لگی تو انہوں نے فوراً اپنے دماغ سے کام لیا اور بہت عمدہ کہانی گھڑنے کا آغاز کیا' بہت خوشگوار لہجے میں کہا۔

''تم کس بات کا شکر ادا کر رہی ہو؟ کیا منصوبہ' کیسی خوشی؟ کیا چاہتیں تھی تم؟'' نفیس نے حیرانگی سے انہیں دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

''میں چاہتی تھی کہ عینی آپ کو آپ کا حق دے' آپ کے ساتھ اس رشتے کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے ہنسی خوشی رہے' اسے آپ سے ناراض دیکھ کر مجھے بہت دکھ پہنچتا تھا۔ مجھے اچھا نہیں لگتا تھا کہ آپ عینی کو اتنا چاہیں اور وہ آپ سے بے رُخی برتے اور آپ پریشان رہیں۔ میں آپ کو خوش دیکھنا چاہتی تھی' میرا خیال تھا کہ عینی میری وجہ سے آپ کے پاس آنے سے جھجک رہی ہے کیونکہ وہ خود کو میرا مجرم سمجھتی تھی' اس لیے میں نے یہ پروگرام بنایا کہ میں بچوں کو لے کر کچھ عرصے کیلئے ممی کے پاس چلی جاؤں تاکہ آپ کو اور عینی کو علیحدگی میں ملنے' بیٹھنے' بات کرنے کا موقع ملے اور آپ دونوں ناراضگی بھول کر ایک دوسرے کے قریب آجائیں۔ آپ کی طبیعت خراب ہوگئی تھی یہ موقع زیادہ مناسب تھا' میرا خیال تھا کہ میں نہیں ہوں گی تو عینی آپ کی بیماری کی وجہ سے آپ کے

قریب آجائے گی یا جیسے بھی آپ اسے منالیں گے' وہ محبت کرنے والی لڑکی ہے اور آپ محبت سے منانا جانتے ہیں لہٰذا میں میدان سے کچھ عرصے کیلئے غائب ہوگئی مگر یہ دوری میرے لئے بہت تکلیف دہ بھی تھی کیونکہ میں آپ کے بغیر اتنا عرصہ کبھی بھی کہیں نہیں گئی۔ میں نے آپ کو بہت مس کیا تھا' بہت تڑپی تھی میں آپ کیلئے مگر کچھ پانے کیلئے کچھ کھونا اور قربان تو کرنا ہی پڑتا ہے' سو میں نے آپ کی خوشی کی خاطر آپ سے دوری کا درد قبول کیا اور اللہ کا شکر ہے کہ نتیجہ سو فیصد میری توقع اور منصوبے کے عین مطابق نکلا' اسی لئے میں اپنے جاتے وقت کے رویئے کی آپ سے معافی نہیں مانگوں گی۔ البتہ جو غلط فہمی مجھے ہوگئی تھی اس کیلئے میں آپ سے اور عینی سے بے حد شرمندہ ہوں اور ہاتھ جوڑ کر آپ سے معافی مانگتی ہوں' پلیز آئی ایم سوری''۔ کنول نے بہت محبت' اپنائیت بھرے انداز میں ان کے سامنے آکر اپنے ہاتھ جوڑ دیئے تو نفیس جو اُن کی باتیں سن کر حیران ہو رہے تھے انہوں نے فوراً اُن کے ہاتھ تھام لئے اور محبت سے چوم کر بولے۔

''یہ ہاتھ اس لئے تو نہیں ہیں' مجھے تمہارے رویئے کا واقعی بہت رنج ہوا تھا لیکن اس کا سبب جان کر جو راحت ملی ہے وہ میں بیان نہیں کرسکتا' تم تو میری توقع سے کہیں زیادہ اعلیٰ ظرف اور عظیم ہو' تھینک یو کنول! آئی ریئلی لو یو''۔

''چلیں اب عینی کو بھی منا لائیں' میں اس سے معافی مانگ لوں گی''۔ وہ اپنی خوشی ایسے ظاہر کر رہی تھیں جیسے وہ حقیقتاً عینی سے بہت خوش ہوں' نفیس کو ان کی کہانی پر اعتبار آگیا تھا۔ کنول کی محبت کا انہیں یقین تھا وہ انہیں دل سے چاہتے اور اُن کا ایثار مانتے تھے' مان رہے تھے سو کنول کو اس کہانی کا بھی بہت فائدہ ہوا اور اب وہ سوچ رہی تھیں کہ آئندہ کی پلاننگ ان کیلئے مشکل نہیں ہوگی کیونکہ نفیس کو ان پر اندھا اور مکمل بھروسہ اور اعتماد' اعتبار ہے۔ عینی کی بات یا شکایت انہیں سچ نہیں لگ سکتی اور اس طرح وہ اپنے منصوبے میں کامیاب ہوجائیں گی۔

''میں خود عینی سے بات کرلوں گا اُسے لے آؤں گا تمہیں اس سے معافی مانگنے کی ضرورت نہیں ہے' تم نے پتا نہیں کیا کچھ کہا ہوگا اُسے اور وہ کس کرب سے گزری ہوگی''۔ نفیس نے عینی کیلئے پریشان ہوتے ہوئے کہا' اسی وقت گاڑی کا ہارن بجا۔

''اسی لئے تو کہہ رہی ہوں کہ میں ابھی چلی جاتی ہوں اسے منانے''۔ کنول نے نادم ہو کر کہا۔

''نہیں میں یہ کام کرکے خود ہی چلا جاؤں گا اس کے پاس' منیجر بھی آگیا ہے او کے بائے''۔ نفیس فائل لے کر باہر چلے گئے۔

''چلو یہ وار خالی گیا تو کیا ہوا' نفیس کا اعتبار اور پیار تو میرے لئے بڑھ گیا ناں۔ اب تو اگر میں عینی کو اِس جہان سے اُس جہان میں بھی پہنچا دوں تو بھی نفیس کو کبھی یقین نہیں آئے گا کہ میں ایسا بھی کرسکتی ہوں۔ ممی کو بھی یہ خوشخبری سناتی ہوں''۔ کنول نے فاتحانہ انداز میں خود کلامی کی اور ٹیلی فون کی طرف بڑھ گئیں۔

''پلیز میری جان عینی! سمجھنے کی کوشش کرو' کنول کو غلط فہمی ہوگئی تھی' میں نے ساری بات تمہیں بتا تو دی ہے''۔ نفیس بہت دیر سے اُسے منا رہے تھے سمجھا رہے تھے اور وہ اپنے آنسو ضبط کیے سنجیدگی سے خاموشی سے بیٹھی تھی' آخر بول ہی پڑی۔

''لیکن جو دکھ مجھے پہنچا ہے اس کا ازالہ تو نہیں ہوسکتا نفیس! غلط فہمی آپ کو ہو رہی ہے اور شاید اس کا خمیازہ بھی مجھے ہی بھگتنا پڑے گا''۔

''کیسی غلط فہمی؟''

''میں آپ کا اعتبار نہیں ٹوٹتا دیکھ سکتی' اتنا ضرور چاہتی ہوں کہ آپ میرا اعتبار مت توڑیئے گا''۔ عینی نے پُرنم

لہجے میں کہا تو انہوں نے پیار سے کہا۔

"میرا اعتبار کرو جانو! اب مسکراؤ' گھٹنے بھرے ٹینشن میں مبتلا کر رکھا ہے تم نے خود کو بھی اور مجھے بھی' شادی سے پہلے تو تم ہر وقت ہنستی کھیلتی تھیں"۔

"دیکھ لیجیے پھر آپ سے شادی کی مجھے کیا قیمت ادا کرنا پڑ رہی ہے' دل درد سے بھرا رہتا ہے' آنکھیں آنسوؤں سے' مجھے اس گھر میں اپنا مستقبل غیر محفوظ لگنے لگا ہے"۔ عینی نے اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"عینی! اس گھر کے سارے لوگ تم سے پیار کرتے ہیں"۔

"لیکن اس گھر میں اب تک میرے ساتھ کوئی اچھا واقعہ بھی تو پیش نہیں آیا"۔

"کیا میرے ساتھ بھی نہیں؟" نفیس نے شرارت سے اس کے قریب ہو کر کہا تو اس کے لبوں پر شرمیلی مسکان پھیل گئی' نفیس نے سکون کا سانس لیا۔

☆

ردا کی شادی کی تاریخ طے پا گئی۔ نعیم اور نفیس نے اس کی شادی کے انتظامات کیے۔ زیادہ تر پیسہ نفیس نے خرچ کیا' انہوں نے ردا کو اپنی بہن کہا تھا اور وہ بڑے بھائی کا کردار بطریق احسن ادا بھی کر رہے تھے۔ عینی' نفیس کے اس عمل سے بہت زیادہ خوش تھی' جتنی وہ خوش تھی اتنی ہی کنول ناخوش اور جیلس تھیں۔ انہوں نے نفیس سے تو کچھ نہیں کہا لیکن عینی کو وہ جب بھی "عظیم ہاؤس" ملنے جاتیں طنز کرنے سے باز نہ آتیں' عینی ان کی طنزیہ اور ہتک آمیز باتیں مسکرا کر نظر انداز کر جاتی۔ ردا کو بعد میں تعلیم جاری رکھنے کی اجازت تھی اس کے سسرال کی طرف سے لہٰذا وہ بھی ہنسی خوشی اپنی شادی کی تیاریوں میں لگی رہی۔

"میں نے صحیح کہا تھا ناں تم نے نفیس کو دولت کی خاطر اپنایا ہے' اب ردا کو بہن بنا کر نفیس سے ان کی دولت ہتھیائی جا رہی ہے' مفت میں دو بیٹیاں بیاہ دی گئیں' کون سا بوجھ پڑا تمہارے اماں باوا پر' چار بیٹیاں پیدا کر کے بھی تم تو دو بیٹیوں کے بیاہ کے قابل بھی بمشکل نکلے۔ نفیس کی خدا ترسی کی عادت کا خوب فائدہ اٹھایا ہے تم ماں بیٹیوں نے اور نقصان کا تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے عینی بی بی!" کنول نے ردا کی مہندی کی تقریب کے اختتام پر عینی کے قریب آ کر کہا۔

"مگر مجھے اللہ کے کرم کا اندازہ ہے وہ مجھے ہر نقصان سے محفوظ رکھے گا' انشاء اللہ"۔ عینی نے مدھم آواز میں کچھ پرسکون لہجے میں کہا اور آگے بڑھ گئی۔

"عینی! کل ردا کے ساتھ تم بھی دلہن بنو گی"۔ نفیس نے اس کے کمرے میں آ کر کہا۔

"کس کیلئے؟" اس نے ہنس کر پوچھا۔

"میرے لیے"۔ نفیس نے اس کے شرم و حیا کے رنگوں سے سجے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"جو حکم آپ کا' بندی تعمیل کرے گی"۔ اس نے بہت ادا سے کہا تو وہ ہنس پڑے۔ اور ردا کی شادی کے دن سمیرہ بیگم نے خود بھی عینی کو دلہن کا لباس پہننے کا حکم دے دیا۔ ردا کے ساتھ عینی بھی بہت اہتمام سے دلہن بنی تھی۔ جہاں ردا کا حسن دیکھ کر سب دنگ رہ گئے تھے وہاں عینی کو دلہن کے روپ میں دیکھ کر سب کی آنکھیں ایک بار پھر پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ بائل گرین کلر کے بھاری کامدار لہنگا اس پر.... میچنگ جیولری اور میک اپ سے مزین گجروں سے سجے ہاتھوں' مہندی سے مہکتی ہتھیلیوں اور کلیوں کے ہاروں سے معطر بالوں میں وہ پہلی بار سے زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ یہ لباس اور جیولری اس کیلئے نفیس لے کر آئے تھے اور اب اسے اس رنگ روپ میں دیکھ کر وہی سب سے زیادہ دیوانے

ہوئے جا رہے تھے۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے سب کے سامنے اپنے دل کی کیفیت بتاتے۔ وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں اس کے حسن و جمال کا صدقہ اتار رہے تھے۔ انہوں نے کنول کو بھی سراہا تھا مگر وہ عینی کے سراپے سے اپنی نظریں ہٹانے میں ناکام ہو رہے تھے۔

"نفیس بھائی! کیا پہلی بار عینی کو اس روپ میں دیکھ رہے ہیں؟" ثوبیہ بھابی نے ان کی چوری پکڑتے ہوئے شرارت سے مسکراتے ہوئے پوچھا تو وہ جھینپ کر ہنس پڑے اور پھر بولے۔

"لگ تو یہی رہا ہے بھابی! اور آج میں عینی کو بھی اپنے ساتھ رخصت کرا کے لے جاؤں گا' چند دن کا کہا تھا اس نے اور پورے چوبیس دن ہو گئے آج اسے میکے رہتے ہوئے' آج کوئی بہانہ کوئی رعایت نہیں ملے گی"۔

"یہ تو آپ کی محبت ہے نفیس بھائی! اور عینی کو تو بالآخر اسی گھر میں جانا ہے' وہ تو ردا کی شادی کی وجہ سے رک گئی تھی اتنے دن ورنہ آپ کے بغیر اب وہ کہاں رہتی ہے۔ آپ صبح و شام اس سے ملنے آتے رہے تو اس کا بھی دل لگا رہا' نہ آتے تو وہ خود ہی آپ کے پاس چلی آتی"۔ ثوبیہ بھابی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس کی یہی خوبی تو مجھے بہت پسند ہے کہ وہ اَنا پرست نہیں ہے"۔ وہ خوشی سے بولے۔

"صرف یہی ایک خوبی پسند ہے؟"

"اور بھی بہت ہیں' میں آپ کو کیوں بتاؤں؟" وہ ہنستے ہوئے بولے۔

"مت بتائیے' ہمیں معلوم ہے ہماری اور اس کی دوستی بہت پرانی ہے"۔ وہ ہنس کر بولیں۔

"تو ذرا اپنی دوست کے ساتھ ہماری ایک یادگار تصویر تو کھینچ دیجیے"۔ نفیس نے کیمرہ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا' عینی جو اُن کے قریب سے گزر رہی تھی اسے انہوں نے اپنے بازو کے حلقے میں کر کے قریب کر لیا' وہ سٹپٹا گئی۔ ثوبیہ بھابی نے یہ منظر کیمرے میں محفوظ کر لیا' وہ نروس ہوتے ہوئے بولی۔

"ہائے اللہ بھابی! آپ نے تصویر کھینچ دی"۔

"ظاہر ہے میں نے تمہیں اور کس لئے اپنی طرف کھینچا تھا"۔ نفیس نے ہنس کر کہا' ثوبیہ بھابی ہنس پڑیں اور ان کی دو تین تصویریں مزید کھینچ دیں۔ روشی اور شان بھی بھاگے چلے آئے پھر اُن کے اور ردا اور جمال کے ساتھ ان کے گروپ فوٹو کھینچے گئے۔ کنول کو نفیس نے بلایا تو انہوں نے جلے دل کے ساتھ ایک ہی تصویر کھنچوائی اور اسٹیج سے نیچے اتر گئیں۔ ردا کی رخصتی کے فوراً بعد نفیس نے سمیرہ بیگم سے کہا۔

"پھپھو جان! اب میری دلہن کو بھی دعائیں دے کر میرے ساتھ رخصت کر دیں"۔

"بیٹا! کیوں نہیں' عینی تمہاری ہی دلہن ہے جب تمہارا دل چاہے لے جاؤ"۔ سمیرہ بیگم نے محبت سے مسکراتے ہوئے کہا تو انہوں نے شرارت سے عینی کو دیکھا جو حیرت سے انہیں تک رہی تھی اور ان کے دل پر بجلیاں گرا رہی تھی۔

"چلیں بیگم صاحبہ!" نفیس نے اس سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ابھی"۔ وہ حیرت سے بولی تو انہوں نے ہنس کر کہا۔

"جی ابھی"۔

"مگر...... سامان......" وہ بولی۔

"سامان بعد میں آتا رہے گا' دو چار کپڑوں کے جوڑے ہی ہیں ناں' کپڑے وہاں بہت ہیں آپ چلنے والی بنئے' بہت دن بسیرا کر لیا میکے میں' اب ہمارے گھر کو آباد کیجیے"۔ نفیس نے مسکراتے ہوئے محبت پاش نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''جاؤ بیٹا! اللہ تمہیں اپنے گھر میں شاد آباد رکھے' خیر سے جاؤ وہی تو تمہارا اصل گھر ہے''۔ سمیرہ بیگم نے اسے گلے سے لگا کر کہا پھر اس کی پیشانی چومی۔

''تھینک یو پھپھو جان! اللہ حافظ''۔ نفیس نے بھی ان سے جھک کر اپنے سر پر ہاتھ پھروایا۔ کنول اور بچے پہلے ہی گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔ نفیس نے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر عینی کو سہارا دے کر بٹھایا کیونکہ اس سے اپنا لباس سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا اور وہ خود کو سچ مچ نئی نویلی پہلے دن کی دلہن سمجھ رہی تھی۔

☆

نفیس ولا پہنچنے پر شوکت اینڈ فیملی نے باقاعدہ ان کا استقبال کیا۔ کنول تو گاڑی کے رکتے ہی اندر چلی گئیں۔ روشی اور شان نے آمنہ اور زبیدہ کے ہاتھوں میں پھولوں کی پتیوں سے بھری طشتری میں سے مٹھی بھر پتیاں اٹھائیں اور عینی پر نچھاور کر دیں' وہ خوشدلی سے ہنس پڑی۔

''ویلکم ماما! ویلکم ہوم''۔ دونوں نے خوش ہو کر کہا۔

''تھینک یو بیٹا''۔ عینی نے دونوں کو پیار کیا تو نفیس نے فوراً تصویر کھینچ لی۔

''السلام و علیکم بیگم صاحبہ!'' شوکت' زبیدہ اور آمنہ ایک ساتھ بولے۔

''وعلیکم السلام کیسے ہیں آپ لوگ؟'' عینی نے خوشدلی سے پوچھا۔

''ہم ٹھیک ہیں جی''۔ تینوں نے جواب دیا۔

''کام تو ٹھیک چل رہا ہے نا''۔

''جی چھوٹی بیگم صاحبہ!'' زبیدہ نے جواب دیا۔

''اور آمنہ کا کیا حال ہے' پڑھتی ہو آمنہ؟'' عینی نے آمنہ کے گال کو چھوتے ہوئے پوچھا۔

''جی بیگم صاحبہ! میں نے آٹھویں پاس کی ہے نویں کی تیاری گھر پر کرتی ہوں''۔

''گڈ...... تمہیں اگر کسی چیز کی سمجھ نہ آئے تو مجھ سے پڑھ لینا اور سنو تم مجھے بیگم صاحبہ نہیں باجی یا آپی کہو گی' ٹھیک ہے''۔

''ٹھیک ہے باجی!'' وہ مسکراتے ہوئے بولی' وہ بھی مسکرا دی۔

''اب چلیں اندر''۔ نفیس نے بھی زبیدہ اور آمنہ کے ساتھ مل کر پھولوں کی پتیاں اس پر نچھاور کر دیں' وہ شرمانے لگی۔

''چلیں ماما!'' روشی اور شان اس کے دائیں بائیں اس کے ہاتھ پکڑ کر بولے۔

''تم بھی جاؤ آرام کرو''۔ نفیس نے ان تینوں سے کہا تو وہ وہاں سے اپنے کوارٹر کی طرف چلے گئے۔

''ہیں ہیں یہ تم میری دلہن کو کہاں لے جا رہے ہو؟'' نفیس نے ڈرائنگ روم میں پہنچتے ہی روشی اور شان سے کہا۔

''اپنے کمرے میں لے جا رہے ہیں''۔

''ہرگز نہیں' یہ اپنے کمرے میں جائیں گی اور آپ دونوں اپنے کمرے میں جائیں گے' چلیں شاباش بہت رات ہو گئی ہے اب چینج کر کے سو جائیں''۔ نفیس نے دونوں کو پیار کرتے ہوئے کہا اور انہیں گڈ نائٹ کہہ کر ان کے کمرے میں چھوڑ آئے۔ عینی وہیں کھڑی تھی' کنفیوژ اور شرمائی شرمائی سی۔

''چلیے بیگم صاحبہ! آپ کا کمرہ آپ کا منتظر ہے''۔ نفیس نے اس کے شانوں کے گرد اپنا بازو رکھ کر محبت سے کہا تو وہ مسکراتے شرماتے ہوئے ان کے ساتھ چلتی ہوئی اپنے بیڈروم میں داخل ہو گئی۔ بیڈروم کا منظر اسے حیران کرنے کیلئے کافی تھا۔ بیڈ پر گلاب کے پھولوں کی پتیوں کی چادر بچھی ہوئی تھی' کمرہ پھولوں کی خوشبو سے مہک رہا تھا' نفیس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا ہوا گلاب کا سرخ تازہ پھول اٹھا کر عینی کی طرف بڑھایا تو اس نے خوشی اور حیا سے مسکراتے ہوئے پھول ان کے ہاتھ سے لے لیا۔

''یہ سب کس لیے ہے؟'' عینی نے پھولوں سے سجی دلہن کی سیج کی طرف اشارہ کیا۔

''تمہارے لیے اپنی دلہن عینی کیلئے ہے''۔ وہ اس کے شانوں کو تھام کر محبت سے بولے۔

''میرے لئے تو یہ برائیڈل ڈریس ہی بہت تھا' آپ نے ناحق یہ اہتمام کیا' اتنا زیادہ پیسہ خرچ کر دیا''۔ اس نے ان کی محبت پر روح تک سرشار ہوتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''پیسہ کیا چیز ہے میری جان! ہم تو آج پیار خرچ کرنے کے موڈ میں ہیں''۔ نفیس نے اسے بیڈ پر بٹھاتے ہوئے شریر اور شوخ لہجے میں کہا۔

''اچھا تو پھر مجھے رونمائی کا تحفہ بھی دوبارہ دیجیے''۔ اس نے بہت مسکراتے شرماتے ہوئے دلار سے کہا تو پہلے تو انہیں بے اختیار ہنسی آئی اور پھر انہوں نے اس کے چہرے کے گلاب پر اپنی محبتوں کے گلاب بھی سجا دیئے' وہ مارے حیا کے سر اور نظر جھکائے مسکراتی رہی تو انہوں نے محبت اور شرارت بھرے لہجے میں کہا۔

''رونمائی کا اس سے اچھا تحفہ میں تمہیں نہیں دے سکتا' کہو پسند آیا''۔

''نہیں''۔ عینی نے شرگیں اور شریر لہجے میں کہا۔

''کیا؟'' نفیس اسے پکڑنے کیلئے بڑھے تو وہ بیڈ پر سے اترنے کیلئے تیزی سے پیچھے ہٹی مگر نفیس نے ایک ہی لمحے میں اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔

''اب بولو نہیں''۔ نفیس نے اس کے چہرے کو ہاتھ سے اوپر اٹھا کر پیار سے کہا۔

''کیوں؟'' وہ شرماتے' مسکراتے ہوئے بولی اور مٹھی بھر پھول کی پتیاں اٹھا کر ان کے چہرے پر پھینک دیں' وہ خوشدلی سے قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

جتنی یہ شب اور صبح ان دونوں کیلئے پُر بہار' خلوص و پیار اور خوشگوار لمحات سے بھرپور تھی اتنی ہی کنول کیلئے باعث آزار تھی۔ کنول کی ساری رات کانٹوں کے بستر پر گزری اور عینی کی پھولوں کے بستر پر محبتوں کے پھولوں سے اپنا دامن بھرتے ہوئے۔

☆

صبح ناشتے کی میز پر عینی تروتازہ گلاب کی طرح کھلتا چہرہ لئے موجود تھی اور کنول حسد سے جلتا بجھتا چہرہ لئے بے دلی سے ناشتہ کر رہی تھیں۔ عینی کو ان کی کیفیت کا اندازہ تھا اور وہ ان کی حالت پر افسوس کر رہی تھی۔ ان کی تنگ دلی پر تاسف بھری نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ نفیس بھی خوب چہک رہے تھے۔ روشی اور شان کو ان کے اسکول کے بارے میں بتا رہے تھے' ان سے کل کے گزرے دن کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔

''میرے ساتھ آسٹریلیا اور اسپین چلو گی کنول؟'' نفیس اب ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

''اسپین کس لئے؟'' کنول نے پوچھا کیونکہ آسٹریلیا جانے کا مقصد تو انہیں معلوم تھا۔

''ٹیکسٹائل فیبرکس کی نمائش ہو رہی ہے۔ بیڈ شیٹس' کشن اور ٹیکسٹائل کی دیگر اشیاء نمائش میں رکھی جا رہی ہیں' میں نے بھی وہاں اسٹال کیلئے درخواست جمع کرا دی ہے انشاءاللہ منظور ہو جائے گی پھر اگلے مہینے کے اینڈ میں جانا ہو گا' تم چلو گی؟'' نفیس نے تفصیل بتانے کے بعد پوچھا۔

''نہیں میرا موڈ نہیں ہے' آپ عینی کو لے جایئے گا' اس نے تو خواب میں بھی نہیں دیکھے ہوں گے آسٹریلیا اور اسپین''۔ کنول نے عینی کو دیکھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا تو نفیس ان کا طنز محسوس نہ کر سکے جبکہ عینی نے محسوس کیا تھا اور پھر بھی مسکرا رہی تھی۔ نفیس نے عینی سے پوچھا۔

''تم جاؤ گی اسپین؟''

''کب جانا ہے؟'' عینی نے پوچھا تو وہ خوش ہو کر بولے۔

''ہوں...... یہ کی نا اچھی بیوی والی بات' اگلے مہینے کے اینڈ کی کوئی تاریخ ہو گی' میں پہلے تمہاری ڈاکٹر سے کنسلٹ کروں گا اگر اس نے تمہیں اسپین تک کا سفر کرنے کی اجازت دے دی تو تم فوراً تیاری کر لینا' اوکے''۔

''اوکے''۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی اور کنول جل بھن کر رہ گئیں۔

''تم اگر اسپین گئیں تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا''۔ نفیس بچوں کو لے کر چلے گئے تو کنول نے عینی کے پاس آ کر تلخ لہجے میں کہا تو وہ اطمینان سے بولی۔

''یہ حقیقت تو مجھے اسپین جانے سے پہلے ہی معلوم ہے''۔

''بکواس بند کرو اور دفع ہو جاؤ یہاں سے''۔ کنول نے غصے سے کہا۔

''کنول آپا! اپنی عزت مٹی میں مت ملائیں' تمیز سے بات کریں''۔

''میں تم سے تمیز سے بات کروں گی' جس نے میرے شوہر پر قبضہ جما لیا' میری محبت پر قبضہ کر لیا''۔ وہ غصیلے اور کاٹ دار لہجے میں بولیں۔

''میں نے ایسا کچھ نہیں کیا کنول آپا! محبت قبضہ نہیں کرتی' نہ اس پر قبضہ کیا جا سکتا ہے اس لیے محبت کیلئے محبت ہی کافی ہوتی ہے''۔ عینی نے نرمی سے جواب دیا۔

''بہت تجربہ اور مطالعہ ہے تمہارا پھر تو تم نے یہ بھی سنا ہو گا کہ محبت کا آغاز جلنا اور انجام قتل ہے''۔ کنول نے طنزیہ تلخ اور خطرناک لہجے میں کہا۔

''میری محبت کے آغاز سے آپ نے جلنا شروع کر دیا ہے' اب قتل کسے کرنے کا ارادہ ہے؟'' عینی نے ان کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''بہت جلد پتا چل جائے گا تمہیں''۔ وہ سازشی انداز میں مسکراتے ہوئے بولیں اور اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

عینی ایک لمحے کو تو کانپ سی گئی۔

''اللہ مالک ہے''۔ پھر اس نے خود کو یہ کہہ کر تسلی دے لی۔

☆

''شوکت! آج میں نے بڑی بیگم صاحبہ کو چھوٹی بیگم صاحبہ سے بدتمیزی کرتے دیکھا''۔ زبیدہ جو ناشتے کے برتن اٹھانے آئی تھی مگر کنول کی باتیں سن کر دروازے پر ہی رک گئی تھی اور اب شوکت کو بتا رہی تھی۔

''بدتمیزی کیسی؟'' شوکت نے حیران ہو کر پوچھا۔

''مجھے لگتا ہے بڑی بیگم' چھوٹی بیگم سے نفرت کرتی ہیں''۔

''مگر وہ سامنے والی کوٹھی کا چوکیدار تو بتا رہا تھا کہ بڑی بیگم' عینی بی بی کو خود اپنی مرضی اور خوشی سے بیاہ کر لائی تھیں۔ نفیس صاحب اس لئے ان کی بہت قدر کرتے ہیں''۔ شوکت نے بتایا تو زبیدہ سنجیدگی سے بولی۔

''نفیس صاحب تو دونوں کی قدر کرتے ہیں' پر کنول بیگم دل سے عینی بیگم سے خوش نہیں ہیں' بھلا سوکن سے بھی

کوئی عورت خوش ہوئی ہے۔ مجھے تو عینی بیگم بہت اچھی لگتی ہیں' سوچتی ہوں کہیں کنول بیگم انہیں نقصان نہ پہنچا دیں''۔

''تو خوامخواہ وہم کر رہی ہے' دونوں بیگمات آپس میں سلوک سے رہتی ہیں اور عینی بیگم تو مجھے اپنی آمنہ جیسی لگتی ہیں' بہت مخلص اور معصوم بچی ہیں وہ' بس اب تو سو جا صبح کام بھی کرنا ہے' ایویں پریشان نہ ہو''۔ شوکت نے ڈپٹنے پن سے کہا تو زبیدہ سونے کیلئے لیٹ تو گئی مگر وہ دیر تک کنول اور عینی کے تعلق کے متعلق سوچتی رہی اور اس نے اب ارادے سے کنول اور عینی کی باتیں سننے کی ٹھان لی۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ کنول کس حد تک عینی کو تنگ کر سکتی ہیں اور عینی کتنی قصوروار ہے اس سارے معاملے میں۔ اب اگلے دن سے اس نے جلدی جلدی کام نمٹا کر اپنی یہ ڈیوٹی بھی شروع کر دی تھی۔

☆

''نفیس! آپ نے بتایا ہی نہیں تھا کہ وہ نئی کار کس کی ہے؟'' کنول نے انہیں ان کی گاڑی تک چھوڑتے ہوئے پوچھا تو انہوں نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

''وہ کار عینی کی ہے''۔

''عینی کی......'' کنول کا پورا بدن حسد کی آگ میں جل اٹھا۔

''ہاں' اس نے بی ایس سی میں دوسری پوزیشن حاصل کی تھی سو یہ کار میں نے اسے انعام کے طور پر گفٹ کر دی۔ تمہارے لئے بھی میں نے ایک کار پسند کی ہے تم شوروم جا کر دیکھ لینا' اگر تمہیں پسند ہو تو پے منٹ ہو جائے گی اگر پسند نہ ہو تو اپنی مرضی سے کوئی کار پسند کر لینا''۔ نفیس نے تفصیل سے بتاتے ہوئے انہیں شوروم کا کارڈ بھی تھما دیا۔

''بسوں کے دھکے کھانے والی کار کی مالک بن بیٹھی ہے' آہستہ آہستہ تم میری ہر چیز پر قابض ہوتی جا رہی ہو''۔ کنول' نفیس کے جاتے ہی عینی پر برس پڑیں تو اس نے آرام سے اخبار دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں بھی نفیس کی بیوی ہوں۔ اس گھر کی' ان کی کمائی اور محبت کی برابر کی حصے دار۔ میں نے آپ سے کبھی گلہ نہیں کیا اور نہ ہی نفیس سے یہ کہا کہ وہ آپ کو کچھ مت دیں' سوائے طلاق کے''۔

''کیا...... کیا کہا تم نے طلاق...... تم...... تم مجھے طلاق دلواؤ گی' ارے میں تو تمہیں طلاق کے قابل ثابت کر دوں گی' تمہارا یہ سارا آرام اور اطمینان غارت نہ کر دوں تو میرا نام بھی کنول نہیں''۔ غصیلے لہجے میں گرجیں۔

''میں آپ کی ہر بدتمیزی' ہر تہمت برداشت کر رہی ہوں' نفیس کو بتا نہیں رہی تو آپ اسے میری کمزوری سمجھ رہی ہیں''۔

''تم نفیس کو بتا بھی دو گی تب بھی گھاٹے میں رہو گی کیونکہ میں نے اپنا اعتماد ان پر قائم کر لیا ہے اور ایسا قائم کیا ہے کہ وہ تمہاری کسی بات پر کان نہیں دھریں گے''۔ وہ ہنس کر فاتحانہ انداز میں بولیں۔

''میں جانتی ہوں کہ بات بگڑنے پر آپ نے کس طرح جھوٹی کہانی گھڑ کر خود کو نفیس کی نظروں میں معتبر اور قابل اعتبار بنایا ہے' لیکن کب تک؟ ایک نہ ایک دن تو نفیس کو بھی آپ کی حقیقت معلوم ہو ہی جائے گی''۔

''اول تو ایسا ہو گا نہیں''۔ کنول نے بے حد اطمینان سے کہا۔

''اور اگر ہو بھی گیا تو تب تک میرا مقصد پورا ہو چکا ہو گا''۔

''حیرت ہوتی ہے مجھے آپ کو دیکھ کر' کہاں تو اپنا گھر بچانے کیلئے اپنے شوہر کو خوش دیکھنے کیلئے آپ میری منتیں کرتی رہیں' مجھے سمجھاتی رہیں کہ میں آپ کے شوہر سے شادی کر لوں' خود مجھے ان کے ساتھ جا کر بیاہ کر لائیں اور کہاں شادی کراتے ہی آپ کا رویہ ہی بدل گیا۔ خود کو نفیس کی نظروں میں عظیم اور اعلیٰ ظرف ثابت کر کے سرخرو بھی ہو

گئیں اور ساتھ ہی اپنی کم ظرفی اور دوغلے پن کا مظاہرہ فوراً ہی شروع کر دیا۔ میرے ہاتھوں کی مہندی کے اترنے کا بھی انتظار نہیں کیا آپ نے تو' نجانے اتنا عرصہ کیسے سیدھی نیک پروین بن کر چلتی رہیں آپ' دو چہرے ہیں آپ کے...... بہت بڑی اداکارہ ہیں آپ"۔ عینی نے انہیں دیکھتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں کہا تو وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑیں اور اپنا پرس اٹھا کر باہر چلی گئیں۔

"عینی باجی! میں آپ کا سر دبا دوں"۔ وہ لان میں بیٹھی تھی کہ آمنہ نے آکر پوچھا۔

"لیکن میرے سر میں تو درد نہیں ہے"۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"اماں نے کہا ہے کہ آپ کا سر دبا دوں' کنول بیگم صاحبہ کی باتیں سن کر آپ کا سر درد کرنے لگا ہوگا"۔ آمنہ نے سادگی سے کہا۔

"او...... تو زبیدہ بی بی کے کانوں میں ہماری گفتگو پہنچ گئی"۔ عینی نے دکھ سے کہا۔

"عینی باجی! آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں"۔ آمنہ نے خوشی سے بتایا۔

"تم بھی مجھے بہت اچھی لگتی ہو"۔ عینی نے مسکراتے ہوئے اس کا سنہری رنگت والا چہرہ دیکھا۔

"سچی باجی"۔ وہ خوش ہو کر بولی۔

"ہاں"۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کے لیے یخنی لے کر آتی ہوں اماں نے بنالی ہوگی"۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی اور تیزی سے اندر کی طرف قدم بڑھا دیے۔

☆

نفیس نے عینی کا چیک اپ کرایا تو ڈاکٹر نے اسے اسپین لے جانے کا مشورہ بھی کیا مگر ڈاکٹر نے اسے اتنا لمبا سفر کرنے کی اجازت نہیں دی' سو عینی نے گھر آکر نفیس کا سوٹ کیس تیار کرایا' ان کی ضرورت کی تمام چیزیں اور کاغذات وغیرہ رکھ دیئے اور پھر ان سے سونے سے پہلے کہنے لگی۔

"نفیس! اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو آپ کے اسپین سے واپس آنے تک میں امی کے ہاں رہ لوں"۔

"مجھے بھلا کیوں اعتراض ہوگا' اچھا ہے وہاں تمہارا بھی دل بہل جائے گا اور وہ سب بھی خوش ہو جائیں گے اور ایک ہفتے کی تو بات ہے میں تمہیں روز فون کروں گا' تم اپنا خیال رکھنا اور میری کامیابی کیلئے دعا کرنا"۔ نفیس نے اسے پیار سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ خوش ہو کر بولی۔

"تھینک یو"۔

نفیس کو وہ اپنی گاڑی میں ایئرپورٹ ڈراپ کرنے گئی تھی۔ کنول اور بچے دوسری گاڑی میں تھے۔ انہیں الوداع کہنے کے بعد وہ اپنی کار میں سیدھی "عظیم ہاؤس" آگئی اور کنول ہاتھ ملتی رہ گئیں۔ انہوں نے نفیس کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھانے کا جو پلان بنایا تھا وہ دھرے کا دھرا رہ گیا تھا۔

"کب تک بچو گی عینی بی بی؟" کنول نے دانت پیستے ہوئے کہا اور بچوں کو لے کر گھر آگئیں۔

☆

ایک ہفتہ پلک جھپکتے گزر گیا۔ نفیس' عینی کو بھی روز فون کرتے رہے تھے اور اسے معلوم تھا کہ نفیس نے آج آنا ہے' سو وہ تیار ہو کر اپنی گاڑی میں نعیم بھائی کے ساتھ ایئرپورٹ پر انہیں ریسیو کرنے پہنچ گئی۔ ان کے لیے گجے بھی اس نے ہاتھوں میں پکڑ رکھا تھا اور آنکھیں نفیس کو دیکھنے کیلئے بے تاب ہو رہی تھیں۔

"سارے مسافر چلے گئے' نفیس کہاں ہیں؟" عینی نے فکرمند ہو کر نعیم بھائی سے پوچھا۔

"تمہارے پاس ہیں"۔ نفیس کی آواز اس کے پیچھے سے آئی تھی۔

"نفیس"۔ وہ ڈر کر پیچھے مڑی تو انہیں دیکھ کر اس کا سانس بحال ہوا۔

"جی میری جان"۔ وہ نعیم بھائی کی موجودگی کی پرواہ کیے بغیر بہت محبت سے بولے۔

"کہاں رہ گئے تھے آپ' ہم کب سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں"۔ وہ انہیں دیکھتے ہی خوشی سے مسکراتے ہوئے بولی۔

"تو کیسا لگا انتظار؟" وہ اس کی کیفیت سے محظوظ ہوتے ہوئے بولے۔

"بہت طویل اور پریشان کن بھی' خوش کن بھی"۔

"تو تم مجھے ایسا انتظار کبھی مت کرانا"۔ وہ محبت سے بولے۔

"آہم......" نعیم بھائی نے گلا صاف کرتے ہوئے اپنی موجودگی کا احساس دلایا تو وہ ہنس پڑے اور ان سے بغلگیر ہو گئے۔

"کیا حال ہے نعیم؟ پھپھو جان' بھابی' بچے' ردا سب کیسے ہیں؟"

"سب خیریت سے ہیں اور تمہاری خیریت کیلئے دعاگو ہیں"۔ وہ ہنس کر بولے۔

"اللہ کے فضل و کرم اور آپ سب کی دعاؤں سے میں خیریت سے ہوں' اب گھر چلیں"۔ نفیس نے عینی کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"چلیں"۔ وہ سامان لے کر باہر آگئے۔ نعیم بھائی نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ راستے میں اسپین اور کراچی کی باتیں کرتے رہے۔ "نفیس ولا" کے قریب ان کی گاڑی پہنچی تو کنول گاڑی میں باہر جا رہی تھیں' انہیں آتا دیکھ کر گاڑی واپس موڑ لی۔ نعیم بھائی نے گاڑی اندر لا کر روش پر روک دی۔

"السلام علیکم بیگم صاحبہ! کیسی ہیں آپ اور کہاں جانے کی تیاری ہے؟" نفیس نے کنول کے پاس آکر خوشدلی سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"آپ کو لینے ہی جا رہی تھی کہ گاڑی کا ٹائر عین وقت پر پنکچر ہو گیا' اس کے ٹھیک ہونے میں وقت گزر گیا۔ سوری میں بروقت ایئرپورٹ نہیں پہنچ سکی"۔ کنول نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

"اٹس آل رائٹ' عینی اور نعیم مجھے لینے آگئے تھے"۔ نفیس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہیلو نعیم بھائی! کیا حال ہے؟" کنول نے مسکراتے ہوئے انہیں مخاطب کیا تھا مگر اندر سے غصے میں جل رہی تھیں۔ عینی کا نفیس کو ایئرپورٹ سے لے کر آنا انہیں بہت برا لگا تھا' اپنی ہتک محسوس ہو رہی تھی انہیں۔

"اللہ کا کرم ہے بھابی! آپ سنائیں"۔ نعیم بھائی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اندر چل کر احوال سنائیں' یہاں تو بہت ٹھنڈ ہے بھئی"۔ نفیس نے نعیم بھائی کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا اور سب اندر چلے گئے۔

"تم نفیس کو ایئرپورٹ لینے کیوں گئی تھیں؟" پہلی فرصت میں کنول نے عینی سے بازپرس شروع کی تو وہ مسکرا کر بولی۔

"کیونکہ وہ میرے شوہر ہیں اور انہوں نے مجھے ایئرپورٹ آنے کیلئے کہا بھی تھا"۔

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ آج آ رہے ہیں؟"

''وہ مجھ سے فون پر رابطہ رکھتے ہیں' کل فون پر انہوں نے اپنی آمد کا ذکر کیا تھا''۔ اس نے اپنا بستر سیٹ کرتے ہوئے مدھم لہجے میں بتایا۔

''رابطہ تو وہ تم سے اب کبھی بھی نہیں رکھیں گے''۔ کنول نے سازشی انداز میں کہا اور اسے پریشانی میں چھوڑ گئیں۔

☆

''کھانا تیار ہے سرتاج! تشریف لے آیئے''۔ عینی نے دوپہر کو نفیس کیلئے اپنی پسند سے کھانا خود پکایا تھا۔ ٹیبل پر کھانا لگانے کے بعد اس نے انہیں بطور خاص آواز دے کر کہا۔

''آجاؤ بھئی بچو! آج بہت دن بعد آپ کی ماما کے ہاتھ کا پکا کھانا کھانے کو مل رہا ہے' واؤ میری من پسند ڈشز پکی ہیں' تھینک یو عینی ڈیئر''۔ نفیس' روشی اور شان کے ساتھ کھانے کی میز پر آ گئے اور پکوان پر نظر ڈال کر بولے۔

''یو آر آل ویز ویلکم''۔ عینی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یہ کنول کہاں رہ گئیں؟ کنول! آجاؤ بیوی کھانا ٹھنڈا ہو جائے گا''۔ نفیس نے وہیں بیٹھے بیٹھے انہیں آواز دے کر کہا تو وہ چند سیکنڈ بعد منہ پھلائے چلی آئیں۔ سب نے کھانا شروع کر دیا' نفیس بریانی کھاتے ہوئے بولے۔

''عینی جانو! ایک وقت میں ایک ڈش پکایا کرو' میں تو دو بھی بمشکل کھا پاتا ہوں' ایک ہی اتنی لذیذ ہوتی ہے کہ دوسری کیلئے گنجائش نہیں رہتی''۔

''ایسی محبت بیماری کا سبب بھی بن سکتی ہے''۔ کنول نے طنز سے کہا' وہ کم کم لقمے کھا رہی تھیں۔

''ایسے ہی' اللہ انہیں سلامت اور صحت مند رکھے''۔ عینی نے نفیس کو دیکھتے ہوئے دل سے دعا کی تو وہ اسے محبت سے دیکھتے ہوئے مسکرا دیئے۔

''میرے سر میں درد ہو رہا ہے میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں''۔ کنول نے کرسی کھسکا کر کھڑے ہو کر کہا' عینی ان کے دردِ سر کا سبب خوب سمجھ گئی تھی مسکرا دی۔

''کھانا تو کھا لو پھر کوئی ٹیبلٹ لے لینا''۔ نفیس نے کہا۔

''نہیں میں سونا چاہتی ہوں' آپ کھائیں کھانا' آپ کی پسند کا مینو ہے''۔

''یہ تو ہے''۔ وہ مسکراتے ہوئے اچار گوشت کی ڈش اٹھانے لگے۔

''نفیس! میری بات سنیں''۔ عینی نے کھانے سے فارغ ہو کر ان سے کہا۔

''آپ ہی کی بات سن رہے ہیں ارشاد کیجئے''۔ وہ اس کے چہرے پر نظریں جما کر بولے۔

''کنول آپا کا سر درد کر رہا ہے آپ ان کے پاس جائیں' ان کا دھیان بٹ جائے گا''۔

''میں گیا تھا کمرے میں وہ سو رہی تھیں''۔

''کوئی بات نہیں دوبارہ چلے جائیں''۔ عینی نے ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا۔

''اوکے' عینی تم بہت سمجھدار ہو''۔ نفیس اس کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے بولے اور اس کا ہاتھ ہونٹوں سے لگا کر کنول کے کمرے میں چلے گئے اور وہ روشی اور شان کے ساتھ باتیں کرنے لگی۔ ان کا اسکول کا کام چیک کرنے اور انہیں پڑھانے میں مصروف ہو گئی۔ مگر عینی کی پیشانی پر ایک شکن تک نہ آئی اور نہ ہی اسے جلن یا حسد محسوس ہوا۔ وہ دل کے معاملے میں بھی عقل سے کام لینے کی قائل تھی۔ اب اسے اپنی عقل سے اپنے گھر کو بچانا تھا۔

☆

وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ عینی کی صحت تو بہت اچھی تھی مگر ذہنی طور پر وہ ہر وقت کنول کے طنزیہ اور کاٹ

دار جملوں سے پریشان رہتی تھی۔ روشی' شان اور آمنہ کو وہ شام کو باقاعدگی سے پڑھاتی تھی' چھٹی والے دن نفیس کیلئے خود کھانا پکاتی تھی' نفیس اس کا بہت خیال رکھ رہے تھے' اسے کام نہیں کرنے دیتے تھے' لیکن ان کے کام کر کے اسے بہت خوشی محسوس ہوتی تھی اور وہ کوکنگ تو کر ہی لیتی تھی۔ اس عرصے میں اسے گھر سے بھگانے کی جتنی بھی ترکیبیں کنول نے آزمائیں' عینی نے صبر اور برداشت سے ان کا مقابلہ کیا' نفیس کو خبر تک نہیں ہونے دی۔

''اے لڑکی! اٹھو یہاں سے اور جا کر کام کرو' ہم نے تمہیں یہاں کام کاج کیلئے رکھا ہے پڑھائی کرانے کیلئے نہیں''۔ کنول نے آمنہ کو عینی کے پاس کتابیں لے کر سبق لیتے دیکھا تو غصیلے اور حاکمانہ لہجے میں بولیں۔

''بیگم صاحبہ! کام تو سارا کر لیا ہے میں نے اماں کے ساتھ مل کر' یہ تو میرے پڑھنے کا وقت ہے''۔ آمنہ نے مدھم آواز میں بتایا۔

''تم نے پڑھ لکھ کر کون سا ملک کی باگ ڈور سنبھالنی ہے برتن ہی مانجھنے ہیں''۔

''کنول آپا! آپ کو آمنہ کی انسلٹ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے' پڑھنا اس کا حق ہے اور میں اسے پڑھا رہی ہوں' آپ کا کیا نقصان ہو رہا ہے؟'' عینی نے سنجیدگی سے کہا۔

''میرا نقصان تم کر بھی نہیں سکتیں' اپنی خیر مناؤ''۔ کنول نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''صاحب آ گئے ہیں عینی باجی!'' آمنہ نے ڈرائنگ روم کی کھڑکی سے باہر نظر پڑتے ہی نفیس کو گاڑی سے اترتے دیکھ کر بتایا تو کنول نے آمنہ سے سخت لہجے میں کہا۔

''چلو لڑکی! جا کر چائے کا انتظام کرو اور عینی بی بی! تم اپنے کمرے میں دفع ہو جاؤ''۔

''عینی باجی! کنول بیگم بہت بری اور ظالم لگتی ہیں' مجھے بالکل اچھی نہیں لگتیں''۔ آمنہ نے اسے اس کے کمرے میں لاتے ہوئے مدھم آواز میں کہا۔

''چپ اگر انہوں نے سن لیا تو شامت آ جائے گی تمہاری اور نوکری سے بھی فارغ کر دیں گی تم لوگوں کو۔ جاؤ جا کر چائے کا انتظام کرو''۔ عینی نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا تو وہ ''جی بہتر'' کہہ کر کمرے سے نکل گئی۔

''ہیلو ہیلو بھئی کہاں ہیں سب لوگ''۔ نفیس نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھتے ہی سب کو پکار کر کہا۔

''السلام وعلیکم پاپا!'' روشی اور شان کتابیں چھوڑ کر ان سے آ کر لپٹ گئے۔

''وعلیکم السلام! کیا ہو رہا تھا؟'' انہوں نے انہیں پیار کر کے پوچھا۔

''پڑھائی''۔ دونوں نے ایک ساتھ بتایا۔

''شاباش''۔ وہ خوش ہو کر بولے۔

''بہت خوش ہیں آج آپ' کوئی خاص بات ہے''۔ کنول نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''بالکل خاص بات ہے جناب! ہمارے کام کی کوالٹی اور جدت نے ایوارڈ حاصل کیا ہے۔ ہمیں مزید کام کے بہت بڑے آرڈرز ملے ہیں اور ایک غیر ملکی کمپنی کے ساتھ ہمارا کانٹریکٹ بھی سائن ہو گیا ہے''۔ نفیس نے خوشی سے مسکراتے ہوئے بتایا۔

''یہ تو بہت خوشی کی بات ہے' آپ کو بہت مبارک ہو''۔ کنول نے خوش ہو کر کہا۔

''شکریہ' اب سب جلدی سے تیار ہو جائیں اس خوشی میں آج میں آپ سب کو لانگ ڈرائیو پر لے جاؤں گا اور اس کے بعد ہم ڈنر اکٹھے کسی اچھے سے ہوٹل میں کریں گے''۔ نفیس نے دونوں بچوں کی کمر تھپک کر کہا۔

"ہرے...... آج مزہ آئے گا ہم ابھی تیار ہوتے ہیں"۔ دونوں خوش ہو کر اپنے کمرے کی طرف بھاگے تو وہ دھیرے سے ہنس دیئے' پھر عینی کو موجود نہ پا کر کنول سے پوچھا۔

"عینی کہاں ہے؟"

"اپنے کمرے میں ہے"۔ کنول نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

"اس کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟" ان کے لہجے میں فکر تھی جو کنول کیلئے ناقابل برداشت تھی۔

"کچھ دیر پہلے تک تو ٹھیک ہی تھی"۔

"تم اسے بھی تیار ہونے کا کہہ دو' سب اکٹھے جائیں گے"۔

"آپ چینج کر لیں میں عینی کیلئے کپڑے نکال کر اور اسے تیار ہونے کا کہہ کر آتی ہوں"۔ کنول نے نرم اور مسکراتے لہجے میں کہا۔

"یہ ٹھیک ہے"۔ وہ مسکراتے ہوئے تیار ہونے کیلئے چل دیئے۔ اور کنول عینی کے کمرے میں چلی آئیں۔ وہ باہر ہونے والی گفتگو سے بے خبر تھی۔

"ہر وقت کتابیں نہ پڑھتی رہا کرو' آرام بھی کر لیا کرو' چلو لیٹ جاؤ بلکہ سو جاؤ"۔ کنول نے اس کے ہاتھ سے کتاب لے کر سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے نرم لہجے میں کہا تو وہ حیران ہو کر صرف اتنا بولی۔

"جی"۔

"ہم لوگ باہر ڈنر کریں گے تم کھانا کھا لینا"۔ کنول نے تیزی سے کہا اور خود تیار ہونے کیلئے کمرے میں آ گئیں۔ نفیس منہ ہاتھ دھو کر فریش ہو چکے تھے۔

"عینی کا موڈ نہیں ہے ہمارے ساتھ چلنے کا' کہہ رہی ہے میں مصروف ہوں"۔ کنول نے بہت دھڑلے سے نفیس کے سامنے جھوٹ بولا۔

"اچھا تم تو تیار ہو جاؤ' میں دیکھتا ہوں عینی کو"۔ وہ اپنی حیرت چھپا کر نرمی سے بولے' وہ مسکراتی ہوئی وارڈروب کی طرف بڑھ گئیں۔

نفیس' عینی کے کمرے میں داخل ہوئے تو اسے سوچوں میں گم بیٹھے دیکھا' وہ ان کی آہٹ پا کر سوچوں کی وادی سے باہر نکل آئی اور انہیں دیکھتے ہی مسکراتے ہوئے بولی۔

"السلام وعلیکم!"

"وعلیکم السلام...... کیسی طبیعت ہے؟"

"بالکل ٹھیک ہے"۔ اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا بہت مصروف ہو؟" نفیس اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھ رہے تھے' اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"نہیں تو"۔

"تو میرے ساتھ چل کیوں نہیں رہیں؟"

"کہاں؟" اس نے پوچھا۔

"ڈنر پر"۔ وہ حیران ہو کر بولے۔

"آپ کہیں اور ہم حکم عدولی کریں' ایسا کیسے ممکن ہے"۔ وہ مسکراتے ہوئے محبت سے بولی۔

"تو تم چل رہی ہو"۔ وہ بولے۔

"بالکل لیکن......"

"لیکن کیا؟" انہوں نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا تو وہ جھجکتے ہوئے نظریں جھکا کر بولی۔

"اس حالت میں باہر ڈنر کیلئے جانا مجھے عجیب سا لگے گا"۔

"اس میں عجیب کیا ہے' چلو اٹھو تیار ہو جاؤ' کم آن"۔ انہوں نے اس کا بازو پکڑ کر پیار سے کہا۔

"آج پھر کوئی کامیابی ملی ہے ناں"۔ عینی نے مسکراتے ہوئے ان کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"ہاں' تمہارے اس قلم سے آج ایک بہت بڑا کانٹریکٹ سائن کیا ہے اور "بیسٹ ٹیکسٹائل گڈز" کا ایوارڈ بھی اسپین اور اٹلی سے ملا ہے' ہمیں' منیجر اور مارکیٹنگ سپروائزر کا اسپین سے فون آیا تھا"۔ نفیس کو عینی نے قلم گفٹ دیا تھا جسے بہت محبت سے نفیس نے سنبھال لیا تھا۔

"آپ کو بہت بہت مبارک ہو نفیس! اللہ آپ کی کامیابیوں کا معیار ہمیشہ برقرار رکھے"۔

"اور ہمارا پیار بھی"۔ نفیس نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا اور اس کے سامنے بیٹھ گئے۔

"آمین!" اس نے مسکراتے ہوئے دل سے کہا اور سائیڈ ٹیبل کی دراز سے ایک پیکٹ نکال کر ان کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ ہے آپ کا انعام' آپ کا گفٹ"۔

"تمہیں پہلے سے خبر ہو جاتی ہے کیا میری کامیابی کی؟" انہوں نے پیکٹ لے کر حیرت اور مسرت سے مسکراتے ہوئے پوچھا تو وہ ہنس پڑی۔

"یہی سمجھ لیجئے"۔

"او گاڈ...... عینی! ریئلی سویٹ ہارٹ مجھے آج کل پیپرز سنبھالنے میں بہت مشکل ہو رہی تھی اور میں نیا پیپر ویٹ منگوانا چاہ رہا تھا۔ اٹس بیوٹی فل۔ تمہیں کیسے پتا چلا کہ مجھے پیپر ویٹ کی ضرورت ہے؟" نفیس نے پیکٹ کھول کر ڈبہ کھولی تو اس میں دل کی شکل کا سفید جگمگاتا پیپر ویٹ موجود تھا۔ اس میں ساتوں رنگوں کے دل کی شکل کے چمکیلے موتی تیر رہے تھے۔ نفیس کو یہ گفٹ دل سے پسند آیا تھا جبھی بہت خوش ہو کر پوچھ رہے تھے اور وہ مسکرا رہی تھی۔

"نفیس! میرے دل میں بھی آپ کی محبت کے یہ سارے رنگ موجود ہیں' پلیز ان رنگوں کو بکھرنے مت دیجیے گا"۔ عینی نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر نرم اور مدھم لہجے میں کہا۔

"نفیس خود نہیں بکھر جائے گا ایسا کر کے' یقین رکھو جان! ایسا کبھی نہیں ہو گا آئی ریئلی لو یو"۔ نفیس نے اس کا ہاتھ چوم کر محبت سے اسے یقین دلاتے ہوئے کہا۔

"بس مجھے یہی سننا تھا"۔ وہ مطمئن اور مسرور ہو کر بولی۔

"یہ تو تم ہر وقت سن سکتی ہو' سناؤں......" وہ مسکراتے شریر لہجے میں بولے۔

"آج اتنا ہی بہت ہے' اب جائیں بچے آپ کو بلا رہے ہیں"۔

"تم تو چلو ناں"۔

"نہیں پلیز...... خفا مت ہوئیے گا' اس کنڈیشن میں باہر جانا مجھے بہت عجیب لگے گا"۔ اس نے بہت محبت سے ان کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا' اس کا انداز ہی ایسا تھا کہ نفیس مزید اصرار نہ کر سکے اور مسکراتے ہوئے بولے۔

"او کے ٹھیک ہے تم آرام کرو کل تمہیں ڈاکٹر عاصمہ کے پاس چیک اپ کیلئے بھی لے جانا ہے تیار رہنا میں آفس سے آ کر لے جاؤں گا اور کھانا ضرور کھالینا ہم جلدی آ جائیں گے پریشان مت ہونا موبائل اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں کوئی بات ہو تو مجھے موبائل پر فون کر لینا ٹھیک ہے"۔

"آپ تو ایسے ہدایات دے رہے ہیں جیسے آپ ڈنر کیلئے لندن جا رہے ہیں"۔ وہ ان کی محبت اور فکرمندی دیکھ کر خوشی سے ہنس کر بولی۔

"ہاں تو نہیں دی ہوتی نہ مجھے بے پناہ محبت اور نہ بستیں تم میرے دل کے نہاں خانوں میں تو مجھے تمہاری اس طرح فکر بھی نہ ہوتی میں کہیں بھی چلا جاؤں مجھے تمہاری فکر لگی رہتی ہے میرا دھیان تمہاری طرف ہی رہتا ہے"۔ وہ محبت سے اسے دیکھتے ہوئے نرم اور شہد آگیں لہجے میں بولے تو وہ خوشی اور حیا کے رنگ چہرے پر سجائے مسکرانے لگی۔

"ٹیک کیئر"۔ نفیس نے اسے آرام سے بستر پر لٹا دیا اور ان تینوں کے ساتھ ڈنر پر چلے گئے۔

عینی کی وجہ سے وہ ڈنر کرتے ہی گھر آ گئے تھے۔ کنول کو اس بات کا بہت غصہ تھا۔ عینی کی حالت کے پیش نظر نفیس رات کو اس کے پاس ہی سوئے تھے اور کنول نے جلتے سلگتے رات گزاری تھی اور لندن اپنی ممی کو فون کر کے ساری صورتحال سے آگاہ بھی کر دیا تھا اور انہیں اپنے پاس بلایا تھا۔

◆..........☆..........◆

تین دن بعد سلمیٰ بیگم "نفیس ولا" میں موجود تھیں۔ نفیس فیکٹری میں تھے۔ عینی باہر لان میں ٹہل رہی تھی جبھی کنول کے ساتھ گاڑی سے سلمیٰ بیگم برآمد ہوئیں تو عینی کا دل آنے والے خطرات کے خیال سے سہم گیا پاؤں میں لرزش آ گئی۔

"کیسی ہو میری بیٹی کی سوکن؟ ابھی تک یہاں موجود ہو کوئی بات نہیں اب میں یہاں آ گئی ہوں تمہارے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے کیلئے تو بہ تم تو بہت ہی ڈھیٹ ہو کسی بات کا اثر نہیں ہوا تم پر مگر اب تو بہت گہرا اثر ہو گا"۔ سلمیٰ بیگم نے عینی کو دیکھتے ہی زہر اگلنا شروع کر دیا وہ بے دم سی ہو گئی دل ڈوب گیا۔

"چلیں ممی! آپ پہلے فریش ہو جائیں اس سے تو بعد میں نبٹ ہی لیں گے"۔ کنول نے کاٹ دار اور خطرناک لہجے میں کہا اور اس پر ایک تنفر بھری نگاہ ڈال کر دونوں اندر چلی گئیں۔ عینی نے بے بسی سے نگاہ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور گہرا طویل سانس ہونٹوں سے خارج کیا۔

"السلام وعلیکم بیگم جان!" نفیس نے اس کے پیچھے سے آ کر سلام کیا۔

"وعلیکم السلام"۔ اس نے مڑ کر انہیں دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"طبیعت کیسی ہے؟" نفیس نے محبت سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھیک ہے"۔ وہ بولی۔

"تو چہرہ زرد کیوں ہو رہا ہے؟" نفیس نے اس کے چہرے کو دیکھا۔

"سلمیٰ آنٹی آ گئی ہیں"۔ اس نے مدھم آواز میں بتایا۔

"او آئی سی تم سے کچھ کہا انہوں نے؟"

"اب تو وہ کچھ کرنے کے ارادے سے یہاں آئی ہیں"۔ عینی نے معنی خیز بات کہی۔

"مثلاً" وہ بولے تو اس نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا اور دکھائے گا"۔

"عینی! ڈونٹ وری...... میں ہوں ناں تمہارے ساتھ پلیز پریشان مت ہوا کرو تمہارے لئے اور بچے کیلئے ٹھیک نہیں ہے یہ اب تو دن بھی تھوڑے رہ گئے ہیں۔ ڈاکٹر عاصمہ نے کتنی تاکید کی تھی کہ خوش رہنا ہے آرام اور احتیاط کرنا ہے اور اب تم واک اکیلے مت کیا کرو آمنہ یا بچوں میں سے کسی کے ساتھ کیا کرو خدانخواستہ اچانک تمہیں کچھ ہو جائے سر چکرا جائے تو سنبھالنے والا بھی تو موجود ہونا چاہیے ناں"۔ نفیس نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بہت پیار سے فکرمندی سے کہا۔

"آپ اتنی فکر کیوں کرتے ہیں میری میں بچی تھوڑی ہوں"۔ عینی نے محبت سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرے لئے تو ہو"۔ نفیس نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ خوشدلی سے ہنس دی۔

"یہ دیکھو میں تمہارے لئے کتنا خوبصورت گفٹ لایا ہوں یادگار گفٹ ہے یہ"۔ نفیس نے اپنے ہاتھ میں پکڑا پیکٹ اسے دیتے ہوئے کہا۔

"کھول کر دیکھ لوں"۔ عینی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ضرور"۔ وہ مسکرائے تو عینی نے سجاوٹی کاغذ کھڑے کھڑے اتار دیا اس میں سے فیملی سائز عنابی رنگ کے مخملی کور والا فوٹو البم نکلا۔ عینی نے البم کھولا تو اسکے پہلے صفحے پر اس کی اور نفیس کی شادی کی چار تصاویر لگی نظر آئیں دو دولہا دلہن بنے الگ الگ تھیں اور دو میں وہ اکٹھے بیٹھے تھے۔

"یہ دلہن میں ہوں نفیس!" وہ اپنی تصویر دیکھ کر حیرت اور مسرت سے بولی۔

"نہیں برابر والی پڑوسن ہے"۔ نفیس نے مذاق سے کہا تو وہ ہنس پڑی۔

"ماشاءاللہ کتنی پیاری ہے"۔

"شریر"۔ نفیس نے محبت سے ہنستے ہوئے اس کے سر پر نرمی سے ہلکی سی چپت لگائی۔

"چشم بددور بہت پیارے لگ رہے ہیں آپ آپ کی آنکھیں بھی بہت خوبصورت ہیں"۔ عینی نے نفیس کی تصویر کو چاہت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے دل سے کہا۔

"یہ تمہیں آج معلوم ہوا ہے وہ بھی میری تصویر دیکھ کر"۔ وہ خوش ہو کر بولے۔

"جی نہیں معلوم تو مجھے اسی دن ہو گیا تھا جس دن آپ کی ان آنکھوں نے مجھے پہلی بار پیار سے دیکھا تھا"۔ عینی نے ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے شرمیلی مسکان لبوں پر سجا کر کہا۔

"تو گویا تمہیں پیدائش کے تین گھنٹے بعد ہی معلوم ہو گیا تھا ہیں"۔ وہ ہنس کر بولے تو اسے بھی ہنسی آ گئی اور پھر اس نے مزید صفحات پلٹے تو ان کی ہنی مون کی بہت ہی دلنشیں تصاویر سامنے آنے لگیں۔ ایک تصویر میں وہ نفیس کے شانے پر سر رکھے ان کے ساتھ لگی بیٹھی تھی برفباری ہو رہی تھی اور یہ تصویر اسے اسی جگہ اسی ماحول میں لے گئی اسکے ہونٹوں پر مسکراہٹ سج گئی تھی۔

"کہاں چلی گئیں؟" نفیس نے اس کے شانوں کے گرد اپنا بازو پھیلاتے ہوئے پوچھا۔

"وہاں جہاں یہ تصویریں کھنچوائی تھیں"۔ وہ خوشی اور حیا سے مسکراتے ہوئے بولی۔

"دوبارہ چلو گی؟" انہوں نے محبت اور شرارت سے اسے دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

(جاری ہے)

◆..........☆..........◆

نجف بتول

افسانہ

جیت محبت کی

''ثوبان! فار گاڈ سیک''۔ زہرہ اس کی بے سُری آواز پر جھنجھلا اٹھی تھی۔

''افوہ پتہ نہیں تم کیسی ہو، ہر وقت سڑی رہتی ہو، ہر وقت منہ پر بارہ کیوں بجے رہتے ہیں؟ جب بھی دل کرتا ہے تم سے بات کرنے کو تو تمہارے منہ کی طرف دیکھ کر ویسے ہی بات کرنے والا انسان خاموش ہو جاتا ہے''۔ ثوبان فوراً خفگی بھرے انداز میں بولا تھا۔

''میں نہیں ہوں ایسی لڑکی، مجھے سوبر گریس فل پرسنیلٹی اچھی لگتی ہے۔ یہ تمہارا ہر وقت کا بولنا، ہنسی مذاق اور گانے گاتا...... اچھا مان لیتی ہوں کہ تمہارا دل کر رہا ہے گانا گانے کو تو چلو کوئی سُر تو اچھا لگاؤ''۔ وہ منہ پھلا کر بولی۔

''زہرہ بی بی! آپ کی آواز تو جیسے بہت خوبصورت ہے، ہاں یاد آیا نور جہاں تو تمہاری اچھی دوست ہیں''۔ وہ اسے تنگ کر رہا تھا۔

''اچھا جی اگر میری آواز نور جہاں جیسی نہیں تو میں گاتی بھی نہیں''۔ وہ بول کر رخ موڑ گئی۔

ساول شاہ راجن پور کا بہت بڑا زمیندار تھا اور سید خاندان سے تھا۔ سارے گاؤں والے آغا جی کے نام سے پکارتے تھے۔ ساول شاہ کے تین بچے تھے، دو بیٹے اور ایک بیٹی۔ بلاول شاہ سب سے بڑا بیٹا تھا اور پھر دلاور شاہ اور منزہ شاہ۔ ساول شاہ نے اپنی مرضی سے بلاول شاہ کی شادی اپنے بھائی کی بیٹی شبانہ سے کر دی جس پر بلاول شاہ کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔ دلاور شاہ کی شادی اپنے دوسرے بھائی کی بیٹی



صفیہ بیگم سے کر دی جن کے دو بیٹے ثوبان شاہ اور سالار شاہ تھے اور منزہ شاہ کی شادی اپنے خاندان میں یاور شاہ سے کر دی جن کی ایک ہی بیٹی تھی حیا فاطمہ۔ بڑے بیٹے بلاول شاہ کا ایک بیٹا خاور شاہ اور ایک بیٹی زہرہ شاہ تھی۔ ساول شاہ کے دونوں بیٹے ساول شاہ کی حویلی میں ہی رہتے تھے اور دونوں بیٹے خوش باش زندگی بسر کر رہے تھے۔

☆

"ثوبان شاہ! اگر تم تھوڑی دیر کے لیے فارغ ہو تو بازار چلیں، میں نے شاپنگ کرنی ہے"۔ کمرے میں آتے ہی زہرہ نے پوچھا۔

"نہ جی میں تو فارغ نہیں ہوں، تم ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤ"۔ ٹی وی دیکھتے ہوئے ثوبان شاہ نے کہا۔

"کیا مصروفیت ہے تمہاری؟ یہاں بیٹھ کے تم مینڈک کا تماشا دیکھ رہے ہو جو تم فارغ نہیں"۔ اس نے دیکھا کہ اس نے تو اس طرح ماننا نہیں ہے تو چلو منت کر کے دیکھ لیتی ہوں۔

"ثوبان! تم میرے بہت پیارے دوست ہو اور تم نے کبھی مجھے انکار نہیں کیا' آج کیا ہوا ہے؟ مجھے ضروری کام ہے لے چلو ناں"۔

"وہ پرانی کہاوت نہیں ہے کہ عورت کے دماغ میں عقل کی جگہ خالی ہے' چاہے تو بادشاہ پر دل ہار جائے اور دماغ چلے تو محل چھوڑ کر کوڑے کے ڈھیر پر پڑے مرد کو بھی دل دے بیٹھتی ہے"۔

"شاہ جی! پہلے اپنی اوقات دیکھو کسی کیڑے مکوڑے سے زیادہ حیثیت نہیں ہے جو میرے قدموں تلے نجانے کتنی بار کچلا جاتا ہے' کس نے تم سے کہا میں تم پر دل ہار گئی ہوں؟ اپنی شکل دیکھی ہے کبھی آئینے میں' بالکل مینڈک جیسے لگتے ہو"۔ وہ اس کا مذاق اڑا رہی تھی۔

"اچھا جی! ابھی جو تم میری منت کر رہی تھیں' تم بھی کبھی فارغ وقت میں آئینے میں شکل دیکھنا' چھپکلی لگتی ہو"۔ ثوبان شاہ کی عادت تھی کبھی کسی کا ادھار نہیں رکھتا تھا۔ وہ پیر پٹختی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔

"بابا جان! میں نے آپ سے ایک بات کرنی ہے"۔ بلاول شاہ کسی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے تو خاور شاہ نے بات شروع کی۔

"ہاں کرو' خیر تو ہے"۔

"بابا جان! میں عالیہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں"۔

"خاور شاہ! تم سوچ سمجھ کر بات کیا کرو' تم نہیں جانتے کہ ہم غیر خاندان میں کبھی شادی نہیں کرتے"۔ وہ غصے سے بولے۔

"بابا جان! آپ ایک دفعہ عالیہ سے مل لیں' وہ بہت اچھی لڑکی ہے"۔

"خاور شاہ! اپنے باپ کے سامنے ایسی بات کرتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہیے"۔ وہ غصے سے دھاڑے۔

"یہ لڑکی کون ہے' کہاں رہتی ہے' کس خاندان سے ہے؟" بلاول شاہ نے ایک سانس میں اتنے سوال پوچھ لئے کہ خاور شاہ کی ہوائیاں اڑ گئیں اور چہرہ سرخ ہو گیا۔ خاور شاہ نے ہمت کر کے بلاول شاہ کو عالیہ کے بارے میں بتایا۔

"خاور شاہ! اس ٹاپک پر آج کے بعد بات نہیں ہو گی' اب تم اپنے کمرے میں جا سکتے ہو"۔ خاور شاہ اٹھ کر کمرے سے چلا گیا۔

☆

شبانہ کام سے فارغ ہو کر کمرے میں آئیں تو بلاول شاہ پریشانی سے کمرے میں چکر لگا رہے تھے۔

"شاہ جی! کیا ہوا' کوئی پریشانی ہے؟"

"شبانہ! تم خاور کو سمجھا دو کہ ہم خاندان سے باہر شادی نہیں کرتے' اگر آغا جی نے سن لیا تو گھر میں طوفان آ جائے گا۔ اب میں کیا کروں' اس کے دماغ پر ایک ہی بھوت سوار ہے کہ عالیہ سے شادی کرنی ہے اور کسی سے نہیں' میں نے اسے سمجھایا لیکن تم پھر بھی بات کر کے دیکھ لو شاید وہ مان ہی جائے"۔ وہ پریشانی کے عالم میں بول رہے تھے۔

"اچھا دیکھتی ہوں' اللہ بہتر ہی کرے گا"۔ وہ انہیں تسلی دیتی ہوئی بولیں۔

☆

"نوراں! جلدی کرو کھانا لگا دو' سب کو بھوک لگی ہے"۔ شبانہ ملازمہ کو آواز لگا رہی تھیں۔

سب کھانے کی ٹیبل پر جمع تھے سوائے ثوبان کے۔

"کھانا شروع کریں آغا جی"۔ شبانہ نے کہا۔

"یہ ثوبان کہاں ہے' کھانا نہیں کھانا اس نے؟"

"آغا جی! آپ شروع کریں بعد میں کھا لے گا' آج اس کا موڈ ٹھیک نہیں ہے' صبح سے اپنے کمرے میں بند ہے"۔ شبانہ بولیں۔

"زہرہ جاؤ ثوبان کو آواز دو"۔

"آغا جی! وہ خود ہی آ جائے گا"۔

"زہرہ میں نے کہا ہے اس کو آواز دو"۔ اس بار وہ دادا کی آواز پر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اگر اس کو بھوک ہوتی تو آ جاتا' اب نواب جی کو اس کے کمرے میں بلانے جانا پڑے گا"۔ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

"ثوبان...... ثوبان"۔ اس نے دروازے پر دستک دی لیکن اندر سے کوئی آواز نہ آئی۔ تھوڑا سا دروازہ کھول کر دیکھا' اندر خاموشی تھی' اس نے دروازہ کھول کر کمرے کی لائٹ آن کر دی' ثوبان شاہ نے آنکھوں سے ہاتھ ہٹا کر دیکھا۔

"کیا تکلیف ہے تمہیں' میرے کمرے میں بغیر اجازت کیوں آئی ہو؟"

"مجھے بھی کوئی شوق نہیں تمہارے کمرے میں آنے کا' مجھے آغا جی نے بھیجا ہے' وہ تمہیں کھانے کیلئے بلا رہے ہیں۔ ایک تو نواب جی کو بلانے آؤ اور اوپر سے انسلٹ کرواؤ"۔ اس کی بات سن کر ثوبان کو غصہ آ گیا۔

"زہرہ! تم تمیز سے بات کیا کرو اور آج کے بعد تم میرے کمرے میں نظر نہیں آؤ گی"۔ ثوبان شاہ کے الفاظ سے اس کے دل کو ٹھیس لگی کہ وہ تو ثوبان شاہ کو اتنا پیار کرتی ہے اور وہ ہے کہ اپنے کمرے میں آنا بھی پسند نہیں کرتا' آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں اور وہ اپنی آنکھیں صاف کر کے اس کے کمرے سے تیزی سے نکل آئی۔

☆

"ماما! آپ عالیہ کے گھر کب جا رہی ہیں؟" خاور شاہ نے اچانک شبانہ سے سوال کر دیا۔

"خاور! تم کیوں نہیں سمجھتے کہ ہم غیر خاندان میں شادی نہیں کرتے"۔

"ماما! آپ ایک دفعہ عالیہ کو دیکھ لیں وہ ہم جیسی ہے"۔ وہ ماں کو منانے لگا۔

"خاور! ہمارے خاندان کا رواج ہے کہ ہم خاندان سے باہر شادی نہیں کرتے اور تمہارے لئے خاندان کا رواج بدل نہیں سکتے اور یاد رکھو آج کے بعد اس بات کا ذکر نہیں ہو گا اور گھر میں کسی کو پتہ نہیں چلے"۔

"اور آپ بھی سن لیں کہ آج کے بعد میری شادی کا ذکر بھی نہیں ہو گا"۔ خاور شاہ غصہ سے کمرے سے باہر آ گیا۔

☆

شبانہ اور بلاول شاہ کو جس بات کا ڈر تھا وہی ہوا' آغا جی کو خاور شاہ کے بارے میں پتہ چل گیا' انہوں نے شبانہ اور بلاول کو اپنے کمرے میں بلایا۔

"بلاول شاہ! میں یہ کیا سن رہا ہوں اور یہ آج کل گھر میں کیا چل رہا ہے؟"

"آغا جی! کیا ہوا ہے؟" بلاول شاہ فوراً پریشان ہوئے۔

"یہی کہ خاور شاہ خاندان سے باہر شادی کرنا چاہتا ہے"۔ سنتے ہی بلاول شاہ اور شبانہ دونوں گھبرا گئے۔

’’آغا جی! میں نے کئی دفعہ سمجھایا لیکن وہ میری بات سنتا ہی نہیں‘‘۔ وہ نرم لہجے میں بولے۔

’’تم خاور شاہ کو بلواؤ میں خود اس سے پوچھتا ہوں‘‘۔ وہ غصے سے ٹہلنے لگے۔ شبانہ بھی پریشان ہو گئیں۔

’’آغا جی! میں آ جاؤں؟‘‘ خاور شاہ نے دروازے پر دستک دی اور اجازت ملتے ہی اندر آ گیا۔

’’برخوردار! میں کیا سن رہا ہوں‘ لڑکی کا چکر کیا ہے؟‘‘ دادا کی بات سنتے ہی خاور شاہ نے ساری ہمت جمع کی اور بولا۔

’’آپ نے جو بھی سنا ہے درست ہے‘‘۔

’’خاور شاہ! تم اپنے دادا کے سامنے بول رہے ہو‘ ترم آنی چاہیے‘‘۔ بلاول شاہ نے غصے میں آتے ہوئے اسے ڈانٹا۔

’’کیا تم اپنے خاندان کے رسم و رواج بھول گئے ہو؟ یہ جو صدیوں سے رسم چلتی آ رہی ہے اور تم بھول کیسے سکتے ہو؟ تم ہمارے خاندان کے بڑے بیٹے ہو‘‘۔

’’بلاول شاہ! تم خاموش ہو جاؤ‘‘۔ آغا جی نے بلاول شاہ کی بات کاٹی پھر بولے۔

’’اچھا خاور شاہ! تم کیا چاہتے ہو؟‘‘ تو خاور شاہ بولا۔

’’آغا جی! آپ میرے کچھ سوالوں کے جواب دے دیجیے پھر جہاں آپ میری شادی کریں گے میں کر لوں گا‘‘۔ اس کے چہرے پر افسردگی تھی۔

’’ہاں پوچھو‘‘۔ دادا اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

’’آغا جی! کیا ہم مسلمان نہیں؟‘‘

’’بیٹا! یہ کیا سوال ہوا؟ شکر ہے اللہ کا ہم مسلمان ہیں‘‘۔

’’پھر آپ ایک رب کو ماننے والے ہیں‘ ایک نبی کو ماننے والے ہیں‘ اللہ کی کتاب بھی ایک ہے‘ مذہب بھی اسلام ہے‘ پھر یہ فرقوں میں تفریق کیوں؟ ذات کیوں دیکھی جاتی ہے؟ یہ تو ہم جیسے لوگوں نے بنائی ہے‘ حضرت خدیجہؓ ایک مالدار خاتون تھیں پھر انہوں نے ہمارے نبی کے ساتھ شادی کی‘ جب اللہ اپنے بندوں میں فرق نہیں رکھتا تو ہم کون ہوتے ہیں اللہ کے بندوں میں فرق رکھنے والے؟‘‘ خاور شاہ اپنی بات ختم کر کے خاموشی سے آغا جی کے کمرے سے باہر آ گیا۔

⟡..........☆..........⟡

اگلے دن بڑے سب آغا جی کے کمرے میں تھے اور ینگ پارٹی باہر بیٹھ کر سوچ رہی تھی کہ آغا جی نے کیا بات کرنی ہے؟ کمرے میں سب پریشانی کے عالم میں گھوم رہے تھے۔

’’ڈیئر کزن! کیا ہو رہا ہے؟ یہ ہمارے بڑے کہاں گئے ہیں‘ نظر نہیں آ رہے؟‘‘ ثوبان باہر سے آیا تو دیکھا سب باتوں میں لگے ہوئے ہیں۔ حیا نے مسکرا کے کہا۔

’’پتہ نہیں...... آغا جی کے کمرے میں ہیں اور ہم ادھر پریشان کہ اندر کون سی کھچڑی پک رہی ہے‘‘۔

’’آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں میں ابھی دیکھ کر آیا‘‘۔ ثوبان جانے لگا۔

’’حیا! اپنے کزن کو کہہ دے کہ آغا جی نے تو اس کے لئے دروازہ کھولا ہو گا اور اسی کے انتظار میں بیٹھے ہوں گے اور آپ کو ہی یاد کر رہے ہیں ہمارے آغا جی‘‘۔ زہرہ نے مسکرا کے کہا۔

’’زہرہ شاہ! ایسی بھی کوئی بات نہیں‘ میں ابھی آیا‘‘۔ ثوبان شاہ کمرے سے باہر آیا اور آغا جی کے کمرے کی پیچھے والی کھڑکی سے دیکھنے کی کوشش کرنے لگا لیکن اندر کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ پھر ثوبان نے ٹیبل اٹھائی اور اسٹول کے اوپر چڑھ کر آغا جی کی بات سننے لگا تو ثوبان شاہ کے ہوش اڑ گئے۔

⟡..........☆..........⟡

’’آغا جی کو آج ہماری یاد کیسے آ گئی؟‘‘ منزہ شاہ نے مسکرا کے کہا۔

’’ہاں بیٹی! اگر میں نہ بلاتا تو تم نے تو آنا ہی نہیں تھا‘‘۔ وہ مسکرائے۔

’’نہیں آغا جی! میں نے آج آپ کی طرف ہی آنا تھا‘‘۔ منزہ بولیں۔

’’بلاول شاہ! کل تم‘ منزہ شاہ اور سب بڑوں کو لے جانا خاور شاہ کے سسرال‘‘۔ سب کے چہروں پر ایک دم حیرانی آ گئی۔

’’آغا جی! آپ نے خاور شاہ کا رشتہ طے کر دیا ہے‘‘۔ منزہ حیران ہوئیں۔

’’نہیں بیٹا! کل آپ لوگ لڑکی کو دیکھ آنا‘ خاور کس کا نام لے رہا تھا؟ ہاں...... یاد آیا عالیہ کے گھر‘‘۔

’’آغا جی! یہ کیسے ہو سکتا ہے‘ ہم غیر خاندان میں شادی نہیں کریں گے اور وہ تو ابھی بچہ ہے‘ آپ بھی اس کا ساتھ دے رہے ہیں‘‘۔

’’بلاول شاہ! اگر بڑے راستہ بھول جائیں تو کبھی کبھی بچے ہی ان کو سیدھا راستہ دکھاتے ہیں اور ہاں خاور شاہ نے تو اپنی مرضی کر لی‘ یہ نہ ہو کل کو باقی بھی اپنی مرضی کریں اور ہم ان کے آگے بے بس ہو جائیں اور میرا دل کرتا ہے کہ ساول شاہ کی اولاد ایک ہو جائے‘‘۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کے پوتوں میں سے کسی کی شادی گھر کی ہی لڑکی سے ہو۔

’’آغا جی! جیسے آپ کی مرضی‘ آپ تو صرف ہمیں حکم دیں‘‘۔ ولاور شاہ نے آغا جی سے کہا۔

’’ہم سالار شاہ کے لیے منزہ بیٹی سے رشتہ مانگتے ہیں حیا بیٹی کا۔ منزہ! تم یاور شاہ سے مشورہ کر کے ہمیں بتاؤ گی‘‘۔ وہ بیٹی کی طرف دیکھ کر بڑی آس سے بولے۔

’’نہیں آغا جی! یاور شاہ کی بھی یہی مرضی ہے اور یہ کم خوشی کی بات ہے کہ جس حویلی میں‘ میں پیدا ہوئی اور میری شادی ہوئی تھی اُسی حویلی میں میری بیٹی بھی بس جائے‘‘۔ منزہ بہت خوش ہوئیں کہ رشتے مزید مضبوط ہو گئے۔

’’اور بلاول شاہ! تم اپنی بیٹی کا رشتہ کرو گے ثوبان شاہ سے؟ ایک ہی میرے خاندان کی بیٹی ہے‘ وہ خاندان سے باہر نہ جائے‘‘۔ زہرہ ایک ہی اکلوتی پوتی تھی‘ دادا کی خواہش تھی کہ وہ خاندان میں ہی رہے۔

’’آغا جی! ان دونوں کی ایک دوسرے کے ساتھ بنتی ہی نہیں‘ ایک سیر ہے تو دوسرا سوا سیر...... وہ ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے‘‘۔ زہرہ اور ثوبان کی ہر وقت لڑائی رہتی تھی۔

’’بلاول! وہ کیا کہتے ہیں جہاں لڑائی ہو وہاں پیار بھی ہوتا ہے‘ اگر پھر بھی تم راضی نہیں تو......‘‘ وہ سمجھانے لگے۔

’’نہیں آغا جی! جیسے آپ کی مرضی‘ میں تو خوش ہوں کہ میری بیٹی میرے سامنے ہی رہے گی‘‘۔ وہ خوش ہو گئے۔

ثوبان شاہ نے جیسے ہی زہرہ کا نام سنا تو اس کے ہوش ہی اڑ گئے اور وہ اسٹول سے نیچے گر گیا اور پاؤں میں موچ آ گئی تو چلانے لگا۔ کسی نے اس کی آواز نہ سنی تو زور سے چلایا‘ سالار اور حیا‘ ثوبان کی آواز سن کر دوڑتے ہوئے آئے اور اس کو پکڑ کر اندر لائے اور پاؤں پر مرہم لگانے لگے۔

’’کیا سنا ہے اندر کون سی باتیں ہو رہی تھیں؟‘‘ حیا نے جلدی سے پوچھا۔

’’نظر نہیں آ رہا میرے پاؤں میں موچ آ گئی ہے‘ میں نے کچھ بھی نہیں سنا‘‘۔ ثوبان جان بوجھ کے خاموش ہو گیا۔

’’سالار بھائی! ویسے آپ کیلئے گڈ نیوز ہے‘ راوی نے آپ کی زندگی میں سکون ہی سکون لکھا ہے اور میری زندگی......‘‘ کسی کو بھی ثوبان کی بات سمجھ نہ آئی کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔

’’سالار بھائی! جب چاند چڑھے گا تو سب لوگ دیکھیں گے‘‘۔ زہرہ نے مسکرا کے کہا۔

⟡..........☆..........⟡



ثناء خان صنعا

افسانہ

خدا حافظ

دل کے آنگن میں عجب سا سناٹا اترا ہوا تھا' نجانے کیوں اتنی جامد خاموشی تھی کہ اسے وحشت ہونے لگی اپنے اندر کی اس پر اسرار کیفیت سے' اس نے گھبرا کر جلدی سے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں' مگر وہاں تو چار سو خوشیاں اور رونق تھی تو اس کے من میں اتنا گمبھیر تاثر کیوں......؟ اس نے اپنے دل کو سرزنش کی اور محفل میں ایڈجسٹ کرنا چاہا مگر دل اس سے خفا تھا سو ان سنی کر گیا' وہ قدرے جھنجھلا کر خود کو اس گہما گہمی میں متوجہ کرنے میں کامیاب رہی' جہاں اس کی نظر اک دلچسپ منظر پہ رک سی گئی' وہ اتنی محویت سے دیکھنے میں مگن تھی کہ اسے احساس نہیں ہوا کہ کوئی اسے جانچتی نظروں سے دیکھ رہا ہے' وہ جو بیزار سی بیٹھی تھی بے اختیار مسکرا اٹھی کیونکہ مشہد بھائی کی بیٹی ضحیٰ' جس کی آج برتھ ڈے تھی۔ وہ اپنے پپا کے چہرے پر انگلی سے ہاتھ میں پکڑے کیک پیس سے کریم اتار کر نقطہ نقطہ لگا رہی تھی اور خاصی محفوظ بھی ہو رہی تھی اپنی شرارت سے' مشہد بھائی بھی بخوشی اپنی ننھی پری کے سامنے جوکر بنے انجوائے کر رہے تھے وجہ یہ کہ وہ ان کی شادی کے آٹھ سال بعد پیدا ہوئی تھی اور آج دو سال کی ہو گئی تھی۔

''تم یہاں چھپ کے کیوں بیٹھی ہو چلو آؤ تمہیں مہمانوں سے ملواؤں' ضحیٰ کی پھپھو ہو آخر......'' نمل بھابی نے ٹشو لے جاتے اسے درخت کے قریب تنہا بیٹھے دیکھا تو اس کے پاس رک کر کہا۔

''ویسے ہی بیٹھی ہوں بھابی! بس وہاں جانے کو من نہیں کر رہا' یہاں سے پورے لان کا نظارہ بہت بھلا معلوم ہو رہا ہے سندر سندر سا''۔ اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

''یہ تو ٹھیک ہے اچھا ایسا کرو میرے ساتھ چلو' تمہیں مشہد کی پھپھو سے ملواتی ہوں کیا نائس نیچر ہیں''۔ نمل نے اسے یاسیت سے نکالنا چاہا کیونکہ وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ اپ سیٹ ہے اور اسے اٹھنا ہی پڑا۔

☆

وہ کچن میں کھڑی ناشتہ بنا رہی تھی جب ایک اجنبی مردانہ آواز سن کے چونک گئی۔

''آپی! ایک کپ چائے ملے گی رات سے طبیعت لیزی سی ہو رہی ہے اس پر افسوس رات ننھی گڑیا کی پارٹی بھی مس ہو گئی''۔ وہ خود میں مگن بولتا ہوا ٹیبل پر آ بیٹھا کہ اسے احساس ہوا کہ آپی اتنی خاموش کیوں ہیں اسی وقت وہ پلٹی معید رضا دنگ رہ گیا اتنا مکمل حسن؟

''نمل بھابی اپنے روم میں ہیں آپ لاؤنج میں جا کے بیٹھیں چائے وہیں بھجواتی ہوں''۔ مسلسل اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر اس نے روکھے انداز میں کہہ کے رخ موڑ لیا۔

معید نے واضح طور پر اس کی سرد مہری محسوس کی اور کچھ سوچتا کچن سے باہر آ گیا' رات جب وہ علی ولا میں پہنچا تو سب سے پہلے اسی لڑکی کی طرف متوجہ ہوا تھا جو

کہ سب سے الگ تھلگ بیٹھی کوئی مورتی لگ رہی تھی وہ سمجھا کہ کوئی گیسٹ ہے مگر اسے کچن میں دیکھ کر وہ حیران ہوا اس پر مستزاد وہ سادگی میں رات سے زیادہ دلکش دکھائی دی' عجیب سی معصومیت اور کشش تھی اس کی سادگی میں جو کہ بہت کم لڑکیوں میں دیکھی تھی اس نے۔

''ربیلی آپی! یہ کون سی آپ کی نند اچانک وارد ہوئیں جسے ہم نہیں جانتے بلکہ کوئی بھی نہیں جانتا''۔ نمل کے بتانے پر وہ اچنبھے سے انہیں دیکھنے لگا۔

''مشہد کی کزن وغیرہ نہیں' ان کے دوست کی کزن ہے' پہلے ہندو تھی بڑی ٹریجڈی ہوئی ہے اس کے ساتھ' مسلمانوں سے نفرت کرتی ہے حالانکہ ہم نے اسے مسلمان بنادیا ہے میرے اور مشہد کے سوا کسی سے نہیں بات کرتی ہے فرینک تو دور کی بات ہے''۔ نمل نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے اسے بتایا۔

''واٹ ہندو......؟ مجھے تو یہ فارنر لگتی ہے''۔ معید نے الجھتے ہوئے سوال کیا۔

''ارے میں نے کہا ہندو تھی اب نہیں ہے ویسے اس کا باپ مسلمان تھا ماں ہندو' مگر اس کی نانی فارنر تھیں تو اس کی ماں اپنی امی پر تھی اور یہ اپنی نانی پر ہے اس کے والد بزنس کی وجہ سے زیادہ تر ملک سے باہر رہتے تھے تو اس کی ننھیال والوں نے پرورش اپنے مذہب کے مطابق کی تھی' یہ تین بہنیں تھیں اس کی امی نے مذہب قبول کیا مگر دل سے نہیں' اسی طرح اس کی سب سے بڑی بہن نے کالج میں ایک مسلمان لڑکے سے دوستی کرلی اور اس کی چھوٹی بہن کی بھی اتفاق سے مسلمان لڑکے سے دوستی ہوگئی وہ لائبریری جا کے اسلامی کتابوں کا مطالعہ کرنے لگیں تو انہیں بے حد متاثر کیا اسلام نے' خون تو ان کی رگوں میں بھی مسلمان کا تھا وہ دونوں باقاعدہ اسلام قبول کر آئیں اسلامی سینٹر جا کے' اس کی ماں نے کوئی اعتراض نہیں کیا' پھر اس کی دونوں بہنوں نے شادی بھی مسلمان گھرانوں میں کی' اس کا باپ بے حد خوش تھا مگر قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا ان کے سسرال نے انہیں قبول نہ کیا ہمیشہ یہی کہا کہ تم ناپاک ہو اچھوت ہو۔ وہ بہت دلبرداشتہ ہوئیں مگر اف نہ کرتیں وہ بھی حسین تھی جہیز بھی بہت دیا تھا انہیں' نماز پڑھتیں روزے رکھتیں مگر پھر بھی سب انہیں ٹاچر کرتے اور اسی گردش دوران میں روز کی لڑائیوں سے ان کی مدر نے یہ کہا کہ ہماری آنے والی آل اولاد ہندو ننھیال کہلائے گی' تو لڑکوں نے سب کے پریشرائز کرنے پر انہیں طلاق دے دی دونوں بہنیں بہت ڈس ہارٹ ہوئیں اور خودکشی کرلی''۔ وہ چونکا۔

''ماں کچھ عرصہ قبل قلیل بیماری کے بعد چل بسی تھیں اور باپ سے بیٹیوں کی ایسی موت برداشت نہ ہوئی وہ بھی اٹیک سے چل بسے اور اتنے صدمے ایک دم اس پر پڑے وہ کومے میں چلی گئی پھر آذر جو اس کا تایازاد ہے وہ اسے اپنے ساتھ ہماری طرف لایا کیونکہ میرا گرلز ہاسٹل تھا وہ اپنے گھر والوں کی عادت جانتا تھا' سو گھر جانے کے بجائے کچھ عرصہ ہاسٹل رکھنا چاہتا تھا۔ امی نے ہمیں اس کے متعلق بتایا تھا اور یقین مانو یہ ہمارے گھر آئی تو تمہارے بھائی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور آذر بھائی تو بہت خوش ہوئے بس تب سے یہیں ہے سال ہوگیا بہت نائس کیئرنگ نیچر کی مالک ہے عزت سب کی کرتی ہے' مگر مسلمان لڑکے تو کیا اسے لڑکیوں سے بھی چڑ ہے کیونکہ آذر تایازاد ہونے کے باوجود اسے گھر نہیں رکھ سکا' خون کے رشتوں سے اس کا اعتبار اٹھ گیا' یہ بھی اپنی جگہ ٹھیک ہے اس کا کہنا ہے کہ مسلمان لڑکیاں' ہندو لڑکیوں سے چار ہاتھ آگے ہیں' بغیر بازو کے کپڑے گلے کے ساتھ تنگی پٹی نما دوپٹہ نہیں تو دوپٹہ سرے سے غائب' وہ بازاروں میں گھومتی ہیں اس وقت ان کے ماں باپ کو کیوں نہیں دکھتا جب اذان ہونے کے باوجود دوپٹہ نہیں لیتیں' مزے سے ٹی وی دیکھ رہی ہیں گانے سن رہی ہیں مگر ہندو لڑکی اگر مسلمان ہو کے یہ سب کام سے پرہیز کر کے مکمل اسلام کے اصولوں کے مطابق چلے تو بھی وہ

گنہگار ناپاک ہیں۔ اس مذہب میں تو بہت گنجائش ہے مگر مسلمانوں کے ظرف اتنے بڑے نہیں کہ وہ کسی کو دائرہ اسلام میں قبول کریں دل سے' اسی لئے وہ کہتی تھی کہ میں ہندو ہی ٹھیک ہوں' مگر میں نے اور مشہد نے اس پر بہت محنت کی' اسے انسانوں کے بجائے خدا پر یقین کرنا سکھایا' اسے صحابیوں اور ازواج مطہرات کے واقعات سنائے' اسلام میں مسلمانوں کا رتبہ بتایا اس کے حبیب کے متعلق بتایا تو وہ راضی ہوگئی' خدا پر بھروسہ تو وہ کرنے لگ گئی مگر اس کے بندو پر بھروسہ نہیں کرنا چاہتی' کیونکہ اس کا دل بہت ٹوٹا ہوا ہے اور ہم بھی فورس نہیں کرتے فی الحال یہ ہی بہت ہے کہ وہ خدا کو مانتی ہے' اس پر یقین رکھتی ہے' مگر انسانوں پر بھروسہ نہیں کرتی حالانکہ آذر اس کا سگا ہے وہی اسے یہاں لایا' یہ اس سے بھی اتنا نہیں ملتی وہ اس کے لئے اپنے بھائی کا پرپوزل لایا تھا مگر اس نے اسی وقت سختی سے انکار کردیا آذر کے منہ پر' وہ شرمندہ سا چلا گیا''۔

نمل نے سلائس پر مکھن لگا کے ضحیٰ کو پکڑایا اور معید کے لئے چائے نکالی پھر اس نے معید کو دیکھا جو اس کی پوری بات سننے کے بعد دونوں ہاتھوں میں سر پکڑ کر رہ گیا۔

''معید آر یو او کے......؟''

''ہم...... نمل آپی! مجھے لگتا ہے آپ کا بھائی گیا کام سے''۔ نمل کے پوچھنے پر اس نے سر ہاتھوں سے نکال کے مٹھی اپنے ہونٹوں پر رکھے شوخ لہجے میں کہا۔

''مگر یہ تو تمہاری پرانی جاب ہے اور اس میں تمہاری ریپوٹیشن بھی بہت اچھی ہے پھر کیسے گئے کام سے...؟'' نمل نے اس کے جملے کو اپنے ہی مطلب کے معنی پہنچائے۔

''اف...... ڈیئر آپی! جاب سے نہیں کام کرنے سے گیا وہ یوں کہ بائیں جانب جو گوشت کا ٹکڑا ہے نا میرا وہ آپ کی نند صاحبہ لے اڑی چچ چچ......'' اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے وہ آخر میں افسوس بھرے انداز میں سر ہلانے لگا۔

''او آئی سی......'' نمل نے او کو لمبا کھینچتے ہوئے فہمائشی انداز میں اسے دیکھا وہ جھینپ گیا۔

''مشکل ہے معید! ویسے اگر تم سیریس ہو تو ٹھیک ورنہ رستہ ناپو کیونکہ اسے پہلے ہی مسلمان چھوٹے دل کے لگتے ہیں اس کی مثال اس کے بہنوئی اور ان کا گھرانہ ہے جس کی وجہ سے اس کا پورا گھر برباد ہوا اور ماموں تو چلو مان جائیں مگر باقی ددھیال کا کچھ کہہ نہیں سکتے وہ پہلے ہی حساس لڑکی ہے''۔ نمل نے اسے ہر طرح سے تصویر کا رخ دکھایا۔

''آپ اس کی فکر مت کریں یہ میری ذمہ داری ہے اور آپ کو اپنے بھائی پر تو یقین ہے ناں......؟'' اس نے نمل کو مکمل اعتماد سے دیکھ کر پوچھا تو اس نے یس کہہ کر اس کے بال بکھیر دیئے۔

٭......٭......٭

وہ لان میں گوڈی کر رہی تھی اس کے ساتھ ضحیٰ بھی اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہوئے مٹی میں مگن تھی۔

''ارے گندی بچی! سارے کپڑے گندے کرلئے چھی چھی......'' اس نے ضحیٰ کے کپڑے جھاڑے اور اس کو کین کی کرسی پر بٹھا کر خود دوبارہ مصروف ہوگئی۔

معید کھڑکی سے اس کی ساری کارروائی نوٹ کر رہا تھا بے اختیار مسکرانے لگا اور امامہ کو دیکھنے لگا جو ریڈ اینڈ بلیک سوٹ میں خود بھی پھولوں کا حصہ لگ رہی تھی معاً امامہ نے دیکھا کہ ضحیٰ ہاتھ ہلا رہی ہے اوپر کی طرف اس نے تعاقب میں نظریں دوڑائیں وہاں معید کو دیکھ کر جلدی سے کمر کا دوپٹہ کھول کر شانوں پر پھیلایا' درانتی وغیرہ سمیٹ کر ایک طرف رکھی اور ضحیٰ کو اٹھائے اندر چلی گئی' اسے معید کا اس طرح دیکھنا ناگوار گزرا۔ اس نے اگنور کردیا' بھابی کا بھائی تھا تو لحاظ کرگئی ورنہ طبیعت تو منٹ میں صاف کرتی۔

٭......٭......٭

''بھائی! میرا دل کرتا ہے کہ بی اے کرلوں اور

ساتھ ہی ضحیٰ کے اسکول میں ٹیچرنگ بھی کرلوں جہاں آج اس کا ایڈمیشن کروایا ہے قریب بھی ہے''۔ امامہ نے مشہد سے بات کی تو وہ خفا ہو گئے ٹیچرنگ کا سن کے' جس کی اسے کچھ کچھ امید بھی تھی وہی ہوا۔

''ٹیچرنگ کیوں......؟ کیا میں تمہارا خرچہ نہیں اٹھا سکتا' تمہیں کس چیز کی کمی ہے مجھے بتاؤ کہ بہن سے نوکری کراؤں دو وقت کی روٹی نہیں کھلا سکتا......؟ میں نے تمہیں کبھی ضحیٰ سے کم نہیں سمجھا مگر تم شاید ہم پہ بھی اعتبار نہیں کرتیں''۔ مشہد نے تاسف سے کہتے ہوئے کرسی دھکیل کر اندر کی جانب راہ لی تو کھانے کی میز پہ معید' نمل اور ضحیٰ بھی خاموش رہ گئے اور وہ خفت سے سر جھکا کر رہ گئی کہ مشہد بھائی ناراض ہو گئے۔

''چلو بھئی کھانا کھاؤ اور امامہ گڑیا! میں تمہارے بھائی کو دیکھتی ہوں' ڈونٹ وری او کے ایزی رہو''۔ نمل نے اس کا رخسار تھپک کر کہا تو کچھ نہ کہہ سکی' کچھ دیر میں اس نے نمل کو تنہا آتے دیکھا تو سوالیہ نظروں سے دیکھا پوچھا نہیں۔

''وہ کچھ دیر میں کھائیں گے چلو ہم لوگ کھاتے ہیں''۔ نمل نے نارمل انداز میں کہا اور کھانا نکالنے لگی۔

''تو بھابی! آپ کھانا نکالیں بھائی کو میں لے کے آئی''۔ نفی میں سر ہلا کر اس نے کہا تو نمل نے مسکرا کر او کے کہا۔

''آئی ایم سو سوری بھائی! میرا مقصد آپ کو ڈس ہارٹ کرنا یا دل آزاری کرنا نہیں تھا میرا سب کچھ اب آپ اور نمل بھابی ہیں بلیوی...... جاب سے مراد اپنا خرچہ اٹھانا نہیں ہے میں بس مصروف رہنا چاہتی ہوں اور آپ پہ اعتبار کیوں نہ ہوگا......؟ وہ آپ ہی ہیں جن کے سمجھانے سے میں نے اس پاک ذات کو پایا اور اسے اپنا حافظ بنایا اور اس کے بعد اگر میں نے کسی پر اعتبار کیا تو وہ آپ ہیں اگین سوری کہ آپ کو دکھ ہوا میں نے تو ویسے ہی کہا تھا اگر آپ کو پسند نہیں تو میں کبھی بھی نہیں کروں گی چلیں اب کھانے پر آپ کا ویٹ ہو رہا ہے''۔ اس نے ندامت سے کہا بات کرتے وقت اس کی آواز بھرا گئی تو مشہد نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعائیں دیں۔

''خدا ہمیشہ خوش رکھے بیٹا! اور اب تم جاب کر سکتی ہو''۔ تو وہ بہت خوش ہوئی اور ٹیبل پر بیٹھے معید اور نمل اس کے ساتھ مشہد کو دیکھ کر اطمینان سے کھانے لگے۔

☆

''عدیل صاحب! میں آپ کی جاگیر نہیں انڈر اسٹینڈ......؟ نہ مجھے آپ سے شادی کرنی ہے مہربانی کر کے آئندہ یہاں نہ آئیں اور مجھ سے اس لہجے میں بات مت کریں''۔ امامہ نے غصے بھرے لہجے میں عدیل نے کہا جس نے گھر آ کر کہا کہ وہ آذر کا بھائی اور اس کا منگیتر ہے سو ابھی وہ اس کے ساتھ چلے جسے سن کر وہ بھڑک اٹھی تھی۔

''مگر تم ہمارا خون ہو پھر تمہیں غیروں کے گھر رہنے کی کیا ضرورت ہے' رہی بات شادی کی تو وہ مجھ سے ہی ہوگی' یہ آذر بھائی' مشہد بھائی سے طے کر چکے ہیں اب بات لہجے کی ہے تو میں وعدہ کرتا ہوں آج کے بعد اس لہجے میں بات نہیں کروں گا اور کوئی شکوہ ہے تو بتاؤ......؟'' عدیل نے دوستانہ انداز میں کہتے اس کے سامنے ہاتھ پھیلایا جسے وہ نظر انداز کر گئی۔

''نیور...... رہنا تو مجھے انہی غیروں کے ساتھ ہے اس وقت کہاں تھے جب میں ان کے پاس آئی تھی' میں اب بھی وہی ہوں اور میری ذات کے فیصلے میں خود کروں گی' کسی کو اس میں انٹرفیئر کرنے کی ضرورت نہیں جو میرا دل چاہے گا میں وہی کروں گی ہونہہ...... آئے بڑے اپنے''۔ امامہ نے ترش لہجے میں اپنے پُرزور دے کر کہا تو وہ چیخ اٹھا وہ تو اس کی جائیداد کا سن کر اس کے پاس آیا تھا' کہ شادی کر کے جائیداد لے لے گا پھر مہرین سے شادی کر لے گا جو اس کا پیار تھی مگر اس کے پاس کاروبار نہیں تھا وہ امیر گھرانے کی تھی مگر امامہ نے کورا جواب دے دیا۔

''کیوں یہاں وہ فوجی پسند آ گیا ایسے کون سے سنہری باغ دکھائے ہیں جو تم اتنا اکڑ رہی ہو ایک منٹ میں تمہیں اور اسے مسل کے رکھ دوں گا تم میری منگ ہو اگر کوئی خناس دماغ میں بھرا ہے تو اسے نکال باہر کرو''۔ امامہ تو اس کی بکواس سن کے شاکڈ رہ گئی۔

''تم...... تم...... تمہاری جرأت کہ تم میری ذات پر بلاوجہ تہمت لگاؤ کیچڑ اچھالو آئی کل یو''۔ اس سے پہلے کہ امامہ اس پر جھپٹ پڑتی اسی وقت معید نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھا۔

''کیا ہوا ہے امامہ......؟ یہ کون ہیں......؟'' دونوں کے چہروں پر برہمی کی آثار دیکھ کر وہ ناسمجھی سے دیکھتے ہوئے اسے مخاطب کر بیٹھا۔

''یہ کیا بتائیں گی جو پوچھنا ہے مجھ سے پوچھو......'' عدیل نے معید کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف موڑتے ہوئے کہا معید نے بھرپور نظروں سے اسے دیکھا۔

''میں امامہ کا منگیتر ہوں اور کچھ......؟'' عدیل نے اپنے تئیں دھماکہ کیا مگر معید نے خاص نوٹس نہ لیا کیونکہ رات مشہد بھائی سے بات ہوئی تھی۔

''یہ بکواس کرتا ہے' میرا اس سے کوئی تعلق نہیں''۔ امامہ نے مٹھیاں بھینچ کر غصے سے عدیل کو دیکھا۔

''جی تو مسٹر...... آپ نے سن لیا ہوگا بقول مس امامہ کہ آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں پلیز آپ جا سکتے ہیں''۔ عدیل نے چبھتی ہوئی نظریں معید پر مرکوز کی اسے معید کے اس طرح کہنے پر ہتک کا احساس ہوا تھا۔

''دیکھو اگر تم یہ سوچ بیٹھے ہو کہ امامہ سے تم شادی کرو گے تو یہ بھول ہے تمہاری کہ ہم اپنی عزت کو یوں غیروں کے حوالے نہیں کرتے' یہ اپنی ماں کی طرح......'' چٹاخ اس سے پہلے کہ وہ مزید بکواس کرتا امامہ نے پے در پے تھپڑوں کی بوچھاڑ کر دی اس پر وہ سنبھل بھی نہ سکا۔

''خبردار ذلیل انسان اگر میری ماں کو کچھ کہا تو اور عزت تو تمہارے پاس نہیں جو اپنی نام نہاد عزت کو یوں سر عام لے کے گھومتے ہو' یہ عزت ہے کہ انہیں یہ بھی نہیں پتا حیا کس چڑیا کا نام ہے پردہ کسے کہتے ہیں محرم نامحرم میں فرق کیا ہے' بنا پردے کہ اپنا آپ نمایاں کرتی یہ تمہاری عزتیں نامحرم سے کھلی ڈلی گفتگو کرتی یہ تمہاری نام نہاد خود ساختہ عزتیں ہونہہ......'' امامہ نے استہزائیہ انداز میں عدیل کی طرف دیکھا تو فوراً ہی عدیل اسے مارنے کو بڑھا مگر معید نے اسے روکا جس کے نتیجے میں وہ دونوں الجھ پڑے امامہ رونے لگی اس کا دل اور وجود تھر تھر کانپ رہے تھے۔

''چپ چاپ رستے سے ہٹو مجھے امامہ کو لے کے جانا......''

''خبردار اب اگر کسی نے بھی اپنی جگہ سے کوئی حرکت کی''۔ آذر نے مشہد کے ساتھ کمرے میں داخل ہوتے ہی وارن کیا۔ نمل نے ڈرائنگ روم کی گرما گرمی محسوس کر کے مشہد کو بلا لیا تھا۔

''یہ کیا حرکت ہے عدیل! شیم آن یو......'' آذر نے شکستگی سے بھائی کو دیکھا جس نے اسے اپنے بھائیوں جیسے دوست اور اس کی فیملی کے سامنے شرمندہ کروا دیا تھا وہ نظر اٹھانے کے قابل نہ رہا تھا۔

''تم جیسے گھٹیا انسان ہی پہلے اس کی زندگی میں آئے وہ کیا بھروسہ کرے گی' مجھے خود سے نفرت ہو رہی ہے کہ میں ہی اس کا اعتبار قائم کرنے میں فیل رہا' مجھے دکھ ہے شرمندگی ہے جو اس کا حق مجھے ادا کرنا چاہئے تھا وہ مشہد نے ادا کیا اور میں جو اس کے ازالے کے طور پر اسے عزت کے ساتھ اپنی بھابی یا بیٹی بنا کے اسے گھر لے جانا چاہتا تھا مگر سو سوری امامہ.... واقعی تمہارے خون کے رشتوں نے تمہیں سوائے دکھ اور اذیت کے کچھ نہ دیا گر ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا ورنہ معافی کے قابل بھی نہیں ہوں میں اور آج سے تمہارا سرپرست مشہد ہے اس کی مرضی یا تمہاری مرضی جیسے چاہے زندگی گزارنا میں تم سے بہت شرمندہ ہوں''۔ آذر نے

آنکھوں میں آنسو لئے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ لئے تو امامہ تڑپ اٹھی' اتنی بدتمیز یا بے ادب وہ کبھی نہیں تھی کہ اس سے بڑا کوئی اس کے آگے ہاتھ جوڑے۔

''پلیز آذر بھائی...... آپ میرے بڑے ہیں' مجھے گناہ گار مت کریں ہاتھ جوڑ کر اور میرے نصیبوں میں شاید کہیں کمی ہے آپ کا کوئی قصور نہیں' میری ذات اور زندگی کا حافظ خدا ہے وہ جو میرے لئے بہتر سمجھے وہی کرے گا بے شک خدا سے بہتر ہم انسانوں کا کوئی بھی فیصلہ نہیں کر سکتا' وہ ہماری سوچ سے کہیں زیادہ بڑھ کے نوازنے والا ہے بس آپ اس ذات پر یقین رکھو اور میں نے شروع سے اسی خداوند کریم پر بھروسہ رکھا جو آج اپنوں کے ہوتے ہوئے بھی غیروں نے مجھے زیادہ پیار عزت دے کر مجھے جیت لیا' یہ سگوں سے بڑھ کر ہیں میرے لئے......'' وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے رونے لگی عدیل بھی شرمندہ سا نکل گیا۔ آذر نڈھال سا صوفے پر بیٹھ گیا۔ نمل اسے لئے روم میں آ گئی۔

⋯⋯⋯☆⋯⋯⋯

''ہم زبردستی کچھ نہیں کریں گے۔ مشہد نے کہا ہے جو تمہارا فیصلہ ہو وہ ہمیں منظور ہو گا' معید آرمی میں ہے ماں باپ بھی راضی ہیں جبکہ وہ تمہیں ساتھ لے جائے گا اور جس طرح تم ہم پر یقین رکھتی ہو سیم اسی طرح وہ بھی تمہیں کبھی مایوس نہیں کرے گا ہم تمہیں اچھی طرح جانتے ہیں اسی لحاظ سے معید ہمیں تمہارے ساتھ پرفیکٹ لگا اور یہ بلاوجہ کا مکھن نہیں ہے کیونکہ تم ہمیں بے حد عزیز ہو''۔ نمل نے اس کے سامنے معید کا پرپوزل رکھا خلوص سے وہ چاہتی تھی کہ امامہ ان کے خاندان میں آئے۔

''وہ بھابی کیا آپ کے بھائی راضی ہیں......؟ اور وہ مجھے طعنہ تو نہ دیں گے کہ میرا ماضی کیا تھا''۔ اس نے اضطرابی انداز میں کہہ کر نیم رضامندی دی۔

''نہیں میری جان! کبھی نہیں طعنہ دے گا وہ تو تمہیں دل سے چاہتا ہے بس ذرا ڈرتا تھا کہ کہیں تم اسے ایویں سا عاشق نہ سمجھو اور طعنہ کی گارنٹی میں دیتی ہوں وہ بھی لائف ٹائم کی' تمہیں وہ بہت خوش رکھے گا''۔ نمل نے اس کی پیشانی چوم کر کہا خوشی اس کے چہرے سے پھوٹ رہی تھی تو امامہ کے اندر سکون اتر گیا۔

''اچھا میں ابھی مٹھائی لے کر آتی ہوں''۔ نمل نے کچھ سوچ کر اسے کہا اور چلی گئی وہ ا...سوچ میں گم تھی جب معید ناک کر کے اندر آ گیا۔

''امامہ! میں تم سے صرف اتنا کہوں گا کہ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں' اسی طرح ہر شخص اچھا اور برا نہیں ہوتا تمہارا اعتبار اگر بہت سوں نے توڑا ہے تو وہیں اعتبار دیا بھی ہے جیسے آپی اور مشہد بھائی' خدا پر یقین ہے ناں تمہیں جو تمہارا اور ہم سب کا حافظ ہے' اسے گواہ بنا کے میں نے تمہیں اپنانے کا فیصلہ کیا ہے اور تم بھی دل سے مطمئن ہو کہ فیصلہ کرو' میں گزرے کل کی کوئی بات تم سے شیئر نہیں کروں گا کیونکہ میں ماضی کے بجائے حال میں رہنے والا بندہ ہوں' بہت سی خوشیاں دینے کا وعدہ نہیں کرتا' ہاں جہاں تک ممکن ہوا اپنی طرف سے کمی نہیں کروں گا اگر تم دل سے ساتھ دو اور مجھے جواب دو''۔

معید نے مختصر لفظوں میں اپنا پوائنٹ واضح کرتے ہوئے آس بھری نظروں سے اسے دیکھا تو امامہ کو بھی اس کے صبیح چہرے پر سوائے خلوص و اپنائیت کے کوئی غرض نہ دکھی اس نے خدا کے بعد ان پر یقین رکھ کر یہ فیصلہ کیا تھا اور جس چیز پر یقین ہو وہ پورا ضرور ہوتا ہے' اس کا حافظ خدا تھا سو مسکرا کر اس نے معید کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا جسے معید نے مضبوطی سے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

⋯⋯⋯☆⋯⋯⋯

صدف سعد

ردا کی ڈائری

سعدیہ عابد کی ڈائری سے

سیف الدین سیف کی غزل

مری داستانِ حسرت وہ سنا سنا کے روئے
مرے آزمانے والے مجھے آزما کے روئے
کوئی ایسا اہلِ دل ہو کہ فسانہ محبت
میں اسے سنا کے روؤں' وہ مجھے سنا کے روئے
مری آرزو کی دنیا' دلِ ناتواں کی حسرت
جسے کھو کے شادماں تھے اسے آج پا کے روئے
تری بے وفائیوں پر' تری کج ادائیوں پر
کبھی سر جھکا کے روئے' کبھی منہ چھپا کے روئے
جو سنائی انجمن میں شبِ غم کی آپ بیتی
کئی رو کے مسکرائے' کئی مسکرا کے روئے۔

سمیرا امجد کی ڈائری سے

محسن نقوی کی نظم

میرے نام سے پہلے

اب کے اس کی آنکھوں میں
بے سبب اداسی تھی
اب کے اس کے چہرے پر
دکھ تھا' بے حواسی تھی
اب کے یوں ملا مجھ سے
یوں غزل سنی جیسے
میں بھی ناشناسا ہوں جیسے
وہ بھی اجنبی جیسے
زرد خال و خد اس کے
سوگوار دامن تھا
اب کے اس کے لہجے میں
کتنا کھردرا پن تھا
وہ کہ عمر بھر جس نے
شہر بھر کے لوگوں میں
مجھ کو ہم سخن جانا
دل سے آشنا لکھا
خود سے مہرباں سمجھا
اب کے سادہ کاغذ پر
سرخ روشنائی سے
اس نے تلخ لہجے میں
میرے نام سے پہلے
صرف ''بے وفا'' لکھا

انعم خان کی ڈائری سے

ناصر کاظمی کی غزل

ہوتی ہے تیرے نام سے وحشت کبھی کبھی

برہم ہوئی ہے یوں بھی طبیعت کبھی کبھی
اے دل کے نصیب یہ توفیقِ اضطراب
ملتی ہے زندگی میں یہ راحت کبھی کبھی
جوش جنوں میں درد کی طغیانیوں کے ساتھ
اشکوں میں ڈھل گئی تیری صورت کبھی کبھی
تیرے قریب رہ کے بھی دل مطمئن نہ تھا
گزری ہے مجھ پہ یہ بھی قیامت کبھی کبھی
اے دوست! ہم نے ترکِ تعلق کے باوجود
محسوس کی ہے تیری ضرورت کبھی کبھی

رخشندہ کی ڈائری سے

سلیم شہزاد کی نظم

ہم رت جگوں کی
کٹھنائیوں سے گزرتے ہیں
ہم نیند کی گھاٹیوں سے
لوٹ آتے ہیں
ہم تو موسموں سے بھی روٹھ جاتے ہیں
ہمارے جسموں سے بہار جھڑتی ہے
تو خواہش کی طنابیں ٹوٹ جاتی ہیں
ہم بچپنے میں
بزرگی کا خواب دیکھتے ہیں
ہم اداس وادیوں کی
بے چین باتوں پر
ایمان لانے والے
کیسے بے یقین ہیں
کہ موسم بھی
ادھار مانگتے ہیں

سحر انجم کی ڈائری سے

رضی الدین رضی کی غزل

پیار میں رہنے لگا جب ڈر تو اندازہ ہوا
ظلم اس نے بھی کیا خود پر تو اندازہ ہوا
جبر کے سائے میں سچ کہنا کٹھن ہے کس قدر
بوجھ کاندھوں پر بنا جب سر تو اندازہ ہوا
ان کے دل میں اب تو اڑنے کی تمنا ہی نہیں
کٹ گئے سب پنچھیوں کے پر تو اندازہ ہوا
ایک طوفاں تھا وہاں پر بھی ہمارا منتظر
ہم کبھی لوٹے جو اپنے گھر تو اندازہ ہوا
میں ادھورا تھا رضی اس شوخ پیکر کے بغیر
وہ ملا مجھ کو جو لمحہ بھر تو اندازہ ہوا

ساجدہ کی ڈائری سے

منیر نیازی کی غزل

آئی ہے اب یاد کیا رات اک بیتے سال کی
یہی ہوا تھی باغ میں، یہی صدا گھڑیال کی
مہک عجب سی ہوگئی پڑے پڑے صندوق میں
رنگت پھیکی پڑ گئی ریشم کے رومال کی
شہر میں ڈر تھا موت کا، چاند کی چوتھی رات کو
اینٹوں کی اس کھوہ میں دہشت تھی بھونچال کی
شام جھکی تھی بحر پر، پاگل ہو کر رنگ سے
یا تصویر تھی خواب میں، میرے کسی خیال کی
عمر کے ساتھ عجیب سا بن جاتا ہے آدمی
حالت دیکھ کے دکھ ہوا آج اس پری جمال کی
دیکھ کے مجھ کو غور سے پھر وہ چپ سے ہو گئے
دل میں خلش ہے آج تک اس ان کہے سوال کی

اشعار

بسمہ علی .... سکھر
چاندی رات میں ہوتا ہے جہاں بھر میں سکوت
ایسے منظر نے ترے دل کو لبھایا ہوگا

فرزانہ شوکت .... کراچی
بڑھ گئی ہے کچھ اس حد تک بے اعتمادی
اب تجھ کو بھی تجھ سے چھپانا چاہتا ہوں
تھک گیا ہوں میں تجھے یاد کر کر کے!!
اب تجھے میں یاد آنا چاہتا ہوں!!

راحیلہ سمیع .... اسلام آباد
اس کے دل پر بھی کڑی عشق میں گزری ہوگی
نام جس نے بھی محبت کا سزا رکھا ہے
پی جا ایام کی تلخی کو بھی ہنس کر ناصر
غم کو سہنے میں بھی قدرت نے مزہ رکھا ہے

نور بانو .... کوئٹہ
کب شجر کی چھاؤں کب دیوار کا سایہ ملا
دھوپ میں ہم کو ملا تو پیاس کا صحرا ملا
تم کو راہِ عشق میں باغ و خیاباں ہی ملے
اور ہم کو اس سفر میں آگ کا دریا ملا

شگفتہ لقمان .... حیدر آباد
دورِ فلک جب دہراتا ہے موسم گل کی راتوں کو
کنج قفس میں سن لیتے ہیں بھولی بسری باتوں کو
ریگِ رواں کی نرم تہوں کو چھیڑتی ہے جب کوئی ہوا
سونے صحرا چیخ اٹھتے ہیں آدھی آدھی راتوں کو

رضوانہ اکبر .... لودھراں
نہ پوچھ دل کی حقیقت مگر یہ کہتے ہیں
وہ بے قرار ہے خود جس نے بے قرار کیا

سیدہ انبر بخاری .... چندی پور
کچھ نقش دل سے مٹائے نہیں جاتے
کچھ لوگ یوں آسانی سے بھلائے نہیں جاتے
کتنے عجیب ہوتے ہیں دل کے معاملے
محسوس کیے جاتے ہیں بتائے نہیں جاتے

بشریٰ طارق .... ٹوبہ ٹیک سنگھ
ہوئی ہے حضرتِ ناصح سے گفتگو جس شب
وہ شب ضرور سرِ کوئے یار گزری ہے
وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا
وہ بات اس کو بہت ناگوار گزری ہے

رباب تنویر .... لاہور
آخر میں کیسے محو کروں دل سے تیری یاد
خورشید کو جبینِ فلک سے مٹا کے دیکھ
تخلیق ہے مری، یہ ترا حسن خد و خال
آنکھوں کے آئینے مرے نزدیک لا کے دیکھ

سیما ناز .... کراچی
بے نیازی سے کبھی قریۂ جاں سے گزرے
دیکھتا کوئی نہیں ہے کہ تماشا بھی نہیں
وہ تو صدیوں کا سفر کر کے یہاں پہنچا تھا
تو نے منہ پھیر کے جس شخص کو دیکھا بھی نہیں

☆☆☆☆☆

شائستہ زاہد

اس ماہ میں

اس ماہ کا اقتباس

امر بیل:

اللہ تعالیٰ شاکی ہے کہ اتنی نعمتوں کے باوجود آدم کی اولاد ناشکری ہے اور انسان ازل اور ابد تک پھیلے ہوئے اللہ کے سامنے خوفزدہ کھڑا بلبلا کر کہتا ہے: ''یا باری تعالیٰ! تیرے جہاں میں آرزوئیں اتنی دیر سے کیوں پوری ہوتی ہیں؟ اس کا بھاؤ اس قدر تیز کیوں ہوتا ہے کہ ہر خریدار اسے خریدنے سے قاصر نظر آتا ہے۔ ہر خوشی کی قیمت اتنے ڈھیر سارے آنسوؤں سے کیوں ادا کرنا پڑتی ہے۔ آقائے دو جہاں ایسے کیوں ہوتا ہے کہ جب بالآخر خوشی کا بنڈل ہاتھ میں آتا بھی ہے تو اس بنڈل کو دیکھ کر انسان محسوس کرتا ہے کہ دکاندار نے اسے ٹھگ لیا ہے، جو التجا کی عرض تجھ تک جاتی ہے اس پر ارجنٹ لکھا ہوتا ہے اور جو مہر تیرے فرشتے لگاتے ہیں اس کے چاروں طرف صبر کا دائرہ نظر آتا ہے۔ ایسا کیوں ہے باری تعالیٰ؟ جس مال گاڑی میں تو انسانی خوشی کے بنڈل روانہ کرتا ہے وہ صدیوں پہلے چلتی ہے اور قرن بعد پہنچتی ہے، لوگ اپنے اپنے نام کی بلٹی نہیں چھڑاتے بلکہ صدیوں پہلے مر کھپ گئی کسی قوم کی خوشی کی کھیپ یوں آپس میں بانٹ لیتے ہیں جیسے سیلاب زدگان امدادی فنڈ کے سامنے معذور کھڑے ہوں۔

خوشی کو قناعت میں بدلنے والے رب سے کوئی کیا کہے، جبکہ آج تک اس نے کبھی انسان کی ایجاد کردہ گھڑی اپنی کلائی پر باندھ کر دیکھی ہی نہیں''۔

بانو قدسیہ کی کتاب ''امر بیل'' سے اقتباس

انتخاب: رومانہ توقیر...... اسلام آباد

اس ماہ کی کرنیں

☆ سماجی زندگی میں اکثر بگاڑ صرف اس لیے پیدا ہوتے ہیں کہ لوگ ایک خبر سنتے ہیں اور بلا تحقیق اس کے پیچھے دوڑ پڑتے ہیں۔ اگر اسلام کے مطابق خبروں کی تحقیق کی جائے تو اکثر جھگڑے اور فساد پیدا ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائیں۔

☆ اپنا حق لینے کیلئے دوسروں کو حق دینا پڑتا ہے آپ اگر چاہتے ہیں کہ دوسروں کو ان کا حق دیئے بغیر اپنا حق پالیں تو موجودہ دنیا میں ایسا ممکن نہیں۔

☆ جو انسان ایک جسم کے اندر ہے، وہی انسان دوسرے جسم کے اندر بھی ہے مگر اکثر آدمی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ وہ خود کچھ اور ہے اور دوسرے کچھ اور۔

☆ اگر دنیا میں صرف خوشی اور کامیابی ہوتی تو دنیا سطحی اور بے حس انسانوں کا قبرستان بن جاتی۔

☆ ہر آدمی کو دنیا میں کام کرنے کی مدت اور کچھ مواقع دیئے گئے ہیں، یہ مدت اور مواقع اس وقت تک نہیں چھنتے جب تک اللہ کا لکھا پورا نہ ہو جائے، اگر رات کے بعد اللہ آپ پر صبح طلوع کرے تو سمجھ لیجئے کہ اللہ کے نزدیک ابھی آپ کے عمل میں کچھ دن باقی ہیں۔

☆ اس دنیا میں کامیاب ہونے کیلئے آدمی کو نفع بخش بننا پڑتا ہے جن لوگوں سے وہ لے رہا ہے ان کو یقین دلانا پڑتا ہے کہ وہ ان کو کچھ دے بھی رہا ہے یہ دنیا دو طرفہ لین دین کا بازار ہے جو دوسروں کو دے گا وہی دوسروں سے پائے گا، جس کے پاس دوسروں کو دینے کیلئے کچھ نہ ہو اس کو شکایت نہیں ہونی چاہیے، اگر دوسرے اسے کچھ دینے کیلئے تیار نہیں۔

سیدہ امبر بخاری...... چندی پور

اس ماہ کے قول

☆ علم جو نفع حاصل کرنے کے لیے سکھایا جائے دل میں گھر نہیں کرتا۔ (امام اعظم ابو حنیفہؒ)

☆ کسی سے نیکی کرتے وقت بدلے کی توقع مت رکھو کیونکہ اچھائی کا بدلہ انسان نہیں اللہ دیتا ہے۔ (حضرت جنید بغدادیؒ)

☆ ہم ایسی چیزوں پر پختہ یقین رکھتے ہیں جن کے متعلق ہمارا علم کم ہو۔ (امام رازیؒ)

☆ ایک کارآمد دوست کے مقابلے میں بہت سے ناکارہ دوست نہ بناؤ۔ (فیثا غورث)

☆ ہر شخص سچا دوست تلاش کرتا ہے لیکن خود سچا دوست بننے کی زحمت گوارا نہیں کرتا۔ (لقمان)

راحیلہ سمیع...... اسلام آباد

اس ماہ کی بات

وقت سب سے بڑا سکہ ہے جو تم استعمال کرتے ہو۔ یہ واحد سکہ ہے جو تمہارے پاس ہے اور تم اس کا اختیار رکھتے ہو کہ اسے کس طرح استعمال کرنا ہے۔ تمہیں احتیاط کرنا چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ دوسرے تمہارا یہ سکہ استعمال کرنے لگیں۔

شگفتہ لقمان...... حیدر آباد

اس ماہ کا قطعہ

نصیب ہوں جب رُتیں گلوں کی
حسین فضاؤں میں یاد رکھنا
کبھی ہماری جو یاد آئے
ہمیں دعاؤں میں یاد رکھنا

کلام: راؤ تہذیب حسین تہذیب

انتخاب: مظفر علی...... رحیم یار خان

میری ڈائری سے......!

مشہور مقولہ ہے کہ ''وقت اور حالات کسی کا ساتھ نہیں دیتے''، لیکن پھر بھی ہم اپنی تقدیر سے لڑتے ہیں۔ کبھی تو ہم حالات کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لیتے ہیں، پھر اس کامیابی کو اپنی مسلسل کوشش، جدوجہد اور محنت کا ثمر سمجھتے ہیں لیکن کبھی ہم ہزاروں دعاؤں، کوششوں، صبر، ہمت اور حوصلے کے بعد بھی اپنے حالات نہیں بدل سکتے۔ کئی سالوں کی جدوجہد کے بعد بھی ہم اپنے آپ کو اسی جگہ پاتے ہیں جہاں سے ہم نے اپنے سفر کا آغاز کیا تھا۔ پھر سب امیدیں ختم ہوتی ہوئی نظر آتی ہیں تو کیا کریں۔ ایسے حالات میں جب تقدیر کے کاغذ پر لکھے ہوئے لفظ نہ بدلیں تو ایک آخری فارمولا استعمال کریں، وہ یہ کہ اپنے گناہوں کو یاد کر کے

اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اور اگر زندگی میں کچھ اچھے کام کیے ہیں تو انہیں وسیلہ بنائیں۔ وہ قادرِ مطلق جو بڑا غفور الرحیم ہے وہ ضرور ہم پر رحم کرے گا۔

ہمیں مسلسل کوشش، صبر اور ہمت کی ضرورت ہے۔ ہر ناکامی کے بعد پھر سے عہد کریں اور اپنی منزل کو سامنے رکھیں تو کٹھن سے کٹھن سفر بھی آسان ہو جاتا ہے۔ شکست کے لفظ کو اپنے دل و دماغ سے نکال باہر کریں کیونکہ انسان تب ہارتا ہے جب وہ کوشش کرنا چھوڑ دیتا ہے، یہی اصل ناکامی ہے۔ دنیا میں آنے والے ہر انسان کا مقصدِ حیات ہونا چاہیے کیونکہ جو بے مقصد جیتے ہیں وہ جیتے نہیں اور جو بے مقصد مرتے ہیں وہ مرتے نہیں۔

ایس امتیاز احمد..... کراچی

اس ماہ کی غزل

اس کو تلاش کیجیے جس کا پتہ نہ ہو
وہ راہ ڈھونڈیے جو قدم آشنا نہ ہو
پھرتے ہیں سارے شہر میں خوابوں کی راہزن
اٹھ اٹھ کے دیکھتا ہوں کوئی در کھلا نہ ہو
اپنی بساطِ ذہن میں اک سرزمین کی بو
احساس رنگ خوردہ آب و ہوا نہ ہو
شہ رگ سے بھی قریب ہے، آتا نہیں نظر
آئینہ وجود ہی دھندلا گیا نہ ہو
اب کس فلک سے پوچھیے اس چاند کا پتہ
سایہ بھی جس کی زلف کا رخ پر پڑا نہ ہو
مدت سے چاپ آتی ہے آتے نہیں قدم
یہ رہ گزر ہی کہیں آوازِ پا نہ ہو
سجدوں کے ساتھ رنگ بدلتا ہے آستاں
یہ سنگِ کور چشم صمد دیکھتا نہ ہو

شاعر: صمد انصاری

انتخاب: طوبیٰ رضا..... بہاولپور

اس ماہ کا لطیفہ

ٹائپسٹ کی ملازمت کے لیے امیدواروں کا انتخاب ہو رہا تھا۔ ایک امیدوار سے انٹرویو کرنے والے نے پوچھا: ”آپ ٹائپنگ کے علاوہ اور کیا جانتے ہیں؟“

امیدوار نے کہا: ”مذاق کرنا“۔

انٹرویو کرنے والے نے کہا: ”کیا آپ اس کا عملی مظاہرہ کریں گے“۔

”کیوں نہیں“ یہ کہہ کر امیدوار نے کمرے کے دروازے کو کھول کر باہر بیٹھے ہوئے امیدواروں سے کہا۔ ”آپ لوگ جا سکتے ہیں کیونکہ میرا انتخاب کر لیا گیا ہے“۔

حنا نسیم..... کراچی

اس ماہ کا ڈراپ سین

لڑکے نے اپنی محبوبہ سے کہا: ”اگر تمہیں مجھ سے محبت تھی تو میرے پہلی مرتبہ اظہارِ محبت کرنے پر تم ناراض کیوں ہو گئی تھیں، تم نے تو مجھے بالکل ہی مسترد کر دیا تھا“۔

”میں یہ دیکھنا چاہ رہی تھی کہ تم کیا ردعمل دکھاتے ہو؟“ محبوبہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”لیکن یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ تمہارے جواب سے مایوس ہو کر میں چلا جاتا اور پھر کبھی لوٹ کر نہ آتا“۔ لڑکا بولا۔

”ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا، میں نے دروازے کو تالا لگا رکھا تھا“۔ محبوبہ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔

غوشیہ محسن..... لاہور

☆☆☆☆☆

شائستہ زاہد

خوشبو

ارشاداتِ ربانی

منافق جھوٹے ہیں:

اے نبی (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم) جب منافق لوگ آپ (ﷺ) کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ”ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ (ﷺ) یقیناً اللہ کے رسول ہیں“۔ تو اللہ تو یہ جانتا ہی ہے کہ آپ (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، مگر اللہ (اس کی بھی) گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق قطعی جھوٹے ہیں، ان لوگوں نے اپنی قسموں کو (اپنا جان و مال بچانے کیلئے) ڈھال بنا رکھا ہے اور اس طرح یہ لوگ اللہ کے راستے سے (دوسروں کو بھی) روکتے ہیں۔ یقیناً یہ کام برا ہے جو وہ کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ (پہلے تو) یہ لوگ ایمان لائے، پھر کافر ہو گئے۔ اس لئے ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی اب یہ کچھ سمجھتے ہی نہیں۔

(سورہ المنافقون 63 ترجمہ 1 تا 3)

انصاف کا حکم:

”اللہ تعالیٰ تم کو عدل و انصاف اور احسان کرنے اور رشتہ داروں کو ان کے خرچ میں مدد دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور نامعقول کاموں سے اور سرکشی سے روکتا ہے اور تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاد رکھو اور جب تم اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد کرو تو اس کو پورا کرو اور جب پکی قسمیں کھاؤ تو ان کو مت توڑو کہ تم اللہ تعالیٰ کو اپنا ضامن مقرر کر چکے ہو اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے“۔

(سورہ النحل آیت 91-90 پارہ نمبر 14)

نائلہ اسحاق..... لاہور

اذان کی فضیلت

جو شخص اذان کا ایک جملہ سن کر اسے دہرائے تو اس کے نامۂ اعمال میں 2 لاکھ نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں، اور جو کوئی دوسرے کو بتائے تو اس کے نامۂ اعمال میں 30 لاکھ نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں۔

غانیہ نیازی..... ربوہ

لفظوں کی مہک.......!

☆ جو چیز جلدی حاصل ہوتی ہے، وہ زیادہ دیر تک نہیں ٹھہرتی۔

☆ خواب ایک دلفریب ندی کا کنارہ ہوتے ہیں جو خوبصورت تو ہوتا ہے لیکن اس کے کنارے بیٹھ کر زندگی نہیں گزاری جا سکتی۔

☆ اس انسان سے ڈرنا چاہیے جو اپنی برائیوں کو فخر سے بیان کرے۔

☆ سونے کے ڈھیر سے بھی وقت کا ایک لمحہ نہیں

خرید اجاسکتا۔

☆ دوستی ایک برف کے گولے کی مانند ہے جسے بنانا تو بہت آسان ہے مگر برقرار رکھنا بہت مشکل ہے۔

☆ ضمیر ہمارے اندر اس آواز کا نام ہے جو ہمیں متنبہ کرتا ہے کہ کوئی دیکھ رہا ہے۔

☆ دنیا بھی ایک بازار ہے۔ اس بازار میں کوئی اپنی مجبوریوں کے ہاتھوں کوڑیوں کے مول بک جاتا ہے اور کوئی موتیوں کے مول بکتا ہے۔

☆ خوبصورتی اور بدصورتی سب فانی چیزیں ہیں۔ ان چیزوں کی طلب کی جاسکتی ہے' پرستش نہیں کی جاسکتی۔

☆ تذبذب' کردار کی کمزوری کا سب سے کمزور پہلو ہے۔

ایس امتیاز احمد......کراچی

محبت

ایک دوست نے دوسرے دوست سے کہا۔

''تمہارا کہنا ہے کہ تم جس لڑکی سے شادی کرنے جارہے ہو وہ کروڑوں کی دولت جائیداد کی مالک مگر نہایت بدصورت ہے''۔

''ہاں''۔ دوسرے دوست نے تائید کی۔

''اس کے باوجود تمہارا دعویٰ ہے کہ یہ محبت کی شادی ہے؟'' پہلے دوست نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''ہاں ...... مجھے دولت سے محبت ہے ناں......''

دوسرے دوست نے اطمینان سے جواب دیا۔

بسمہ علی......سکھر

خوشیاں

زندگی میں انسان خوشیوں کا یا خوشیاں انسان کا تعاقب کرتی ہیں۔ پیاسے کی طلب میں کنواں نہیں جاتا' کنویں کے پاس پیاسے کو جانا پڑتا ہے۔ یہی عالم خوشیوں کا ہے انسان خوشیوں اور خواہشوں کا تعاقب کرتا ہے' اسے ایسا ہی کرنا چاہیے کہ یہ عوامل فطرت کے عین قریب ہیں۔ خوشیوں نے شاید ہی کبھی کسی کے دروازے پر دستک دی ہو لیکن انسان زندگی کے ہر روپ' ہر عکس میں خوشیوں کو ڈھونڈتا انہیں تلاش کرتا ہے لیکن اس کے ذی شعور کو کہیں دور نہیں جانا پڑتا ہے اسے سب کچھ اپنے اندر ہی مل جاتا ہے' سارے موسم اس کے اندر موجزن ہوتے ہیں۔

اگر آپ مثبت سوچوں کے مالک ہیں تو معمولی معمولی سی باتیں بھی خوشیاں بن کر آپ کے وجود کو مہکائے رکھیں گی اور اگر آپ محدود سوچ کے مالک ہیں تو پھر بڑی سے بڑی خوشی بھی آپ کو مسرت یا شادمانی کا احساس نہیں دلاسکتی۔

فرزانہ شوکت......کراچی

ہنسی آئی......؟

لڑکا: ''تمہاری زلفوں سے کھیلنے کو جی چاہتا ہے''۔

لڑکی نے وگ اتاری اور کہا:

''دیکھو! واپس دے دینا...... صبح یونیورسٹی بھی جانا ہے''۔

سائرہ حسن......حیدرآباد

کلچر

اجڑا سا وہ نگر کہ ہڑپا ہے جس کا نام
اس قریہ شکستہ و شہر خراب سے

عبرت کی اک چھٹانک برآمد نہ ہو سکی
کلچر نکل پڑا ہے منوں کے حساب سے

سیدہ امبر بخاری......چندی پور

ففٹی ففٹی

ایک کبابی مرغی کے کباب بیچا کرتا تھا۔ ایک دن ایک آدمی عدالت میں گیا اور مقدمہ دائر کیا کہ کبابی مرغی کے خالص کباب نہیں بیچتا بلکہ اس میں گائے کے گوشت کی ملاوٹ کرتا ہے۔ جج نے کبابی کو بلا کر پوچھا:

''تم کبابوں میں کتنی ملاوٹ کرتے ہو؟''

تو کبابی نے جواب دیا: ''ففٹی ففٹی''۔

جج نے پوچھا: ''ففٹی ففٹی سے کیا مراد ہے؟''

کبابی نے جواب دیا: ''ففٹی ففٹی کا مطلب ہے کہ ایک گائے اور ایک مرغی''۔

پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی......کراچی

عقل اور خواہش

جانوروں میں خواہش پائی جاتی ہے لیکن عقل نہیں ہوتی۔

فرشتوں میں عقل ہوتی ہے لیکن خواہش نہیں پائی جاتی۔

انسان میں یہ دونوں چیزیں موجود ہیں۔ اس میں عقل بھی ہے اور خواہش بھی۔

اگر انسان خواہش سے عقل کو دبا لیتا ہے تو جانوروں کی صف میں شامل ہو جاتا ہے اور اگر عقل سے خواہش کو دبالیتا ہے تو اس کا شمار فرشتوں کی صف میں کیا جائے گا۔

شازیہ عمران......کراچی

دعا

جو آنسو نہ ہوتے
آنکھ میں......تو......
آنکھیں اتنی خوبصورت نہ ہوتیں
جو درد نہ ہوتا
دل میں......تو......
خوشی کی قیمت پتہ نہ ہوتی
جو بے وفائی نہ کی ہوتی
وقت نے......تو......
وفا کی کبھی چاہت نہ ہوتی
اگر سوچنے سے مراد پوری ہو جاتی تو
دعا کی......کبھی ضرورت نہ ہوتی

مسز ریما انور رضوان......کراچی

سنہری باتیں

☆ پریشانی حالات سے نہیں خیالات سے پیدا ہوتی ہے۔

☆ بہترین آنکھ وہ ہے جو حقیقت کا سامنا کرے۔

☆ دنیا میں سب سے مشکل کام اپنی اصلاح کرنا اور سب سے آسان کام دوسروں پر تنقید کرنا ہے۔

☆ انسان زندگی سے مایوس ہو تو کامیابی بھی ناکامی نظر آتی ہے۔

☆ آرزو نصف زندگی ہے اور بے حسی نصف موت ہے۔

تنزیلہ یاسمین......ہری پور ہزارہ

☆☆☆☆☆☆

موسم کراچی

کراچی کی سردی سردی کہاں؟
آج یہاں ہے اور کل وہاں
آج ہوا نے اپنا رخ بدل دیا
سردی کو یہاں سے روانہ کر دیا
گرم کپڑے تو ابھی تک لٹک رہے ہیں
دکانوں پر ابھی تک سج رہے ہیں
اس عمل کا بھی ایک علم ہے
نہیں ایک تحفے سے یہ کم ہے
موسم کا بھی ایک محکمہ حساس ہے
جس کو اعلان کرنا ہر روز کی بات ہے
سمندری ہوا کو تو بتاتے ہیں ضرور
اعلان اس کا اکثر خاموش ہوتا ہے ضرور
گرم کپڑے تو ابھی لٹکتے رہیں گے
قسمت کے یہ کھیل ہوتے رہیں گے

فرخ سلطانہ

نئے افق

بندگی میں بھی اک مزہ ہے
قرب اللہ سے یہ جانا ہے

اس کو ملتے ہیں دو جہاں یہاں
اپنے رب سے جو مانگتا ہے
وہ کہ مسلم ہو یا کے ہو کافر
وہ تو سب کو ہی دے رہا ہے
ہے مسلمان سے مومن بہتر
مومن اللہ کی مانتا ہے
بے نیازی سرشت اس کی مگر
ربِ محمدؐ کی سن رہا ہے
کیوں غزلؔ اپنے دل کا حال کہے
اس کا رب اس کا رازداں ہے

سلمیٰ غزلؔ

نظم

اک بار سنو کچھ ایسا ہوا
وہ مجھ کو ملا میں اس کو ملا
اظہار ہوا اقرار ہوا
وہ دوست بنا میں یار ہوا
اسے عشق بہت مجھے پیار بہت
ہم دونوں میں تکرار بہت
پھر کچھ یوں ہوا
وہ چھوڑ گیا میں ٹوٹ گیا

پھر کچھ یوں ملے
وہ تنہا تھا میں اکیلا تھا
بس ہم دو تھے
اور کوئی نہ تھا
وہ رونے لگا
میں بے بس رہا
نہ پیار نہ ہی اظہار رہا
بس فرق صرف اتنا سا رہا
وہ مٹی کے اوپر روتا رہا
میں مٹی کے اندر سوتا رہا

ناصر عباس

اے بے خبر سونے والو......!

میں کیا کہوں......؟
کیوں اداس ہے دل میرا
میں کیسے کہوں
کیوں ویراں ہیں میری آنکھیں
جب سب جانتے ہوئے بھی
انجان بنتے جا رہے ہیں
وہ حکمران جو دل کا تھا
وہ مہربان جو میرا تھا
جو میرا تھا صرف میرا تھا
جسے میں نے پھول کہا
جسے چاند سے تشبیہ دی
جسے خوابوں میں پایا
جسے حقیقت میں چاہا
مگر نادان دل تو میرا تھا
تشنگی کی شدت جانتا نہ تھا
جدائی کیا ہوتی ہے
تڑپ کسے کہتے ہیں
کون اسے سمجھاتا
اے بے خبر سونے والو......!
دل ناداں کو بتا دو سب
''ہے عشق نہیں آساں''
کوئی منزل کا نہیں نشاں
اسے کہو سب چھوڑ دے کہ
کسی کو پالینے سے پایا نہیں جاتا
ہر فسانہ دراصل
حقیقت میں کچھ نہیں
یہ عشق محبت کی باتیں
اصل میں کچھ نہیں
ان بے خبر سونے والوں کو
بتا دو سب......!

انعم خان

غزل

حد سے گزریں گے تو بغاوت ہو گی!
اے مرے یار! تجھے مجھ سے شکایت ہو گی
تو جو واقف ہے مرا کوئی اور ضروری تو نہیں
دل ہے تیرا بھلا اور سے چاہت ہو گی؟
کیوں بھٹکتی ہیں تیری آنکھیں اطراف میرے
کچھ تو میری جان تجھے مجھ سے محبت ہو گی

یہ جو بادل کا برسنا رلاتا ہے مجھے!
جی میں آتا ہے تری آنکھوں کی شرارت ہوگی
کون بلاتا ہے مجھے لے کے میرا نام سحر
ضرور تیرے ہونٹوں کی یہ عادت ہوگی

سیما سحر

غزل

کیا سبب ہے کہ مدارات نہیں پہلی سی
روز ملتے ہیں مگر بات نہیں پہلی سی!
لطف کچھ عشق میں باقی ہے نہ وحشت میں مزہ
کیوں ستم گر کی عنایات نہیں پہلی سی
روتے روتے دل مضطرب کو سکوں آ ہی گیا
شکر ہے گردش حالات نہیں پہلی سی
اس کی دوری سے چھلک اٹھتی تھیں آنکھیں، لیکن
اب وہ بچھڑا ہے تو برسات نہیں پہلی سی
نہ وہ ساقی ہے، نہ مے ہے، نہ ہجوم رنداں
کیا ہوا شکل خرابات نہیں پہلی سی
شکوہ زور پہ ہم سے ہی وہ کہتے ہیں امتیاز
میں وہی ہوں، تری عادات نہیں پہلی سی

ایس امتیاز احمد

کنگن

یہ کنگن میں اتاروں کیسے
جو تیرے نام سے مہکے ہوئے
میرے ہاتھ میں سجے ہوئے
جب پی پی ہو کر یہ
میری گود میں بکھر گئے
تو دامن کو میں جھاڑوں کیسے
کنگن میں اتاروں کیسے
تجھ بن میرا سونا آنگن
تجھ بن سجے نہ آنکھ میں کاجل
کیسے میں دل کو بہلاؤں
یہ بات خود سمجھ نہ پاؤں
کہ خود کو میں سنواروں کیسے
کنگن میں اتاروں کیسے
تجھ بن جیون کچھ بھی نہیں
تجھ بن خوشی خوشی نہیں
کسی سے کچھ نہ کہہ پاؤں
یہ سوچتی ہی رہ جاؤں
کہ وقت اپنا گزاروں کیسے
کنگن میں اتاروں کیسے

تبسم فیاض

غزل

سن شب ہجر غم کے ماروں سے
بات کی تھی جو چاند تاروں سے
چاندنی رات میں رہے بے تاب
جل بجھے آتشیں نظاروں سے
اُن کی محفل میں بات کر نہ سکے
راز دل کہہ دیا اشاروں سے
اشک بہتے ہیں روشنی سی ہے
میری پلکوں پہ ان شراروں سے
ان کی نظروں میں ہو گئے کم تر
بڑھ گئے درد میں ہزاروں سے
کیوں اڑا لے گئی خزاں جاوید
پھول مانگے تھے جو بہاروں سے

محمد اسلم جاوید

نظم

بڑا عجب تھا سمائے رخصت
جواب بھی سوچوں تو جان جائے
کہ وقت ٹھہرا تھا چپ پہرہ
نگاہ نم تھی مجھی میں گم تھی
کہ اس منظر کی ہر شے پہ
جیسے سکتہ ہی چھا گیا تھا
جواب بھی سوچوں تو جان جائے
نہ لب کھولے وہ نہ لب ہے وہ
سوال چپ تھے جواب گم تھے
قدم بھی ایسے کہ جم گئے تھے
نہ بڑھ رہے تھے نہ گھٹ رہے تھے
جواب بھی سوچوں تو جان جائے
عجب ہی سانسوں میں کشمکش تھی
نہ چل رہی تھیں نہ تھم رہی تھیں
تھا اس کا جانا بہت ضروری
نہ کہہ رہی تھی نہ جا رہی تھی
جواب بھی سوچوں تو جان جائے
پلٹ کے در تک ہاں جب وہ پہنچی
سنو کہ جیسے وہ جا چکی تھی
مگر یہ عشق کمال دیکھو
فضا نے خوشبو نہ اس کی چھوڑی
تھی چاپ قدموں کی اب بھی ویسی
وہ جا چکی تھی مگر وہیں تھی
جواب بھی سوچوں تو جان جائے
بڑا عجب تھا سمائے رخصت

ایم کامران کامی

غزل

خوبرو چاند کو اشکوں سے بھگویا نہ کرے
وہ میری ذات کی تنہائی پہ رویا نہ کرے
اس کی آنکھوں کی یہ لالی مجھے بدنام نہ کردے
اس سے کہہ دو کہ وہ اب دیر سے سویا نہ کرے
اس کے اس حال سے دیوانے جنم لیتے ہیں
اب وہ برسات میں زلفوں کو بھگویا نہ کرے
میں نے لکھا ہے ہر اک لفظ فقط اپنے لہو سے
اس سے کہہ دو میرے الفاظ کو دھویا نہ کرے
اس کے گفتار سے اب مجھ کو سروکار نہیں
اپنی سانسوں میں میرا نام پرویا نہ کرے

سید بشارت شاہ

''ہم مسکراتے ہیں''

کوئی جو روٹھ جائے تو
کوئی نہ پاس آئے تو
بہت تکلیف ہوتی ہے
اسی خاطر ہم سب باتیں، سب طعنے، گلے شکوے

بھلاتے ہیں
اور
ہمیشہ مسکراتے ہیں
دردوغم کے سب موسم
بظاہر بھول جاتے ہیں
ہم ہر پل مسکراتے ہیں

سباس گل

غزل

سمجھ اس ادا سے ہمیں ٹھکرایا اس نے
جتنا یاد رکھا اسی شدت سے بھلایا اس نے
شاید میری چاہت میں کمی آ گئی تھی
اسی لیے ہمیشہ غیروں کو اپنایا اس نے
آج تک کبھی یہ نہ جان پائی میں
کیا کھویا میں نے اور کیا پایا اس نے
ہمیں بھلا دیا ہے چلو کوئی بات نہیں
دل اس فکر میں کس کو ہوگا اپنایا اس نے

عفیفہ مریم

تنہا

امید وصل ایک خواب......
اک سراب......
اور اس سراب کا حاصل
عمر بھر کی خلش......
وحشت زدہ سی زندگی......
زنجیر ہجر میں جکڑی ہوئی
ترسی ہوئی بکھری ہوئی سی زندگی......
اور اس زندگی میں......
میں......
اک اکیلی غزل......
تنہا......

سمیرا غزل حکمت اللہ صدیقی

غزل

تیرے بنا اک پل گزارا نہیں جاتا
محبت میں ہر ستم گوارا نہیں جاتا
کس قدر کہا تھا جدائی نہیں دینا
گزر جائے جو وقت وہ دوبارہ نہیں آتا
ہر شخص نہیں دل میں بسانے کے قابل
محبت میں جو ہو جائے برباد سنبھالا نہیں جاتا
ہر ڈال پہ اک پھول ہی کھلتا ہے
ہر پھول کو اس شاخ پر کھلایا نہیں جاتا
رات میں تنہائی کے ناگ ڈستے ہیں
زخم میں تیری یاد سے بھی آرام نہیں آتا
تیرا چہرہ تھا بہت خوبصورت نظارہ
ہر نظارے کو آنکھوں میں سجایا نہیں جاتا
محبت میں بسی یاد یاد میں گزاری ہر شام
ہر شام کو تیرے بغیر گزارا نہیں جاتا

زبیر

تمہاری یاد آتی ہے

بھلائیں کس طرح تم کو تمہاری یاد آتی ہے

کبھی ساون کبھی پت جھڑ کبھی پھولوں کے موسم میں
اندھیری رات میں جب چاند آ کر جگمگاتا ہے
تمہاری یاد آتی ہے
کسی شاعر کی شاعری میں کسی عاشق کی عاشقی میں
کہیں پہ پیار کا نغمہ کوئی بھی گنگناتا ہے
تمہاری یاد آتی ہے
کوئی رو کے نہ اب ہم کو کوئی ٹوکے نہ اب ہم کو
کہ اس کو بھول جاؤ تم کوئی سمجھا کے جاتا ہے
تمہاری یاد آتی ہے
یہ حرکت پاگلوں جیسی جو ہم ہر بار کرتے ہیں
تمہیں جب یاد کرتے ہیں یہ دل ہم کو رلاتا ہے
تمہاری یاد آتی ہے

قمر اسلم

غزل

بڑی روانی سے ابھرے ہوئے دو لفظ بنا کر
رسم الفت کا بھرم یوں ہی ہم نے توڑ دیا
میں نے جھونک دیا ان کو ہجر کی تنہائی میں
الغرض میں نے ان کے سپنوں کا تاج محل توڑ دیا
بڑی ہمت سے وہ بھی وعدے نبھاتے گئے
ان کے وعدوں کا بھرم ہم نے یوں ہی توڑ دیا
کتنا پیارا تھا ان کے دل میں جو گھر میرا تھا
ستم کیا ان پر کہ وہ گھر توڑ دیا
ان کی باتوں سے جو خوشبوئے وفا آتی تھی
بڑے ہی پیار سے میں نے ان کا وہ دل توڑ دیا
وہ چلتے ہی گئے ساتھ میرے برہنہ پاؤں
اے واجد تو کس قدر ظالم ہے
جو پتھر کے نگر میں لا کے انہیں چھوڑ دیا

پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی

ماضی

گزرے کل کی بات نہ چھیڑو
وہ تو اک افسانہ ہے......
ماضی ماضی ہوتا ہے
ماضی کو کیا دہرانا
کیا دل کو روگ لگانا
جلتے ہوئے بیکار سے لمحے
بکھری ہوئی امیدیں
بے کل بے کل سوچوں کو
چھوڑو کیا ذہن میں لانا
ماضی کو کیا دہرانا
گزر گئیں جو غم کی گھڑیاں
بہہ گئیں جو اشکوں کی لڑیاں
ان لڑیوں کا ہار پرو کر
یادوں کو پہنانا
ماضی کو کیا دہرانا
ٹوٹ گیا تھا خواب سہانا
سپنا اک انجانا
شیشہ تو ٹوٹ ہی جاتا ہے
اب دل کو ہے یہ سمجھانا
ماضی کو نہ دہرانا

فرزانہ شوکت

☆☆☆

صالحہ محمود

سحرانجم .... کراچی

آپی السلام وعلیکم! اللہ آپ کو اور آپ کے تمام اسٹاف ممبرز کو نئے سال کی بہت ساری خوشیاں عطا کرے آمین۔ 2011ء میں تو زہر میں بجھے ہوئے تیر اور شہد میں ڈوبی ہوئی کونین کی گولیاں تو بہت کھا لیں اب اللہ کرے کوئی سچی بات کہنے والا اور اس ملک کو سنبھالنے والا آئے جو قائداعظم کی اس محنت کا حق ادا کر سکے جو انہوں نے مرتے دم تک کی تھی۔ نئے سال کا نیا تحفہ ردا کی صورت میں ملا' پڑھ کر دل خوش ہوگیا۔ دسمبر کا شمارہ نہیں ملا تھا اس وجہ سے مجھے شازیہ مصطفیٰ کے شازیہ مصطفیٰ عمران بننے کی خبر نہ مل سکی' زبردست شازیہ! آپ کو نئی زندگی کی تمام خوشیاں نصیب ہوں' آمین۔ آپ کے تو الفاظ ہی ہمارے لیے خوشی کا باعث ہوتے ہیں اور سباس گل آپ کا دامن بھی ہمیشہ خوشیوں کے پھولوں سے بھرا رہے' آمین۔ آپی! آپ کے ناول کی ابتدا ہی یہ ثابت کر رہی ہے کہ آپ ہم سے کتنی قریب ہیں کیونکہ انسان انہی کے دکھ سکھ جانتا ہے جن سے قریب ہوتا ہے اور ناول کی ابتدائی کہانی تو یہی تاثر دے رہی ہے کہ ہمارے ہی اردگرد بسنے والوں کی کہانی ہے جسے کسی خاص نے لکھا ہے۔ باقی ناول اور افسانے بھی بہترین ہیں ہمیشہ کی طرح ہاں مگر شاعری کا جواب نہیں' سال نو پر پیش کی گئی سب ہی نظمیں اور غزلیں زبردست تھیں جو میری ڈائری میں محفوظ ہوگئی ہیں۔ ردا کی ڈائری میں بھی اب کے سال کچھ ایسا کرنا ہے' نئے سال کا پہلا دن سعدیہ عابد اور زینیا چوہدری سب کا انتخاب لاجواب تھا۔ اشعار میں ثنا خان صنعا' امبر ہاشمی اور سعدیہ عابد کے اشعار پسند آئے۔ نظم بس ایک آنسو گرا دینا تو میں نے اپنے موبائل سے اپنی سب دوستوں کو سینٹ کر دی' ذرا پھر سے کہنا میں باقی سب نے بھی بہت اچھا لکھا مگر زویا خان کی نظم دل کو بھا گئی۔ اس ماہ میں اور خوشبو کی تحریریں بھی اچھی تھیں۔

شمع پروین .... فیصل آباد

آپی! کیسی ہیں آپ؟ فروری کا ردا جب ہاتھ میں آیا تو سب سے پہلے میں نے پیاری آپی صالحہ محمود کی کہانی پڑھی۔ دل چاہتا ہے ردا جلدی سے میرے ہاتھ میں آ جائے اور میں یہ قسطیں جلدی جلدی پڑھوں۔ سچ آپی! نام کی طرح اسٹوری بھی سپر ہے۔ باقی سارے ہی سلسلے وار ناول اچھے جا رہے ہیں۔ فروری کے شمارے میں قرۃ العین کا مکمل ناول ''عشق عشق'' بہت پسند آیا' ناولٹ بھی اچھا تھا۔ افسانے سارے ہی اچھے تھے۔ نائلہ طارق کا افسانہ ''کوئی خوشبو جیسی بات'' پڑھ کر بہت لطف آیا۔ عائشہ الیاس کا افسانہ کافی دنوں بعد پڑھنے کو ملا۔ سلمیٰ غزل کی تحریر کافی متاثر کن رہی۔ مستقل سلسلے سب ہی اچھے جا رہے ہیں۔ اس ماہ میں اور خوشبو تو ہمیشہ ہی جھلملا [illegible] باتیں صحت کی اور دوستوں کے نام پیغام سلسلہ بہت اچھا جا رہا ہے۔ آپ جس محبت سے گوشہ چشم میں جواب دیتی ہیں بہت اچھا لگتا ہے۔

سمیرا غزل .... کراچی

ڈیئر آپی جان السلام وعلیکم! امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی تمام اسٹاف کو میری طرف سے بہت بہت دعائیں اور سلام۔ سب سے پہلے تو میرا افسانہ ''ریاضت'' شائع کرنے کا بے حد شکریہ اور نظموں کا بھی' ساتھ ساتھ بہت معذرت' میں امتحانات کی وجہ سے خط نہیں لکھ پائی نہ شکریہ ادا کر پائی۔ جنوری کا ردا پڑھا جو بے حد اچھا لگا۔ جیا قریشی کی تحریر بہت پسند آئی اور صالحہ آپی! آپ کی بھی۔ آخر میں ردا کیلئے ڈھیروں دعائیں' اللہ ردا کو ایسے ہی ترقی سے نوازتا رہے' آمین۔

تبسم فیاض .... کراچی

صالحہ آپی! ساری تحریریں بہت اچھی چل رہی ہیں بس شازیہ جی اب تھوڑا سا ''کبھی عشق ہو تو پتا چلے'' ناول میں حمدان کا رویہ چینج کریں۔ ''اعتبار عشق'' میں نفیس تو صحیح معنوں میں بہترین شوہر کا کردار ادا کر رہے ہیں لیکن انہیں عینی کی اداسی کا بھی نوٹس لینا چاہیے۔ باقی ''سانس' سڑک اور سکوت'' بہترین جا رہا ہے۔ آخر میں' میں شائستہ زاہد کی شائستگی کی تعریف کیے بنا نہیں رہوں گی کیونکہ وہ جب بھی بات کرتی ہیں بہت دلکش انداز ہوتا ہے بات کرنے کا۔ شکریہ۔

غزل ملک .... لاہور

صالحہ آپی! ردا اسٹاف کو میری طرف سے بہت سلام۔ اللہ آپ کی زندگی خوشیوں سے بھر دے' آمین۔ شازیہ مصطفیٰ' سباس گل' نائلہ طارق' انعم خان سب رائٹرز کو میرا سلام۔ دل چاہتا ہے کہ ان رائٹرز کو قریب سے دیکھوں جو اتنا اچھا لکھتی ہیں۔ صالحہ آپی کے ناول نے خط لکھنے پر مجبور کر دیا۔ ماشاءاللہ اتنا اچھا یہ نیا سلسلے وار ناول جا رہا ہے کہ کیا کہنے۔ ردا ایک خوبصورت رسالہ ہے۔ اس میں نئے لکھنے والوں کو بھی موقع دیا جاتا ہے۔ قرۃ العین چنا کے مکمل ناول میں صبوحی کا کردار بہت اٹریکٹو تھا۔ انعم خان! علی پر کچھ تو رحم کریں۔ سارے ہی کرداروں سے آپ انصاف کر رہی ہیں۔ شازیہ مصطفیٰ کا سلسلے وار ناول تو ہے ہی بیسٹ۔ ردا کی ڈائری میں افشاں علی کا انتخاب پسند آیا۔ الیس امتیاز کے سوالات و جواب تو بہت ہی پسند آئے۔ یہ ہر مرتبہ بہت زبردست لے کر آتے ہیں۔ ریما نور رضوان کیلئے ڈھیروں دعائیں۔ فرزانہ عمر دراز تو خوشبو میں خوشبو بن کر پھیلتی نظر آئیں۔ عفیفہ مریم کی کچھ ''کھٹی میٹھی یادیں'' واقعی ہمیں بھی کالج کا زمانہ یاد آ گیا۔ باتیں صحت کی میں ہر ماہ ہمارے علم میں اضافہ ہو رہا ہے۔ باقی سارے ہی سلسلے اچھے تھے۔

عفیفہ مریم .... وہاڑی

ہیلو صالحہ جی! میری طرف سے ٹھنڈا ٹھار لحاف میں لپٹا گرما گرم چائے کے کپ کے ساتھ سلام محبت قبول کیجیے۔ میری طرف سے سال 2012ء اس دعا کے ساتھ کہ ''یہ سال ہمارے

پیارے ملک میں امن و سلامتی لے کر آئے' آمین' مبارک ہو۔ سندیسہ لکھنے کا کوئی ارادہ تو نہیں تھا پر جنوری کے شمارے نے لکھنے پر مجبور کر دیا۔ سو کچھ تعریف اور تنقید کے ساتھ حاضر ہوں۔ جنوری کا ٹائٹل ہمیشہ کی طرح زبردست نہیں لگا' بس ٹھیک ہی تھا۔ گوشہ آگہی میں دعا کیلئے (آمین) اللہ ہمارے ملک میں امن و سلامتی قائم رکھے۔ ردائے جنت کی تعریف کیلئے الفاظ بہت کم ہیں۔ اس دفعہ بھی ہر بار کی طرح بہت بہت قابل تعریف تھا۔ اس میں ہمیں جو احادیث اور اقوال پڑھنے کو ملتے ہیں وہ واقعی ہمارے لیے جنت کی ہوا لینے کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ اگر ہم اس پر عمل کریں۔ اس بار ردائے جنت میں اگر ہم ایک بات پر بھی عمل کریں تو یقیناً ایک اچھا مسلمان بن سکتے ہیں۔ دل تو چاہتا ہے ردائے جنت کے بارے میں ہی لکھتی رہوں پر پھر صفحات کی زیادتی نہ ہو جائے اسی لیے چلتے ہیں ناولز کی طرف۔

تو صالحہ آپی! آخر آپ نے ہماری خواہشوں کے پیش نظر ناول لکھ ہی ڈالا۔ حرف اول تو بہت زبردست ہے۔ ناول بھی بہت اچھا رہے گا۔ ارے شازیہ جی! سنبھالیے حمدان کو پھسل رہا ہے اریشماء کی طرف۔ حمدان صاحب ابھی خود کو تھوڑا مضبوط رکھئے۔ اریشماء آپ کو ہی ملے گی انشاء اللہ میری دعا ہے۔ شہران پلیز حرما کی شادی بخیر و عافیت ہو لینے دینا' اپنی باری پر جو مرضی کرنا۔ نائلہ جی! آخر آپ نے رخ کو بدلا پر شمس سے یہ امید نہ تھی۔ اعتبار عشق اچھا جا رہا ہے۔ آگے دیکھئے کنول آپا کیا گل کھلاتی ہیں۔ روشنی فاطمہ کا شکست صدائے دل بہت بہت پسند آیا۔ واقعی دوست کو گنوانے کا تصور ہی سوہان روح ہوتا ہے۔ مجھ سے زیادہ کون جانے یہ دکھ' میں نے اپنی بہت اچھی دوست کو کھویا ہے۔ سوری ڈیئر اینڈ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔ اوہو میں' کدھر چلی گئی۔ تبسم فیاض کا افسانہ بہت زبردست تھا۔ کیا ایسے بھی قسمت بدلتی ہے تبسم جی۔ باقی ڈائجسٹ کے تمام سلسلے ہر بار کی طرح زبردست تھے خصوصاً سال نو اور سنگھار۔ صالحہ آپی جی! اب اجازت چاہوں گی پھر ملیں گے انشاء اللہ' آپ کیلئے دعا گو اور آپ کی دعاؤں کی طلبگار۔

عروج اشرف..................اسلام آباد

آپی! میں پہلی بار ردا میں خط لکھ رہی ہوں اس کوشش کے ساتھ کہ آپ ضرور شامل کریں گی۔ میں ردا کافی عرصے سے پڑھ رہی ہوں لیکن ایک خاموش قاری کی طرح۔ آپ جس طرح گوشہ آگہی میں مخاطب ہوتی ہیں تو حوصلہ وہیں سے ملا کہ میں سندیسے کے ذریعے ردا میں شامل ہو جاؤں۔ جنوری اور فروری دونوں ہی شماروں کے متعلق لکھنا چاہوں گی۔ آپ کا ناول ''تم میرے ہو کے رہو'' کا اینڈ بہت خوبصورت تھا اور دل چاہا کہ آپ جلدی سے اپنا نیا ناول لے کر آئیں۔ کافی انتظار کے بعد آخر آپ نے ہم قارئین کی یہ خواہش پوری کی جس کیلئے میں بہت خوش ہوں۔ اسٹوری کے کیریکٹرز بہت اچھے لگ رہے ہیں خاص طور پر رومی۔ ناول کو

پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ ہماری ہی اپنی کوئی کہانی ہے۔ شازیہ مصطفیٰ کا ''کبھی عشق ہو تو پتا چلے'' میں حمدان کا سیریس سا مزاج اچھا لگ رہا ہے اور یہ حرما کے ساتھ یہ کیا ہو گیا۔ اسٹوری زبردست چل رہی ہے۔ سباس گل کی تحریر میں تو عینی کے صبر کی کیا بات ہے۔ نائلہ طارق جی کا ناول بھی بہت عمدگی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ انعم خان کا انداز تحریر اور لفظوں کا چناؤ بہت حسین ہے۔ جنوری کے شمارے میں روشنی فاطمہ کا ناولٹ بہت پسند آیا۔ نئی رائٹرز کی تحریریں اچھی لگیں۔ فروری کے شمارے میں مکمل ناول اچھا لگا۔ سب رائٹرز نے خوب محنت کی۔ سال نو نمبر میں صالحہ محمود کی نظم کی تو کیا ہی بات تھی۔ اگلی بار ضرور سندیسے کے ذریعے ردا میں حاضر ہوں گی' شکریہ۔

سائرہ سموں..................ضلع نوشہرو فیروز۔

پیاری آپی! السلام وعلیکم اینڈ ہیپی نیو ایئر۔ ردا کے تمام اسٹاف اور قارئین 2012ء کی آمد کی مبارکباد ہو اور ہم دعا گو ہیں آپ کیلئے یہ سال تمام خوشیوں سے بھرا ہو اور اللہ تعالیٰ آپ کو بہت سی کامیابیوں سے نوازے' آمین۔ آپی! میرا نام سائرہ ہے اور میں ضلع نوشہرو فیروز کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہتی ہوں۔ امید ہے کہ آپ میرا یہ خط ضرور شائع کریں گی۔ آپی! میرا یہ کسی ادارے میں پہلا خط ہے ردا نے اتنا مجبور کر دیا کہ آخر مجھے خط لکھنا ہی پڑا۔ آپی جہاں میں رہتی ہوں وہاں میگزین ملنا بہت ہی مشکل کام ہے اس لئے ہم یہ میگزین کراچی سے منگواتے ہیں۔ سارا ماہ انتظار کرنا پڑتا ہے کہ کب بھائی کراچی سے آئیں گے اور ردا لائیں گے۔ آپی! پہلے ردا میں اکیلی پڑھتی تھی لیکن اب تو ردا پڑھ کر اپنی فرینڈز کو بھی دیتی ہوں' بس سارے دیوانے ہو گئے ہیں ردا کے۔ آپی! تمام رائٹرز بہت ہی اچھا لکھتی ہیں۔ نائلہ طارق کی تو کیا ہی بات ہے۔ سانس سڑک اور سکوت پڑھ کر تو بہت ہی مزہ آتا ہے' سارہ اور شمس بھائی کی نوک جھونک اور موموکا جھگڑا تو بہت ہی مزیدار ہوتا ہے' کہانی کو بکھیر کر سمیٹنا تو کوئی نائلہ آپی سے سیکھے' ویلڈن نائلہ آپی! آپ نے تو ہمارا دل ہی جیت لیا ہے۔ صالحہ آپی! آپ کا نیا سلسلے وار ناول تو بہت ہی مزیدار ہے انشاء اللہ آپ آگے بھی بہت ہی شاندار بنائیں گی۔ آپی! گوشہ آگہی پڑھ کر تو انسان تازہ ہو جاتا ہے اور ردائے جنت کی تو کیا ہی بات ہے۔ گوشہ آگہی سے لے کر سنگھار تک تمام سلسلے بہت مزیدار ہیں۔ ردا کی جتنی تعریف کی جائے اتنی کم ہے۔ اللہ کرے ہمارا ردا اسی طرح ترقی کرے آمین۔

عبیرہ عزیز..................ٹوبہ ٹیک سنگھ

صالحہ آپی السلام وعلیکم! امید واثق ہے کہ مزاج مبارک ٹھیک ٹھاک ہوں گے۔ مجھے بہت دنوں بلکہ کافی مہینوں بعد فراغت نصیب ہوئی۔ سورات کی تنہائی' خاموشی اور گھڑی کی سوئیوں کی مسلسل ٹک ٹک کو ہمسفر بنا کر میں نے قلم تھاما اور صفحہ قرطاس پر اس تنہائی کے واحد ساتھی ''ردا'' کے بارے میں اپنی آرا تحریر کرنے لگی۔ مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ آگے آپ کا ناول اچھا جائے گا۔ اس لئے امید کا دامن تھامے ہوئے میں نے رسالے کی ورق

گردانی شروع کی اور اچانک ہی راستے میں تصادم حمدان بھائی سے ہوگیا' ان کے پاس سے تو دُم دبا کے بھاگے مبادا حمدان صاحب' اریشماء کی طرح ہمیں بھی کھری کھری نہ سنا دیں اور پہنچ گئے شہران کے گھر اور اس کا کارنامہ پڑھ کے تو دنگ ہی رہ گئے کہ کیا کوئی اتنا بھی ضدی اور اَنا پرست ہوسکتا ہے؟ پھر ہم ابھی عشق سے اعتبار' وفا اور مان مانگ ہی رہے تھے کہ کنول آپا کی آمد ہوئی اور ان کی حرکت پڑھ کر تو قدموں تلے زمین ہی سرک گئی اور صرف ایک ہی بات نے دماغ میں ڈیرہ جمالیا کہ کیا کوئی دوسری عورت کا گھر برباد کرنے کیلئے اتنی ہی آسانی اور صفائی سے اتنا بڑا بہتان لگا سکتا ہے؟ استغفراللہ! ابھی ان سوچوں میں ہی گم تھے کہ ایک سکوت طاری ہوگیا۔ ڈر سے آنکھیں جب وَا ہوئیں تو ہم سڑک کے بیچوں بیچ کھڑے ''سارہ اور شیث کے حالات زندگی'' مطالعہ فرما رہے تھے۔ اپنی ناراضگی کے معاملے میں مجھے شیث میاں حق بجانب لگے۔ خیر صفحہ پلٹا اور ''مہ روش اور مراد کی منگنی'' ملاحظہ فرمائی اور مراد کی چال کی تھوڑی سی کن سوئی ملی اور یہ جان کر تو ہمارے دیدے پھٹنے کو تھے۔ ''مجنوں صاحب علی آیان حسن گیلانی'' پر اتنا ترس آیا کہ دل چاہا کہ ہم کوئی پری بن کے جادو کی چھڑی سے ان کے دکھ کا مداوا کریں لیکن یہ سب ناممکنات میں سے ہے اس لئے پھر ہم نے ''صبوحی'' کی طرف رخ روشن کیا اور ہمیں واقعی یقین ہوگیا کہ ''عشق حقیقی'' انسان کی درست منزل ہے جس کی پہلی سیڑھی ''عشق مجازی'' ہے۔

نایاب حسن .... واہ کینٹ

ڈیئر صالحہ آپی السلام علیکم! کیسی ہیں آپ؟ امید کرتی ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بالکل خیریت سے ہوں گی۔ سب سے پہلے تو میں آپ کی جانب سے فروری کا ردا موصول ہونے پر آپ کا شکریہ ادا کروں گی ایک بار پھر شکریہ۔ اب ردا کی بات کر لیتے ہیں۔ ردا کو چار چاند آپ کے نئے ناول نے لگا دیئے ہیں۔ امید ہے کہ یہ ناول بھی پچھلے ناول کی طرح پسند کیا جائے گا۔ باقی سلسلے وار ناول میں شازیہ مصطفیٰ' نائلہ طارق اور سباس گل بھی خوبصورتی سے آگے بڑھ رہی ہیں۔ قرۃ العین فیصل کی تحریر کافی اچھی تھی۔ انعم خان بھی کافی اچھی جا رہی ہیں۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

حنا نسیم .... کراچی

فروری کا رسالہ جب ہاتھ میں آیا تو سب سے پہلے میں نے آپی کا سلسلے وار ناول پڑھا کیونکہ مجھے رومی کے حالات کے بارے میں جاننے کی جلدی تھی۔ آپی! آپ کا یہ نیا سلسلے وار ناول بہت اچھا جا رہا ہے اور ہماری دعا ہے کہ یہ آگے بھی مزید بہتر سے بہترین کی منزلیں طے کرے۔ باقی شمارے کی ساری ہی کہانیاں عمدہ تھیں۔ شازیہ مصطفیٰ' سباس گل' نائلہ طارق سب ہی رائٹرز اچھا لکھ رہی ہیں۔ مستقل سلسلوں میں مجھے نیا سلسلہ دوستوں کے نام پیغام بہت پسند آیا۔ اگلی بار تفصیلی خط کے ساتھ حاضر ہوں گی۔

☆☆☆

صالحہ محمود

گوشۂ چشم

سحر انجم .... کراچی

پیاری سحر انجم! ہماری بھی یہی دعا ہے کہ یہ سال امن وسلامتی سے گزرے۔ شازیہ مصطفیٰ اور سباس گل کو آپ کا میسج آپ کے خط کے ذریعے پہنچ گیا ہے۔ آپ نے جس خلوص سے ردا کی تحریروں کی تعریف کی ہے اس کیلئے بہت شکریہ۔ یہ مستقل سلسلوں کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔

شمع پروین .... فیصل آباد

سوئٹ شمع پروین! ناول کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔ آپ کو نئے مستقل سلسلے پسند آ رہے ہیں۔ ''دوستوں کے نام پیغام'' یہ ایک ایسا سلسلہ ہے جو قارئین کی ہی شمولیت سے آگے چلتا رہے گا۔ اس سلسلے کے ذریعے آپ سب ہی شامل ہوسکتی ہیں اور اپنے پیاروں کو وِش کر سکتی ہیں جو بھی پیغام دینا چاہتی ہیں وہ آپ دے سکتی ہیں۔ آپ ردا میں اپنا سندیسہ بھیجتی رہنے اور اپنے خوبصورت خیالات کا اظہار ردا کی تحریروں پر کیجیے۔

سمیرا غزل .... کراچی

سوئٹ سمیرا غزل! آپ کو ردا کی رہنمائی ہمیشہ حاصل رہے گی۔ زیادہ سے زیادہ مطالعہ کریں۔ جہاں تک لکھنے کا سوال ہے تو ضرور لکھئے' ہم گائیڈ کرینگے۔ ردا آپ کو کبھی بھی مایوس نہیں کرے گا۔ آپ اپنا بہت خیال رکھئے۔

تبسم فیاض .... کراچی

پیاری تبسم فیاض! بالکل آپ ردا میں لکھ سکتی ہیں ردا آپ کا اپنا ماہنامہ ہے۔ ردا کی رائٹرز کو پسند کرنے کا بے حد شکریہ۔ آپ جو بھی میسج رائٹرز کو دینا چاہتی ہیں آپ کے خط کے ذریعے ان تک پہنچ جاتا ہے۔ آپ اپنا بہت خیال رکھئے اور ردا سے منسلک رہیں۔

غزل ملک .... لاہور

پیاری غزل ملک! ردا کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔ آپ کی دعائیں اور پیار آپ کے خط کے ذریعے رائٹرز تک پہنچ چکا ہے۔ آپ اگر مستقل سلسلوں میں شامل ہونا چاہتی ہیں تو بہترین انتخاب بھیجئے' ضرور شامل کیے جائیں گے۔

عفیفہ مریم .... وہاڑی

سوئٹ عفیفہ مریم! آپ کا ردا پر تبصرہ اچھا لگا۔ نیا سال بھی اب تیزی سے آگے بڑھنے لگا ہے۔ ہماری بھی دعا ہے کہ سال کے باقی مہینوں میں ملک میں امن وسلامتی کی فضا قائم رہے۔ آپ ہر ماہ سندیسے میں شامل ہوسکتی ہیں۔ کوشش کیجیے کہ پہلی تاریخ سے پہلے ہی سندیسہ پوسٹ کریں اور اپنا بہت خیال رکھئے۔

عروج اشرف .... اسلام آباد

پیاری عروج! ردا میں ویلکم۔ آپ ردا کو کافی عرصے سے پڑھ رہی ہیں اور پسند بھی کرتی ہیں تو اب تک کہاں چھپی رہیں؟ یہ جان کر بہت خوشی ہوئی' بہرحال ہماری کوشش ہوتی ہے کہ ردا قارئین کی توقعات پر پورا اترے۔ بالکل آپ شمولیت اختیار کر سکتی ہیں۔

سیما سحر .... کراچی

پیاری سیما سحر! آپ کا لیٹر موصول ہوا۔ آپ کیلئے ڈھیروں دعائیں۔ ردا سے اپنا تعلق جوڑے رکھئے اور اپنا بہت خیال رکھئے۔

کشش خان.................نامعلوم جگہ

پیاری کشش خان! ایسا نہیں ہے کہ ہم نے آپ کی تحریر کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا' آپ نے ردا سے کوئی رابطہ نہیں کیا۔

جب بھی اپنی اسٹوری بھیجئے اس میں اپنا ایڈریس اور کونٹیکٹ نمبر ضرور لکھیں۔ اب آپ نے خط کے ذریعے رابطہ کیا ہے ضرور آپ کا افسانہ شائع کر دیا جائے گا۔ اپنا بہت خیال رکھئے اور ردا سے رابطے میں رہیے۔

سائرہ سموں .... ضلع نوشہرو فیروز

سوئٹ سائرہ! ردا میں ویکم۔ اتنی محبتوں اور خلوص کا بے انتہا شکریہ۔ ہمیں یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ گاؤں میں سہولت نہ ہونے کے باوجود آپ کراچی سے رسالہ منگواتی ہیں۔ ہماری کوشش ہے کہ ردا آپ کی دلچسپی کو ہمیشہ برقرار رکھے۔

آپ کی پسندیدگی نائلہ طارق تک آپ کی تحریر کے ذریعے پہنچ رہی ہے۔

آپ آئندہ بھی خط کے ذریعے ردا کا حصہ بن سکتی ہیں۔ اپنا بہت خیال رکھئے اور اپنی رائے کا اظہار ضرور کیجیے۔

نایاب حسین .... واہ کینٹ

پیاری نایاب حسین! ردا کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔ مارچ کا ردا پڑھ کر تو آپ کی شکایت دور ہو گئی ہوگی۔ آپ اسی طرح ردا سے منسلک رہیے اور لکھتی رہیے۔

عبیرہ عزیز..................ٹوبہ ٹیک سنگھ

پیاری عبیرہ! آپ کا خط بہت ہی طویل تھا۔ آپ کی تحریر ہمارے پاس محفوظ ہے اشاعت کیلئے۔ تھوڑا انتظار کیجیے۔ جلد ہی شائع ہو جائے گی۔ سندیسہ لکھتی رہیے اور اپنا بہت خیال رکھیئے۔

نفیسہ خان .... لیہ

سوئٹ نفیسہ! آپ ردا میں لکھنا چاہتی ہیں' ضرور لکھیں۔ ہم آپ کو ضرور گائیڈ کریں گے۔ آئندہ آپ تفصیلی خط لکھئے۔ تحریر بھیجنے کے لیے اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اپنا بہت خیال رکھئے۔

..........☆☆☆..........

دوستوں کے نام پیغام

مائی فیورٹ رائٹر صالحہ محمود! آپ میری فیورٹ رائٹر ہیں۔ میں آپ کو نئے سلسلے وار ناول شروع کرنے پر مبارکباد دیتی ہوں گو کہ میں تھوڑی لیٹ ہو گئی ہوں لیکن مجھے امید ہے کہ آپ میری یہ وِش ضرور شامل کریں گی۔ میری دعا ہے کہ یہ ناول خوب سے خوب تر آگے بڑھے (آمین)

ثمرہ ہاشمی......فیصل آباد

..........☆☆☆..........

مائی سوئٹ سسٹر صائمہ! 19 مارچ کو آپ کی شادی کی پہلی سالگرہ ہے۔ آنے والا ہر سال آپ کی زندگی میں خوشیاں لے کر آئے۔ آپ ردا شوق سے پڑھتی ہیں' سوچا آپ کو اس کے ذریعے وِش کروں۔ کہیے میرا سرپرائز آپ کو پسند آیا؟

نعیمہ خان......لاہور

..........☆☆☆..........

سو سوئٹ عدن! ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔ میری دعا ہے کہ آپ ہر سال اپنی سالگرہ جوش و خروش سے منائیں لیکن اپنی آنی کو مت بھولئے گا۔ مریم کو بہت سارا پیار اور ڈھیروں دعائیں اور مما گھر کب آئیں گی؟ میں انتظار کروں گی۔

ساجدہ زاہد......کراچی

..........☆☆☆..........

لولی فرینڈ عاشی! میں آپ کو بہت مس کر رہی ہوں یقیناً آپ بھی مجھے ضرور یاد کرتی ہوں گی۔ آپ آنٹی کے ساتھ گھر آؤ اور بے بی کو ضرور ساتھ لے کر آنا۔

شاہانہ شاکر......لیہ

..........☆☆☆..........

صالحہ محمود' ردا اسٹاف اینڈ قارئین! سب کو سلام اور ردا کی ترقی کیلئے بہت ساری بیسٹ وشز۔ ردا کی ساری ہی رائٹرز میری فیورٹ ہیں۔ شازیہ مصطفیٰ اور سباس گل کو نئی زندگی کی شروعات کرنے پر بہت بہت مبارکباد۔

سائرہ جبار......کراچی

..........☆☆☆..........

مائی فرینڈ شکیلہ! آپ کو شادی کی بہت مبارکباد۔ سوری میں شادی میں شریک نہیں ہو سکی جس کیلئے معذرت لیکن میں ملنے ضرور آؤں گی۔ ہماری دوستی کو کبھی بھی بھلانا نہیں۔

فریال مرتضیٰ......اسلام آباد

..........☆☆☆..........

ڈیئر کزن رخشندہ! سردیاں بیت گئیں اور تم ابھی تک گھر نہیں آئیں اور تم نے مجھے وِش بھی نہیں کیا' میرا رزلٹ آ گیا تھا اور ہمیشہ تم سب سے پہلے مجھے وِش کرتی تھیں لیکن اس بار نہیں کیا اور بینا کیسی ہے؟ آنٹی کو میرا سلام۔

روبی اسلام......بہاولپور

..........☆☆☆..........

ڈیئر فرینڈ ربیعہ! کیا تم مجھے بھول گئی ہو۔ نہ کوئی کال' نہ کوئی میسج' کیا ناراض ہو مجھ سے؟ جلدی سے

پیارا سا میسج کرو۔

طیبہ بٹ......خانیوال

☆☆☆

لٹل سسٹر آمنہ! یہ کیا گڑیا آپ بالکل پڑھائی کی طرف توجہ نہیں دے رہیں' ہر وقت دوسری ایکٹیوٹیز یا پھر میگزین' کہانیاں وغیرہ۔ پہلے اپنی پڑھائی پر زیادہ توجہ دو' باقی چیزیں بھی ساتھ ساتھ' او کے۔

نادیہ خان......ہری پور ہزارہ

☆☆☆

پیاری فرح ناز! آپ کی اگلے ماہ شادی ہے' جس کی مبارکباد میں آپ کو ایڈوانس دے رہی ہوں۔ آپ میری کزن ہی نہیں میری سب سے اچھی دوست بھی ہو۔ آپ کی شادی کو لے کر میں بہت خوش ہوں۔ حرا' اب ملنے کے لئے بے قرار ہیں۔ ممانی کو اور ماموں کو سلام۔

عفت دانش......لاہور

☆☆☆

سوئٹ مہوش رضا! یہ کیا بات ہوئی گھر شفٹ کر لیا تو تم ملنے ہی نہیں آؤ گی۔ پہلے ہم کتنا ملتے تھے اور باتیں کرتے تھے۔ اب اتنی بوریت ہوتی ہے تم بہت یاد آتی ہو پلیز جلدی ملنے آؤ۔

بینش قمر......حیدر آباد

☆☆☆

مس شاہدہ جبیں! آپ میری فیورٹ ٹیچر ہیں۔ آج بھی میں آپ کو بہت مس کرتی ہوں۔ جب ہم ساری فرینڈز کبھی ملتی ہیں تو آپ کا تذکرہ ضرور کرتی ہیں۔ یو آر سو سوئٹ مس۔

صباحت......کراچی

☆☆☆

سوئٹ زرینہ خان! ہیپی برتھ ڈے ٹو یو مائی فرینڈ۔ پہلی بار ردا کے ذریعے تمہیں وش کر رہی ہوں۔ یہ سلسلہ بہت ہی اچھا لگ رہا ہے۔ سوچا تمہیں بھی اس کے ذریعے پیغام دوں۔ حنا کی طرف سے بھی ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔ وہ بھی تمہیں بہت یاد کرتی ہے۔

ماریہ گل......ہری پور ہزارہ

☆☆☆

پیاری قرۃ العین چنا! بیٹے کی پیدائش آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔ سمیر رحمان کو اللہ صحت اور تندرستی عطا کرے' آمین۔

صالحہ محمود اور ردا اسٹاف......کراچی

☆☆☆

میری سوئٹ اور کیوٹ فرینڈ رضیہ احسن! 28 مارچ کو آپ کی سالگرہ ہے۔ دل سے دعا گو ہوں کہ اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے' آمین۔ روبینہ ڈیئر کہاں ہیں آپ؟ اور فرح صاحبہ آپ کب آئیں گی اور آنٹی کے لیے بہت دعائیں' اللہ انہیں صحت دے۔

فاطمہ گوہر......صوابی

☆☆☆

صالحہ آپی آپ اور ردا پڑھنے والوں کو ایک خبر دینا چاہوں گی کہ وریال خان کی انگیجمنٹ میرے بھائی سے جنوری میں ہوئی۔ میری طرف سے ان دونوں کو بہت بہت مبارکباد۔

نایاب حسین......واہ کینٹ

☆☆☆

پیاری ثنا خان صنعا! 23 مارچ کے دن آپ کی برتھ ڈے ہے آپ کو سالگرہ بہت مبارک ہو۔

مریم خان......؟

☆☆☆

باتیں صحت کی

سیاہ زیرہ

استعمال:

سیاہ زیرے کا استعمال سالن کی تیاری میں ہوتا ہے۔ اس کی مخصوص خوشبو زیادہ تیز ہوتی ہے۔ اس کے بیج خوشبو کی وجہ سے ہر قسم کے پکوانوں میں استعمال ہوتے ہیں۔

انہیں ہر طرح کے نمکین اور شیریں پکوانوں میں شامل کیا جاتا ہے' مثلاً مصالحے دار کیک میں شامل ہونیوالے یہ بیج کیک کی مہک اور ذائقہ بڑھاتے ہیں۔

ان کو مختلف قسم کی روٹیوں' بسکٹوں اور مٹھائیوں میں بھی شامل کیا جاتا ہے۔ سیاہ زیرہ سبزیوں' گوشت وغیرہ میں بھی ڈالا جاتا ہے۔

خصوصیات

خاصیت کے لحاظ سے سیاہ زیرہ بلغم خارج کرتا ہے۔

یہ نظام ہضم کو درست کرتا ہے۔

اسے ہاضم سفوف میں بھی شامل کیا جاتا ہے مثلاً چورن وغیرہ۔

اس کا عرق جسم کے نظام استحالہ کو تحریک دے کر وزن کم کرنے کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

اس کو کالا نمک' کالی مرچ اور دار چینی کے ساتھ چبانے سے ہضم کی صلاحیت بہتر ہو جاتی ہے۔

اس کا جوشاندہ بلغم کو خارج کرتا ہے اور کھانسی دور کرتا ہے۔

تیز پات

یہ ایک خوشبودار پتا ہے جو کہ کھانوں کی تیاری میں بکثرت استعمال ہوتا ہے۔

استعمال:

یہ پتے مختلف مقاصد کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اس کی اپنی مخصوص مہک ہوتی ہے جو پکوانوں کی تیاری کے لئے بڑی مناسب سمجھی جاتی ہے۔ اس کو گچھے کی شکل میں پکنے کے دوران ڈال دیا جاتا ہے۔ اسے یخنی کی تیاری میں بھی استعمال کرتے ہیں۔

چاولوں کو خوشبودار بنانے کے لیے اسے چاول کے ڈبوں میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اس طرح اس کی مخصوص خوشبو چاولوں میں رچ جاتی ہے۔

فوائد:

بھوک بڑھانے کیلئے اسے گرم پانی میں بھگو کر پھر چھان کر پینا چاہیے۔

سر کی خشکی دور کرنے کیلئے اس کو گرم پانی میں بھگو کر پھر اس کا پانی بالوں کی جڑوں میں لگانے سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

☆☆☆☆

ثریا اقبال

کچن

قیمے کے کباب

اجزاء:

گائے کا قیمہ: 200 گرام
پیاز: 1 عدد
ٹماٹر: 1 عدد
ہرا دھنیا: 1/4 گڈی
ہری مرچیں: 4 عدد
پسی ہوئی کالی مرچ: 1/4 چائے کا چمچ
کٹی ہوئی لال مرچ: 1 چائے کا چمچ
انڈہ: 1 عدد
کارن فلور: 3 کھانے کے چمچ
نمک: حسب ذائقہ
تیل: حسب ضرورت

ترکیب: بلینڈر میں قیمہ اور سبزیاں ڈال کر بلینڈ کریں۔ اس میں نمک، کالی مرچ، لال مرچ، انڈہ اور کارن فلور شامل کر کے یکجان کر لیں۔

اس آمیزے کو پیالے میں نکال لیں۔ ہاتھوں کو تیل سے چکنا کر کے اس کے کباب بنا لیں۔

فرائنگ پین میں تیل گرم کر کے کباب کو سنہری رنگ آنے تک تلیں اور جاذب کاغذ پر نکال لیں۔

پران فرائیڈ رائس

اجزاء:

سیلا چاول: 1/2 کلو
جھینگے: 1/2 کلو
لہسن (چوپ کیا ہوا): 2 کھانے کے چمچ
بند گوبھی (باریک کٹی ہوئی): 1 عدد
ہری پیاز (سفید حصہ چوپ کر لیں): 3 ڈنڈیاں
مٹر (ابلی ہوئی): 100 گرام
کٹی ہوئی لال مرچ: 1 چائے کا چمچ
سویا ساس: 4 کھانے کے چمچ
گڑ: 1 چائے کا چمچ
لیموں کا رس: 2 کھانے کے چمچ
ہری مرچیں: (باریک کٹی ہوئی): 6 عدد
چائنیز نمک: 1/2 چائے کا چمچ
نمک: حسب ذائقہ
تیل: 3 کھانے کے چمچ
ہری پیاز: سجانے کے لیے

ترکیب: چاولوں کو سخت ابال لیں اور پانی چھان کر ایک طرف رکھ دیں۔

ایک دیگچی میں تیل گرم کر کے لہسن سنہری کریں اور پھر جھینگے شامل کر کے ہلکا سا بھونیں اور پلیٹ میں نکال لیں۔ اسی دیگچی میں ہری پیاز، بند گوبھی، مٹر، لال مرچ، ہری مرچ، نمک، سویا ساس، چائنیز نمک، لیموں کا رس اور گڑ ڈال کر ملا لیں۔

جھینگے اور چاول ڈال کر اچھی طرح ملائیں۔
مزیدار فرائیڈ رائس ڈش میں نکالیں اور ہری پیاز سے سجا کر پیش کریں۔

سبزیوں کی بالٹی

اجزاء:

مٹر: 1 پیالی
چنے (ابلے ہوئے): 1 پیالی
لہسن (باریک کٹے ہوئے): 4 جوے
ہری مرچیں: 6 عدد
ٹماٹر: 1/2 کلو
آلو: 2 عدد
بینگن: 2 عدد
پھول گوبھی: 250 گرام
بھنڈی: 250 گرام
گاجر: 250 گرام
پسی ہوئی ہلدی: 1 چائے کا چمچ
ثابت رائی: 1 چائے کا چمچ
پسا ہوا گرم مصالحہ: 1 چائے کا چمچ
پسی ہوئی لال مرچ: 2 چائے کے چمچ
ثابت سفید زیرہ: 2 چائے کے چمچ
نمک: 1 چائے کا چمچ
تیل: 1 پیالی

ترکیب: بینگن، آلو اور گاجر کے بڑے بڑے چوکور ٹکڑے کاٹ لیں۔ بھنڈی کو لمبائی سے 2 کاٹ لیں۔ پھول گوبھی کے پھول توڑ لیں، ٹماٹروں کو ابال کر بلینڈ کر لیں۔ کڑاہی میں مٹر، آلو، بینگن، پھول گوبھی، بھنڈی اور گاجر تل لیں۔ بچے ہوئے تیل میں بلینڈ کیے ہوئے ٹماٹر، لہسن، لال مرچ، زیرہ، ہلدی، نمک، رائی اور گرم مصالحہ شامل کر کے بھونیں۔ اس میں تلی ہوئی سبزیاں، ثابت ہری مرچیں اور چنے ڈال کر 20 منٹ تک دَم پر رکھیں۔ مزیدار سبزیوں کی بالٹی گرما گرم پیش کریں۔

چاکلیٹ اور پنیر کا کیک

اجزاء:

چاکلیٹ چپ بسکٹس: 150 گرام
مکھن (پگھلا ہوا): 45 گرام
باریک پسی ہوئی چینی: 110 گرام
تازہ کریم (پھینٹی ہوئی): 120 گرام
ڈارک چاکلیٹ (پگھلی ہوئی): 150 گرام
کوکو پاؤڈر (گرم پانی میں گھلا ہوا): 2 کھانے کے چمچ
کریم پنیر (پھینٹی ہوئی): 200 گرام
جیلیٹن پاؤڈر (گرم پانی میں گھلا ہوا): 1 کھانے کا چمچ

ترکیب: پیالے میں بسکٹس کو چورا کر کے ڈالیں، اس میں مکھن اور 1/2 چینی ڈال کر اچھی طرح سے ملا لیں۔

کیک کے سانچے کی تہہ میں بسکٹ کا آمیزہ سیٹ کر کے فریج میں رکھ لیں۔ ایک پیالے میں تازہ کریم، چاکلیٹ اور کوکو پاؤڈر کو ملا لیں۔

کریم پنیر، جیلیٹن اور باقی چینی ملائیں اور پھر چاکلیٹ کے آمیزے میں شامل کر کے یکجان کر لیں۔ سارا آمیزہ کیک کے سانچے میں ڈال کر کم از کم 3 گھنٹوں کے لیے فریج میں رکھ کر پیش کریں۔

☆☆☆

شہلا مشتاق

سنگھار

ناخن بھی توجہ مانگتے ہیں

مصروفیات کیسی بھی ہوں، صحت کے تقاضوں میں فٹنس کی زیادہ ضرورت خواتین رکھتی ہیں، چاہے وہ گھریلو خاتون ہو یا ملازمت پیشہ۔ دونوں کیلئے اپنے جسم کے دوسرے اعضا بالوں اور جلد کی حفاظت کیساتھ ساتھ ناخنوں کی بھی حفاظت کی ضرورت پڑتی ہے۔ انسان کی صحت مندی کا اندازہ اسکے ناخنوں سے لگایا جاتا ہے۔

حفاظت کے طریقے:

آرام دہ جوتے استعمال کریں کیونکہ ناخنوں کو ٹوٹنے سے بچانا ضروری ہے۔

پانی کا کام کرتے وقت ربڑ کے دستانے پہن لیں، یہ صابن اور ڈٹرجنٹ کے مضر اثرات سے بچاتے ہیں۔

اپنے ہاتھوں اور ناخنوں پر کوئی تیل یا موئیسچرائزر ملیں تاکہ ان کی چمک برقرار رہے اور ساتھ ہی اس عمل سے مضبوط ہوجاتے ہیں۔

سخت اور ٹوٹے ہوئے ناخنوں کو نہانے کے بعد نیل کٹر سے احتیاط سے کاٹ لیں۔ نمی کی وجہ سے آسانی سے کٹ جاتے ہیں۔

مینی کیور اور پیڈی کیور کے لئے اسٹرلائز ٹولز استعمال کریں۔

- نیل پالش کا استعمال کم کریں اور اس کو ریموو کرنے کیلئے اسٹینڈرڈ ریموور استعمال کریں۔

آنکھوں کی حفاظت

آنکھوں کو ہمارے جسم کی خوبصورتی کا نہایت اہم جزو تصور کیا جاتا ہے۔ یہ بڑی نعمت ہیں اور قدرت کا عطیہ بھی۔ انہیں مناسب دیکھ بھال اور توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس بات کا ہمیشہ خیال رکھیں کہ پوری نیند لیں۔

آنکھوں کا میک اپ

میک اپ کو شفاف رکھنے کیلئے اسفنج کا استعمال کریں۔ اسے پانی میں بھگو کر اچھی طرح نچوڑ لیں۔

اپنی آنکھوں کو پوری طرح کھول لیں اور آئی پنسل سے پہلے اوپر اور پھر نیچے لائن بنائیں۔ آنکھوں کو رنگین بنانے سے بہتر ہے کہ کسی ایک شیڈ کا انتخاب کیا جائے۔ پپوٹوں کی شکنوں پر بھی شیڈ کا استعمال کیا جائے۔ گرمیوں میں واٹر پروف مسکارا بہترین ہے۔

گرمیوں میں آئی لائنر کا استعمال نہ کریں۔

آنکھوں کے میک اپ کو رات بھر ہرگز نہ لگا رہنے دیں بلکہ سونے سے قبل دھو ڈالیں۔ سب سے پہلے آنکھوں کا میک اپ صاف کریں پھر چہرے کے دیگر حصوں پر توجہ دیں۔ آنکھوں پر کاسمیٹکس کا کم سے کم استعمال کریں۔ گرمیوں میں بھی اور سردی کے موسم میں بھی۔ ضرورت سے زیادہ کانٹیکٹ لینز کا استعمال نہ کریں۔

آنکھوں کے میک اپ کیلئے جو مصنوعات استعمال کریں وہ معیاری ہوں تاکہ آنکھوں کو کسی بھی قسم کا نقصان نہ پہنچے۔

☆☆☆..........